بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

پیش لفظ

عقائد نمبر ا۔ اپنے جملہ محاسن اور اپنی مجموعی خوبیوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہے ویسے ادارہ پاسبان نے متعدد عظیم معیاری نمبر کے اشاعت کی سعادت حاصل کی ہے۔ دور نہ جائیے اس نمبر سے پہلے ابھی سید العلماء نمبر کی اشاعت ہوئی ہے جس میں اکابر علماء اہلسنت و اساطین ملت کی سوانح حیات پیش کی گئی ہے جو ایک تاریخی دستاویز ہے اور اہل سنت کے ہونہار تعلیم یافتہ حضرات نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لے کر اپنی ذہنی و فکری بیداری کے ساتھ اس کا بھی ثبوت دیا ہے کہ ہم ایک زندہ قوم ہیں ہم نے اپنے اسلاف کی تاریخ پر دھول نہیں جھونکی بلکہ ان کے کردار و عمل کو کلیجے سے لگا کر اُسی کو اپنے حق میں مشعل راہ بنایا ہے۔

سید العلماء نمبر کی اشاعت سے قبل مولانا انوار احمد نظامی حافظ لال محمد قادری بابو عبد الرشید ارشد نظامی کو یہ تشویش تھی کہ کاغذ کی ہوشربا گرانی جب آسمان سے باتیں کر رہی ہے ایسے وقت اتنے ضخیم [illegible] کی کھپت بھی ہو سکے گی یا نہیں کہیں ایسا نہ ہو اس کی کا بیار [illegible] پاسباں کو نقصان کا منھ دیکھنا پڑے لیکن اہلسنت و جماعت کی ایک ایک کاپی لے کر اپنے بزرگوں سے اپنی ہی ہیں کہ یہ ہاتھ دوسروں کے

اور لوگوں کی فرمائش و آرڈر پر ہم دوسرے ایڈیشن کی تیاری میں مصروف ہیں۔

بیس برس کے اس طویل عرصہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ادارہ پاسباں کے کسی بھی نمبر کی کاپیاں آفس میں رہ گئی ہوں یہ ہماری تاریخ کے خلاف ہے چونکہ محدث اعظم نمبر اور مناظر اعظم نمبر مستقلاً شایع ہو چکے ہیں اس لئے سید العلماءُ نمبر میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اور حضرت شیر بیشہ اہلسنت علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات زندگی سید العلماء نمبر میں نہیں آسکے آئندہ ان دونوں کا مشترکہ نمبر ادارہ پاسباں شایع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اب اس وقت عقائد نمبر آپ کے زیر مطالعہ ہے وقت سے پہلے ہم اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتے۔ جہاں تک ہمارے امکان میں تھا اس حد تک اس نمبر کو ایک معیاری نمبر بنانے کی ہم نے جد وجہد کی ہے۔ اگرچہ یہ نمبر بڑی تاخیر سے ہم آپ کی نذر کر رہے ہیں لیکن اگر آپ نے اسے پسند کر لیا اور عوام و خواص نے اسے شرف قبول سے نوازا تو آپ کی طرف سے یہ ادارہ پاسباں کی حوصلہ افزائی ہوگی اور ہم آئندہ کسی بھی دوسرے نمبر کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں گے۔

عقائد نمبر اتنی تاخیر سے آپ کو نہ ملتا لیکن ہم نے پوری جماعت سے رابطہ پیدا کیا اور اس بات کی کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ اہل قلم [illegible] کئے جائیں تاکہ اس کی افادیت کو چار چاند لگ جائے [illegible] بزرگوں اور دوستوں کے جنھوں نے ہلدی تجھ [illegible] جس عنوان کو ان کے لئے منتخب کیا انھوں نے [illegible] ے جاتے کی زنجیروں میں جکڑ کے اپنا گرانقدر [illegible] کر [illegible] سطر آپ کی نظروں کے

سامنے ہے۔ میرے اپنے خیال میں عقائد نمبر کی دستاویزی حیثیت کا تقاضہ ہے کہ سنیوں کی کوئی آبادی اس نمبر سے خالی نہ رہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا سید العلماء نمبر اور عقائد نمبر کی قیمت بڑھتی جائے گی کتابیں بار بار چھپتی ہیں لیکن رسائل کے نمبر متعدد بار نہیں چھپتے۔ اس لئے اہل علم و اہل ذوق تساہل و تغافل کے شکار نہ ہوں جس قدر جلد ممکن ہو عقائد نمبر سے اپنی لائبریری کو آراستہ کرلیں۔ شایقین کی خواہش و آرڈر کے باوجود ہم بہت جلد اس کے دوسرے ایڈیشن پر قابو نہ پاسکیں گے۔ چونکہ ہمارے سامنے کام بہت زیادہ ہے ممکن ہے کام کی ہماہمی میں ادارہ پاسباں درپیش مسائل میں الجھ کر پیچھے مڑ کر نہ دیکھ سکے۔ اس لئے عقائد نمبر جہاں کہیں سے مل جائے اس کے خرید لینے کو غنیمت جانئے۔

ادارہ پاسباں اس کے بعد ایک ایسا شاہکار پیش کرے گا جس پر سنی دنیا اس طرح ٹوٹے گی جیسے پروانے شمع پر ٹوٹتے ہیں آپ ہمارے اعلان کا انتظار کیجئے۔ اور اپنی دعاؤں میں ہمیں یاد رکھئے تاکہ وقت کے صحیح تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے ہم آپ کی خدمت کا حق ادا کرتے رہیں بعض رسائل ہم سے الجھنا چاہتے ہیں ہمارے مسلسل سکوت و خاموشی کے باوجود ان کی نیش زنی کا سلسلہ جاری رہتا ہے ہم اپنے مخلصین سے بس اتنی گذارش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان کانٹوں میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کریں ہم تو اتنی بھی آزمائش کے قابل نہیں کہ ان سے اتنا بھی کہہ سکیں۔

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

ہماری زندگی میں فرصت کے اوقات اتنے نہیں ہیں کہ یہ ہاتھ دوسروں کے

جیب و دامن تک پہونچ سکے پھر اپنا مقدر اتنا بلند کہاں کہ ایسے دامن تک اپنی رسائی ہو اصغر کی زبان میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں۔

سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا
جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے

بہرحال ایک زخم ہے چوٹ کھایا ہوا دل ہے کبھی خون جگر نوک قلم پر آہی جاتا ہے۔ صد ہزار بار معذرت کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہوں عقائد نمبر نوع نوع مضامین کا ایک گلدستہ ہے جو ہماری جماعت کے اصحاب قلم کے ذہنی فکری اور علمی کاوشوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے ہر مضمون کا کہنا ہے پہلے مجھے پڑھو پھر آگے بڑھو۔ عنوان اور مضمون نگار کی حیثیت سے ہر مضمون کا معیار جداگانہ ہے بعض مضامین کی علمی سطح بہت اونچی ہے اہل قلم نے اسے آسان تر بنا کر پانی پانی کرنے کی کوشش کی ہے پھر بھی اس کے بعض گوشے دقت نظر کے طالب ہیں چونکہ مضمون کی تفہیم میں زبان کی سلاست و روانی اختیار کی جا سکتی ہے مگر کسی بھی فن کے اصطلاحی الفاظ کی تبدیلی ناممکن ہے ویسے عقائد نمبر کے عام مضامین انتہائی سلیس و دلکش زبان میں پیش کئے گئے ہیں۔

ہم بے چینی سے آپ کی رائے کے منتظر ہیں کہ آپ نے عقائد نمبر کو کیسا پایا اس کی کامیابی پر آپ کی ہلکی سی مسکراہٹ ہمارے درد کا درماں اور زخم کا مرہم ثابت ہوگی۔ خدا کرے اس کی ایک ایک سطر سے آپ کو پیار ہو اور اس کے مضامین کی بلندیاں اوج ثریا سے آنکھ مچولی کھیل سکیں۔ ہم اس نمبر کو آقائے کائنات روحی فداہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی بارگاہ میں نذر کرتے ہوئے اپنے تڑپتے دل۔ نمناک آنکھیں لرزتے ہاتھوں سے اسکی

کامیابی کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ اگر یہ نمبر ہماری عقیدت و اخلاص نیت کا ترجمان ہے تو عوام کے حق میں یہ رشد و ہدایت کا ایک روشن منارہ ثابت ہو اور ہمارے وجملہ شرکار قلم و رفقاء ادارہ کے حق میں توشۂ آخرت قرار پائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم

مشتاق احمد نظامی مہتمم دار العلوم غریب نواز الہ آباد
۱۲ ر ذیقعدہ ۹۵ھ ۱۷ ر نومبر ۷۵ء
نزیل بھدوہی" دارانسی"
دولتکدہ بابو راشد نظامی

کچھ اپنی باتیں

ماہنامہ پاسباں دنیا سنیت کا ہر دلعزیز جریدہ ہے جو اپنی بیس
برس سے زائد طویل خدمات میں سنی دنیا کو ایسے تحائف دے چکا ہے جو آج
تک اہل علم کی لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ پاسباں کی اشاعت کا ہمیشہ بنیادی
مقصد یہ رہا کہ اپنی قوم کو ایک تعمیری ذہن دینے کے علاوہ دشمنان مسلک
اہلسنت کو ترکی بہ ترکی جواب دے کر ان کی کمر ہمت توڑ دی جائے۔ چنانچہ
شر پسندوں نے جب کبھی کوئی فتنہ اٹھایا پاسباں کے اہل قلم نے ان کا ایسا تعاقب
کیا کہ انھیں ان کے گھر تک پہنچا ہی کر دم لیا۔ اور ان کی فتنہ سامانیوں کو اپنے
زور قلم سے ایسا برہنہ کر دیا کہ عوام کی طرف سے ان کی قطعاً کوئی حوصلہ افزائی
نہ ہو سکی۔ ہمیں اس کا دکھ اور صدمہ ہے کہ اب چند برسوں سے اس کی اشاعت
کا تسلسل ٹوٹ گیا اور جس پابندی کے ساتھ رسائل کو مارکیٹ میں آنا چاہیئے
نذر پاسباں اس سے محروم ہو گیا۔ یہ مرے قلب و جگر کا وہ چبھتا ہوا کانٹا ہے جس

کی سوزش و خلش میں ہمیشہ محسوس کرتا ہوں۔

اب میں پھر بعض اہل قلم و اہل خیر سے رابطہ پیدا کر رہا ہوں کہ دونوں
علیحدہ علیحدہ کچھ ذمہ داریاں سنبھال لیں تاکہ پاسباں کی بگڑی ہوئی ساکھ پھر
جم جائے اور وہ اپنی سابقہ پوزیشن حاصل کرے۔ اگر میں اس پر قابو پا گیا تو انشاء
اللہ تعالیٰ ماہنامہ پاسباں اپنی پوری آب و تاب سے پھر اس طرح منظر عام پر
آتا رہے گا جیسا کہ ماضی سے اس کا ریکارڈ ہے۔ اس وقت رضا لائبریری کی
تعمیر و تزئین ہمارے نشانے پر ہے ذہنی و عملی طور پر وہی مرکز توجہ ہے۔ اس کے
ارد گرد کمروں کو ادارہ تحقیقات کے کام میں لے لیا جائے گا اگر ہمارے عوام نے
ہمارا ساتھ دیا تو ایک تھوڑے سے وقفہ میں ہم رضا لائبریری اور ادارہ تحقیقات
جیسی دو عظیم دولت اپنے عوام کو دے سکیں گے۔ اس طرح ہم وقت کی دو بہت
بڑی کمی کو پورا کر سکیں گے۔

دار العلوم غریب نواز کا میں نے اعلان کیا کان کے پردے سے آواز
ٹکرائی اور قوم مراقوت بازو بن گئی جس کے نتیجے میں دار العلوم غریب نواز
جیسا سنیوں کا مضبوط قلعہ علم و ادب کا مرکز بن گیا ہے جہاں تشنگان علوم کا
کارواں اترتا رہتا ہے اور تدریجاً دھیرے دھیرے یہ عمارت آگے ہی بڑھتی
جا رہی ہے دار العلوم غریب نواز کی خود اپنی ذاتی عمارت ہے اس کا اپنا کتب خانہ
ہے۔ دار الافتاء ہے مطبخ سے طلباء کو کھانا دیا جاتا ہے نادار و غیر مستطیع طلباء کو کھانا
کے علاوہ وظائف بھی دیئے جاتے ہیں کتابیں مفت دی جاتی ہیں۔ ان سے کوئی فیس
نہیں لی جاتی درس نظامی کے علاوہ الہ آباد بورڈ سے منشی، کامل، مولوی، عالم
فاضل کے امتحانات بھی دلائے جاتے ہیں دار العلوم غریب نواز اپنے وقت کی
ایک عظیم درسگاہ ہے یہ جو کچھ بھی ہوا صرف چند برس کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

تاجدار پریس کے لئے میں نے اپنے مخلصین سے اپیل کی جس کے نتیجے میں غریب نواز پریس نام کی دیو ہیکل مشین نصب ہوگئی ہے۔ اگر یہ سب کچھ ہوسکتا ہے تو رضا لائبریری اور ادارہ تحقیقات کا قیام کیوں نہیں ہوسکتا میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں کہ وہ اس نیک کام کے لئے اپنے بندوں کے دلوں کو جھکا دے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ مستقبل قریب میں رضا لائبریری اور ادارہ تحقیقات کا کام مکمل ہوجائے گا۔

پریس نصب ہوجانے کے بعد اب دارالمصنفین کے قیام میں کسی زحمت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا دارالعلوم غریب نواز رضا لائبریری، ادارہ تحقیقات غریب نواز پریس، اور دارالمصنفین کے پھیلے ہوئے کام کو سمیٹ کریں صرف سنی تبلیغی جماعت کو مرکز توجہ بنالوں گا اس اثناء میں تدریجاً سنی تبلیغی جماعت کا کام جاری رہے گا۔ رضا لائبریری اور ادارہ تحقیقات کے لئے مجھے ملک کے بعض مخصوص حلقوں کا دورہ کرنا ہے تاکہ یہ دونوں ادارے اپنی راہ پر لگ جائیں۔ ماہنامہ پاسبان، کی ہماری آواز ہے اس کی زندگی بڑی قیمتی ہے عوام اور ہمارے درمیان پاسبان ہی ایک مضبوط رابطہ ہے اس کی توسیع اشاعت، ایجنسیوں کا قیام۔ خریداروں کی فراہمی یہ وقت کا ایک اہم تقاضا ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہماری آواز دبنے نہ پائے اور ہم تعمیر ترقی کی راہ پر لگے رہیں تو پھر ایک بار ماہنامہ پاسبان کو نئی زندگی دیجئے۔ ہر کام اپنے ابتدائی مراحل میں دشوار نظر آتا ہے لیکن سعی پیہم اور جد وجہد مسلسل سے راہ کے کانٹے مسکراتے پھول بن جاتے ہیں اپنی قوم ونسل کا مستقبل سنوارنے والا ذہن دو چار یا دس پانچ برس کا خاکہ نہیں تیار کرتا وہ صدیوں کا پلان بناتا ہے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی طویل وعریض عمارت جو آج کئی مربع میل میں پھیلی ہوئی ہے وہ اپنے جنم دن سے دس پانچ برس تک محض چند کمروں پر مشتمل ایک عمارت تھی لیکن تدریجاً بڑھتے بڑھتے آج کی یونیورسٹی چند میلوں کا شہر بن چکی ہے۔ ابھی ندوہ نے اپنی ۸۵ ویں سالگرہ منائی تھی لیکن پیچھے پلٹ کر سوچئے کیا جب اس کی عمر دس سال کی تھی تو اس وقت بھی اُسے یہی پوزیشن حاصل تھی ان اداروں سے ہمارا نظری اختلاف ہوسکتا ہے لیکن جہاں تک ان کے طریق کار کا تعلق ہے اُسے تو موضوع گفتگو بنایا ہی جا سکتا ہے اس لئے نتائج کی پرواہ کئے بغیر کہ ادارہ تحقیقات کی عمارت کب بنے گی۔ رضا لائبریری اپنے تکمیل کو کب پہونچے گی اور سنی تبلیغی جماعت ملک گیر پیمانے پر دورہ کب شروع کرے گی میں نے اس کی بنیاد ڈال دی تاکہ مرا چراغ زندگی بجھ جانے کے بعد مرے بعد والے ان اداروں کو اپنے دستور کے مطابق اُسے بڑھاتے اور چلاتے رہیں۔

آج ہم ایک چھوٹی اور مختصر سی عمارت میں ہیں ہمارا حلقہ اثر بھی محدود ہے لیکن کام کا سلسلہ اگر برابر جاری رہا تو ایک صدی بعد ادارہ تحقیقات و رضا لائبریری کی حیثیت کیا ہوگی؟ اس کا کچھ تو اندازہ کیا ہی جاسکتا ہے۔ البتہ ہماری جماعت کے بعض افراد میں ایک روگ یہ بھی ہے کہ حوصلہ افزائی کم اور ہمت شکنی زیادہ ہے! وہ کام کی نوعیت تو نہیں دیکھتے لیکن نقد و نظر تنقید و تبصرہ غلط پروپیگنڈہ دشنام طرازی اتہام بندی سے وہ اپنا نامہ عمل ضرور سیاہ کرتے ہیں، کچھ ایسے بھی طبائع ہیں نہ ان میں کام کی صلاحیت ہے اور نہ ہی وہ کسی کا تعمیری کام برداشت کر پاتے ہیں۔ البتہ جاہ طلبی اقتدار پسندی ان کی سرشت و مزاج ہے قدم قدم پر ایسے

جاہ پرست و تخریب کار عناصر سے سابقہ پڑتا ہے غالب نے سچ کہا۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

کام کرنے والوں کو چاہئیے کہ وہ ایسے ابن الوقت اور موقع پرست افراد کو منھ تک نہ لگائیں ان کی ہرزہ گوئی کو ان سنی بنا کر اپنے کام میں لگے رہیں۔ زندگی مختصر ہے اور کام بہت ہی زیادہ ہے اس کا ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے سے جو ہو سکے اس کے انجام دہی میں کوتاہی نہیں برتنی چاہئیے جماعت کے قیمتی افراد پر شکوک و شبہات اور ان سے بدگمانی جن لوگوں کا ذہنی پیشہ ہے ایسے پیشہ وروں سے قیل و قال کے بجائے انھیں اپنے کردار و عمل سے مطمئن کرنے کی کوشش کیجئے شاید کہ ہمارا یہ طرز عمل ان کی برہنہ پشت پر تازیانہ عبرت ثابت ہو اور سوسائٹی کے وہ دو موہے سانپ جن کا مطمح نگاہ اپنے مفاد کے سوا کچھ بھی نہیں جو اپنی معمولی سی منفعت پر جماعت کے بڑے سے بڑے مفاد کو قربان گاہ کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ ان سے نجات پانے کے لئے بس خدا کی پناہ ڈھونڈیئے۔

ایسے رکابیہ مذہب والے آستین کی سانپ سے بھی زیادہ خطرناک اور زہر ہلاہل ہیں۔ یہ جسے ڈس لیتے ہیں لہر بھی نہیں آتی وہیں کا وہیں وہ دم توڑ دیتا ہے یہاں پہونچ کر حافظ شیرازی کا ایک شعر سطح ذہن پر ابھر آیا۔

اندرون قعر دریا تختہ بندم کردہٗ
باز میگوئی کہ دامان تر مکن ہشیار باش

بہر حال منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ہر رہگذر کانٹوں اور انگاروں سے بھری ہے۔ خشت باری اور آبلہ پائی کا شکوہ کئے بغیر منزل کی طرف

بڑھتے رہئے کوئی نہ کوئی دن ایسا آئے گا جب کہ خود منزل مرحبا اہلاً و سہلاً کہہ کر آپ کا استقبال کرے گی۔ گذری ہوئی چند سطروں کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم کوثر و زمزم کے دھلے دھلائے ہیں ہر ہر قدم پر ہم سے لغزش اور خطا کا امکان ہے البتہ ان کانٹوں بھری راہ سے گذرنے میں اعتدال اور محتاط روش کے اختیار کرنے ہی میں سلامتی ہے اصحاب رائے کی وہ مخلصانہ تنقید جو ہمیں زندگی کا نیا رُخ اور نیا موڑ دیتی ہے اور ہماری بشری کمزوریوں کی تاریک راہوں میں روشن چراغ ثابت ہو ان کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ جائیے لیکن نقد و نظر کا گھنونا پارٹ ادا کرنے والوں سے پنجہ آزمائی کے بجائے انہیں منھ لگائے بغیر جھپٹتے ہوئے اس طرح گذر جائیے کہ وہ اپنا سا منھ لے کر رہ جائیں۔

خدا کرے ماہنامہ پاسبان اپنی بھرپور توانائیوں کے ساتھ ابھرے اور قوم و ملت کی جو امیدیں اس سے وابستہ ہیں وہ بحسن و خوبی پوری ہو سکیں آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

مشتاق احمد نظامی خادم سنی تبلیغی جماعت
۱۳ ذوقعدہ ۹۵ھ ۱۸ نومبر ۷۵ء
نزیل بھدوہی وارانسی
کاشانہ بابو ارشد نظامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علٰے حبیبہ الذی اصطفٰی

عقائد اور معمولات و مراسم اہلسنّت کا علمی و تحقیقی جائزہ

عقیدہ توحید

—————— ابنام اسلام

مسلمان مذہب اہلسنت ہی ایک ایسا مذہب و مسلک ہے جو افراط و تفریط سے یکسر خالی ہو کر اپنی احتیاط و اعتدال پسند روش میں ہر ایک سے منفرد و ممتاز ہے۔ اور یہی وہ مذہب حق ہے جو ما انا علیہ واصحابی کا آئینہ دار ہے مخبر صادق سید عالم روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیشنگوئی کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے ان میں بہتر جہنمی اور ایک ناجی ہے اسی ناجی فرقے کا دوسرا نام اہل سنت و جماعت ہے۔ ہماری نظر میں توحید و رسالت کا ایک ایسا بنیادی تصور ہے جس سے تمام فرقہ ہائے باطلہ یکسر محروم ہیں ہم اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے حتی کہ سجادہ تعبدُ تو درکنار غیر خدا کے لئے سجدہ تعظیمی کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔ گنبد خضرا کی چھاؤں میں پہونچنے کے بعد ہم اپنے نبی و رسول کی قبر کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ کھڑے ہو کر ان کی بارگاہ بیکس پناہ میں صلوٰۃ و سلام کی نذر گذارتے ہیں۔ یہیں سے اہلسنت کا نکھرا ہوا مزاج سمجھ میں آگیا کہ جب ہم

کہ معاذ اللہ خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے تو طبقہ اہلسنت نے اس کفری و باطل عقیدے کے خلاف زبان و قلم کی پوری طاقت صرف کر دی اور وقت کی ایک دینی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے کسی بھی پروپگنڈے کی فکر و پرواہ کئے بغیر توحید خالص کا جھنڈا لہرا دیا۔ اگر ہو سکے تو سبحٰن السبوح فتاوی رضویہ، حسام الحرمین وغیرہ کا مطالعہ کیجئے جو کسی بھی متلاشی حق کے لئے اندھیرے کا اجالا ہے!

بہرحال اہلسنت وجماعت ایک نکھری ہوئی بے غبار توحید خالص کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ خدا کے لئے جھوٹ یا کسی بھی عیب کے امکان کا تصور تک نہیں کر سکتے چہ جائیکہ یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے ہماری درسگاہ نظامی کا مبتدی طالب علم جس نے شرح تہذیب پڑھی ہے وہ بھی یہ جانتا اور مانتا ہے کہ اللہ "اس ذات واجب الوجود کو کہتے ہیں جو مستجمع ہے جمیع صفات کمالیہ کا" اس کی ہر صفت کمال والی ہوتی ہے خدا کی کوئی بھی صفت رذیل یا گھٹیا درجے کی نہیں ہو سکتی وہ دیوبند کا خدا ہو سکتا ہے جو جھوٹ بھی بول سکے اور پھر بھی خدا ہی رہ جائے غور فرمایئے جس کا خدا جھوٹا ہو سکتا ہے اس کے بندوں کا کیا عالم ہوگا؟ مگر یہ عجیب وغریب قوم ہے اس کے خدا کو جھوٹا نہ کہئے تو پیشانی پر بل آجائے اور انہیں جھوٹا کہیے تو چراغ پا ہو جائیں۔

اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ
جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ

حاصل گفتگو یہ ہے کہ آج کے سیماب صفت، ابن الوقت توحید کے ٹھیکداروں اور مذہب کے غداروں نے جس بری طرح اپنے عقیدے کی

مٹی پلید کی ہے وہ سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے اُسی زمرے میں شامل کر لینے کی جدوجہد کرتے ہیں ان سیاہ بختوں کو جب ہماری کتابوں میں کچھ نہیں ملتا جس پر وہ اعتراض کر سکیں تو اپنی خانہ ساز توحید کا رنگ جمانے کے لئے اہلسنت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ ان ظالموں نے ہمیں بدنام کرنے کے لئے قبروں پر پہونچکر خود ہی سجدہ کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ لوگ ہم سے گھن اور نفرت محسوس کریں۔ کوئی بھی سُنی کسی قبر پر سجدہ کرنے نہیں جاتا بلکہ وہ اللہ کے ولی سے اکتساب فیض اور ایصال ثواب کے لئے جاتا ہے۔

اگر ان کی چیرہ دستیوں کا عینی مشاہدہ کرنا ہو تو کلیر شریف جائیے جیسا کہ سنا جاتا ہے وہاں ایام عرس میں طوائفوں کا ہجوم اور بعض[1] دوسرے منکرات سے شرعی عرس کی تقدیس و حرمت کو داغدار کیا جاتا ہے غور کرنے کا مقام ہے کہ آخر کش یہ کلیر شریف ہی میں ایسا کیوں ہوتا ہے جس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ کلیر شریف سہارنپور اور دیوبند کے قریب ہے نہ تو وہ مخدوم کلیری کی قبر اکھاڑ سکتے ہیں اور نہ ہی گنبد ڈھا سکتے ہیں (اگر بس چلے تو یہ بھی کر گزریں مگر وہ تو کہئیے کہ خدا نے گنجے کو ناخن ہی نہیں دیئے)

لہٰذا ـــــ اسنیوں اور عرس کو بدنام کرنے کے لئے دیوبند ہی کی سازش معلوم ہوتی ہے کہ وہاں ایسے منکرات کا ارتکاب کیا جائے جس سے عرس کے خلاف کچھ کہنے کو مواد و میٹریل مل جائے ورنہ ہم دیوبند کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ بریلی، مارہرہ، گھوسی، مراد آباد پہونچکر بدعات و منکرات کی نشاندہی کرے یا پھر

---

[1] خدا کرے یہ خبر غلط ہو۔

ہمارے اکابر کی کتابوں کے حوالےجات پیش کرے جس میں معاذ اللہ بدعات و منکرات کو درست اور جائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی ایک ہی رہی کہ خود ہی اپنے عوام کو ٹریننگ دیکر بھیجیں اور سجدہ و قبر پرستی کا الزام ہمارے سر! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔

اگر موقع ملا تو عرس کی بحث میں ہم اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے زیر بحث موضوع میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ اہلسنت وجماعت خدا کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہیں گردانتے وہی الٰہ و معبود ہے وہی ہر شے کا خالق و مالک ہے اُس بزرگ و برتر ذات ہر عیب سے پاک وصاف ہے بندوں میں خواہ کوئی کتنے ہی فضل و کمال کا ہو وہ بندہ ہے معبود نہیں مخلوق ہے خالق نہیں شرک ایک ایسا پاپ ہے کہ گناہوں کی تو معافی ہے مگر شرک کی کوئی معافی نہیں اس لئے ایمان و عقیدے کے کسی گوشہ پر شرک کی پرچھائیں تک نہیں پڑنے دیتے۔

یہ ضرور ہے کہ ہمارا مسلک افراط و تفریط اور غلو کی انتہاپسندی سے بالکل پاک وصاف ہے ہم شرک جلی کو جلی کہتے ہیں اور مشرک خفی کو خفی یہ تو تقویۃ الایمان کے مولف کا مزاج ہے جس نے دیدہ و دانستہ اور بامقصد بالارادہ شرک خفی کو شرک جلی لکھا اور اس کا بھی اقرار کیا کہ میں جانتا ہوں کہ اس کتاب کے بعد مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوگا مگر وہ لڑ بھڑ کر ٹھیک ہو جائیں گے گویا جان بوجھ کر نشیمن پر چنگاری پھینکی گئی آگ کا بھنا تو درکنار دامن کی ہوا سے اور بھی اُسے بھڑکایا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں آئے دن مجادلہ و مناظرہ ہوتا رہتا ہے مسلمانوں میں افتراق و انتشار کی تمام تر ذمہ داری علماء دیوبند پہ ہے جو اِن کفری عبارات کی پرورش کر رہے ہیں جس سے مسلمانوں

کا شیرازہ تتر بتر ہو کر رہ گیا ہے۔ میلاد و سلام عرس و فاتحہ میں اگر آنجناب کو کوئی غلطی نظر آتی ہے تو اس کی اصلاح بہت آسان ہے مگر کفر کا وہ غلیظ ٹوکرا جسے پھولوں کا گلدستہ کہہ کر آپ سر پر لئے پھر رہے ہیں اس سے جسم کے ظاہر و باطن کی تطہیر بہت ضروری ہے ہم اہلسنت و جماعت خدائے وحدہ لاشریک کی ذات و صفات میں کسی بھی بندے کو شریک نہیں ٹھہراتے البتہ خدا کے جن محبوب بندوں کے لئے اختیارات و تصرفات کو مانتے ہیں وہ خدا ہی کی دین اور اسی کے جود و عطا کا ثمرہ ہے وہ اپنی ذات و صفات میں واجب و قدیم ہے اس کی ہر صفت ذاتی ہے اللہ کے بندوں میں خواہ انبیاء و رسل اور اولیاء کبار ہی کیوں نہ ہوں ان کے جملہ معجزات و کرامات عطائی ہیں اسی خدائے بزرگ و برتر نے اپنی شان کرم سے انھیں نوازا ہے۔ پروردگار اپنی ذات و صفات میں بے مثل و بے نظیر ہے ساری کائنات اسی کے تحت قدرت ہے اُسے کوئی مادی آنکھ دیکھ نہیں سکتی البتہ وہ ساری کائنات کو محیط ہے اس کا علم حضوری ہے وہ عالم الغیب والشہادہ ہے موت و زندگی پر اسی کا تصرف کامل ہے،

آسمان کی بلندی، زمین کی فروتنی، عرش کی عظمت، آفتاب کی روشنی، چاند کی چاندنی کہکشاں کا جمال، قوس قزح کی رعنائی، کلیوں کی مسکراہٹ، پھولوں کی زیبائی، موسم کی تبدیلی، بجلیوں کی تڑپ، بادل کی گھن گرج، دریا کی روانی سمندر کی طغیانی غرض کہ یہ جسقدر بھی مظاہر قدرت ہیں اپنی خاموش زبان میں لا الہ الا اللہ کی دعوت دے رہے ہیں عارف حق سرکار آسی نے کیا خوب فرمایا۔

بے حجابی یہ کی ہر ذرے سے جلوہ آشکار
اُس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

غرض کہ کائنات کا کوئی ذرہ اس کی مشیت و ارادے کے بغیر ہل نہیں سکتا۔ وہ ساری کائنات کا پالنہار ہے وہی خالق و مالک ہے اور انسانی رشد و ہدایت کی خاطر اسی کے بھیجے ہوئے سچے رسول آقائے دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی نبوت و رسالت کی تصدیق عین ایمان ہے۔

عقیدہ ایمان بالرسالت

محمد رسول اللہ —— محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں لا الہ الا اللہ کے اقرار و تصدیق کے بعد ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ محمد ابن عبداللہ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے نبی اور رسول ہیں وہی خدا اور بندوں کے درمیان رابطہ اور وسیلہ ہیں۔ حتی کہ تیس ۳۰ پارے کا قرآن بھی اگر ملا تو کلام خدا کا ہے اور زبان مصطفیٰ کی ہے ایسے ہی۔ خدا نے یہ فرمایا کہ اقیموا الصلوٰۃ نماز قائم کرو مگر نماز کس طرح پڑھی جائے گی اور کب پڑھی جائے گی اس کی تعلیم دینے کے لئے آسمان کا کوئی فرشتہ زمین پر نہیں بھیجا گیا بلکہ سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ،، صَلُّوا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ ،، نماز ایسے ہی پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھو۔ معلوم ہوا سجدہ خدا کا کیا جاتا ہے اور ادا مصطفیٰ کی دیکھی جاتی ہے۔ غرض کہ نماز اللہ اکبر سے لے کر سلام تک سرور کونین کی ایک ادا ہے گویا اب اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ میں جب کہوں تب پڑھو، جہاں کہوں وہاں پڑھو، جس طرح کہوں اس طرح پڑھو ہم اس مقام پر اس کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ نماز جو عبادات میں ایک اہم عبادت ہے

اس کی جو تفصیلات بنا رہا ہے وہ کوئی مجبور نہیں بلکہ مختار ہے اس لئے اب اگر کوئی یہ کہہ کر گزر جانا چاہے کہ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"

ہم اس بدبخت و بدنصیب کو قابل گردن زدنی سمجھتے ہیں اور جب ہم اس کا یقین و اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کے تیسوں پارے رسول خدا ہی کی زبان سے ہمیں ملے ہیں تو اس زبان کی تقدیس و حرمت کا اقرار بھی مقتضائے ایمان ہی سمجھتے ہیں لہٰذا مقام استفسار میں ہم اطلاق بشر تو کر سکتے ہیں مگر زبان و قلم کے عام محاورات میں ہم انھیں اپنا جیسا بشر نہیں کہہ سکتے ورنہ زبان کے مجروح ہو جانے کے بعد خطرہ ہے کہیں کلام الٰہی کی عظمت و تقدیس پر حرف نہ آجائے اس لئے رسول خدا کو اپنا جیسا بشر کہنا ہم اسے خطرے کا ایک سگنل تصور کرتے ہیں بلکہ اس مذموم عقیدے کے بعد ہم یہ اندیشہ محسوس کرتے ہیں کہیں ایمان کا پورا محل پیوند خاک نہ ہو جائے غرض کہ نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کی جملہ تفصیلات و توضیحات ہمیں سید عالم روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی سے ملی ہیں حتیٰ کہ خدا کی معرفت و پہچان اس کی وحدانیت کا اقرار و تصدیق سب انھیں کی بارگاہ کرم کا عطیہ ہے۔ اس لئے ہم اپنے اس عقیدے میں حق بجانب ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور بندوں کے درمیان نہ صرف وسیلہ بلکہ وسیلہ اور مقصد دونوں ہیں۔ اگر وہ مقصد نہ ہوں تو قبر کا اتنا ہی سوال کافی ہوتا کہ من ربک تمہارا رب کون ہے ما دینک اور تمہارا دین کیا ہے یہ نہ دریافت کیا جاتا کہ انھیں جانتے ہو یا نہیں اس سوال نے وسیلہ کے علاوہ ان کے مقصد ہونے پر مہر لگا دی کہ ان سے تمہارا رشتہ ٹوٹ نہیں گیا ہے دونوں سوالات کے جوابات کی صحت ان کے پہچاننے پر موقوف ہے گویا ان کا پہچاننا

ہی اس دستاویز کی آخری مہر ہے۔

ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نبی و رسول ہی نہیں مانتے بلکہ ہم انھیں خاتم النبیین بھی مانتے ہیں لہٰذا اس بحث میں اگر کوئی ختم نبوت ذاتی و زمانی کا افتراعی مسئلہ اٹھا کر اپنی کاوش فکر کی داد لینا چاہے کہ تحذیر الناس ص۱۳ یعنی اگر بالفرض آپ کے زمانے میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہ آئے گا ——

تو ہم اس کفری عبارت کو ختم نبوت کی سیسہ پگھلائی دیوار پر ایک ایسی چاند ماری تصور کرتے ہیں جس نے اس کی آہنی دیوار میں شگاف ڈال دیا اور نتیجے میں قادیانی فرقہ جو بساط سیاست کا پٹا ہوا مہرہ ہے اس نے ایک نئے نبی کو جنم دیدیا۔ حالانکہ زگائیں دیوبند پر لگی تھیں جو نکہ بیج وہاں پہلے پڑ چکا تھا مگر ثمرہ قادیان میں نمودار ہو گیا۔ اس لئے جس جرم کی پاداش میں قادیانیت کو اقلیت میں شمار کیا گیا ہے دیوبند ان سے کہیں زیادہ اس سزا کا مستحق ہے۔ لہٰذا قانون جو تلوار کی ایک دھار ہے جس نے قادیانیت جو وقت کا عظیم فتنہ تھا اس کا سر قلم کر کے اپنی انصاف پروری کا ثبوت دیا ہے اُسے کسی بھی وقت نیام سے باہر نکل کر دیوبندیت کے کلیجے پر وار کرنا ہوگا تاکہ فیصلے کا تشنۂ تکمیل محضرنامہ اپنے انجام اور تتمے کو پہونچ جائے۔

اسی طرح ہم اپنے کو مومن اور رسول خدا کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں تاوقتیکہ ہم اس کا اقرار نہ کرلیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے۔ ہم ان کا اور ان کی بارگاہ کا ادب و احترام عین ایمان قرار دیتے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا

اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْہَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَہْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو تم اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور جس طرح تم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو اس طرح نبی کریم سے نہ بولو ورنہ یعنی اگر تم نے اس قانون پر عمل نہ کیا تو تم لوگوں کے اعمال میٹ دیئے جائیں گے اور تمہیں شعور بھی نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عمل صالح کی روح ایمان اور ایمان کی جان محمد رسول اللہ ہیں محبوب خدا کی بارگاہ میں معمولی سی گستاخی و بے ادبی نماز، روزہ حج و زکوٰۃ کی پوری کائنات ملیامیٹ کر دیتی ہے اس لئے ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ تاجدار دوعالم کی بارگاہ میں کوئی بھی ایسا لفظ نہ بولا جائے جس میں توہین نبوت کا شائبہ تک ہو جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا یعنی اے ایمان والو تم میرے محبوب کو راعنا مت کہو انظرنا کہو صحابہ کرام راعنا سے ایک صحیح مفہوم مراد لیتے مگر یہودی اس لفظ سے گندہ معنی مراد لیتے۔ پروردگار کو یہ گوارا نہیں کہ میرے مصطفیٰ کی شان اقدس میں کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس میں ایہام توہین ہو بے ادبی و گستاخی کا کوئی پہلو نکلتا ہے لہٰذا اگر کوئی رسول کریم کی بارگاہ میں کھلی توہین کرے مثلاً "یہ کہے پھر آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب زید و عمر بلکہ صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کیلئے بھی حاصل ہے۔ (حفظ الایمان)

تو ہم ایسے شخص کو خارج اسلام اور کافر و مرتد سمجھتے ہیں اور جو لوگ بھی اس عبارت

پر مطلع ہو کر اس کی تائید و حمایت کرتے ہوں انہیں بھی کافر و مرتد جانتے ہیں۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفاء مبارک میں فرماتے ہیں اگر کسی کلمہ گو نمازی نے رسول خدا کے پہنے ہوئے جوتے کو تحقیراً بجائے نعل کے نعیل کہہ دیا یعنی یہ کہہ دیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جُتڑیا ہے تو ایسا شخص کافر ہوگیا واجب القتل ہے اس کی گردن مار دینی چاہیئے چونکہ اس نے اس جوتے کی توہین کی جس نے رسول خدا کا قدم چوما ہے جب جوتی کی توہین کرنے والا مسلمان نہ رہ جائے گا تو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا کس طرح مسلمان رہ سکتا ہے؟ ہم اہلسنت وجماعت رسول خدا کو نہ تو خدا کہتے ہیں نہ خدا کا بیٹا نہ خدا جیسا بلکہ اللہ کا ایسا محبوب بندہ کہتے ہیں جو خدا اور اس کے تمام بندوں کے درمیان وسیلہ ہے اس کی جملہ صفات خدا ہی کی عطا کردہ ہیں حتیٰ کہ ہم آقائے دوجہاں کو عالم غیب مانتے ہیں مگر اس طرح کہ ان کے جس قدر علوم ہیں وہ سب خدا ہی کے دیئے ہوئے ہیں جس کا علم نہ تو ابوبکر کو ہے نہ تو جبریل امین کو بلکہ دینے والا خدا جانتا ہے یا لینے والے مصطفیٰ امتیوں میں کوئی بھی ان کے وسعت علم کو گھیر نہیں سکتا اب اگر کوئی یہ کہے الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ براہین قاطعہ۔

تو ہم ایسے گستاخ و بے ادب کو کافر ملعون و مردود سمجھتے ہیں اس نے قرآن کا صحیح مطالعہ نہیں کیا۔ اس کا کہنا وسعت علم مصطفیٰ کی قرآن میں کوئی نص نہیں ملتی ہمارا کہنا ہے کہ اگر قرآن کی نص پیش کی جائیگی تو تمہارا ایک ایک نص جھٹلا جائیگی لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں اگر کوئی دریدہ دہن یہ کہنا چاہے کہ سرور عالم کو

دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں تھی تو اس بے خبر کو اپنی بے خبری پر ماتم کرنا چاہیئے
وہ تو عالمِ جمیع ماکان و مایکون تھے ہم اہلسنت اس کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ سرور
عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمحہ سے بھی کم درجہ کے برابر موت کا صرف ذائقہ
چکھا اس کے بعد انھیں حیات سرمدی مل گئی وہ کل بھی زندہ تھے آج بھی زندہ
ہیں اور اب ہمیشہ کے لئے زندگی جسم اطہر زمین کے جس حصے پر ہے وہ عرش
اعظم سے بھی افضل تر ہے اب اگر کوئی نا آشنائے ادب یہ عقیدہ
رکھے کہ معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے تو ہم اس گمراہ
بے ادب کو جہنمی سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی جب ہم اس کا یقین رکھتے ہیں کہ نماز تکبیر
تحریمہ سے لے کر التحیات و درود تک آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا
ہے تو ہم اس کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ مرد مومن کی نماز سرکار کے یاد اور
تصورات سے خالی نہیں رہ سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ التحیات میں السلام علیک
ایھا النبی تو کہا جائے اور نبی کا خیال نہ آسکے۔ ایسے ہی سورہ فاتحہ کے بعد
محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم، آیات کی تلاوت کی جائے
مگر آقائے دو جہاں کا خیال نہ لایا جاسکے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ تلاوت قرآن
میں اس کی تلقین ہے کہ صرف زبان سے تلاوت ہی نہ کی جائے بلکہ اس
کے مفہوم و معنی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے لہٰذا معنی کا سمجھنا یہ اتفاقیہ نہ ہوگا
بلکہ بالمقصد و بالارادہ ہوگا اب جس کی صحیح تعبیر یہی ہوگی کہ سورہ فاتحہ کے بعد
اگر محمد رسول اللہ والذین معہ الخ کی تلاوت کی جائے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے معنی کو سمجھنے کے لئے قصد اور ارادے کو دخل ہوگا۔

اب ان حقائق کی روشنی میں اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ رسالتمآب صلی اللہ
علیہ کے خیال لانے سے نماز جاتی رہے گی تو مجبوراً ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ جن

کی نماز گائے بیل کے خیال لانے سے ہو جاتی ہے اور مصطفیٰ کے خیال
لانے سے نہ ہوتی ہو تو بیلوں والی نماز انھیں مبارک ہو اور مصطفیٰ والی
نماز ہمیں! یہ تو اپنا اپنا نصیبہ ہے اور اپنی اپنی تقدیر!

اسی طرح محمد رسول اللہ کی تصدیق و اقرار کے بعد ہم اس کا بھی یقین و
اعتماد رکھتے ہیں کہ وہ انسانی رشد و ہدایت کی خاطر عالم خاک میں مبعوث تو ہوئے
مگر وہ ہم جیسے بشر نہیں تھے بلکہ ان کی بشریت بھی ایک طرح کا معجزہ تھی
اگر وہ ہم جیسے ہی بشر ہوتے تو عام انسانوں کی طرح زمین پر ان کا سایہ
پڑنا چاہیئے تھا لیکن صحابہ کرام کی روایت شاہد عدل ہے کہ ہم نے
آفتاب کی دھوپ ہو یا چاند کی چاندنی کسی میں بھی سید عالم نور مجسم
صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں دیکھا حتی کہ جسم اطہر پر جو کپڑا
ہوتا اس کا بھی سایہ زمین پر نہ پڑتا، رسول اللہ کے جسم مبارک پر کبھی مکھی نہ
بیٹھتی ایسے ہی آقائے دو جہاں جس راہ سے گذرتے وہ رہگذر پسینے کی خوشبو
سے مہک جاتی جن کنکریوں پر قدم مبارک رکھ دیتے وہ موم کی طرح پگھل
کر اپنے کلیجے پر نقش پائے مصطفیٰ لیتیں۔ وہ اگر سو جاتے تو ان کا وضو باقی
رہتا لعاب دہن اگر کھاری کنوئیں میں ڈال دیا اس کا پانی شیریں ہو گیا
غزوہ خیبر میں حضرت علی مرتضیٰ کو آشوب چشم کی شکایت تھی سرکار نے
لعاب دہن لگا دیا تو آنکھ کی تکلیف اور سرخی جاتی رہی غار ثور میں جب
حضرت ابو بکر صدیق کو سانپ نے ڈس لیا تو یہی لعاب دہن زہر کے حق
میں تریاق بن گیا۔ معراج کی شب جہاں جبریل امین کا ذہن نہ جائے اس
سے کہیں آگے سرکار کا قدم ناز گذر گیا۔ غرض کہ ان کی ہر ادا مافوق البشریت ہے
کسی کا اچھا شعر ہے۔

دھوکے میں آنہ جائے کہیں فکرو آگہی
آقاد کائنات لباس بشر میں ہے

ایسے ہی ہم سرور کونین کو اپنا شفیع تصور کرتے ہیں اور انھیں شفاعت کبریٰ کا مقام حاصل ہے وہ شفیع محشر بھی ہیں اور ساقی کوثر بھی! پروردگار نے انھیں علم اولین و آخرین عطا فرمایا اور علم غیب کے خزانے مرحمت فرمائے وہ اللہ کے ایسے محبوب تھے کہ ان کی مرضی پر قانون الٰہی اُترتا نماز کی نیت باندھی بیت المقدس کی طرف مگر بار بار آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتے کاش بجائے بیت المقدس کے کعبہ ہمارا قبلہ ہوتا بس اتنے ہی میں جبریل امین تحویل قبلہ کی آیت لے کر حاضر ہوئے اسی مفہوم کی ترجمانی میں مجدد دین و ملت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں

خدا کی رضا چاہتا ہے دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

فریضہ حج کی آیت اترنے کے بعد صحابی رسول نے عرض کیا یارسول اللہ کیا حج ہم پر ہر سال فرض ہے حالانکہ اپنی جملہ شرائط کے ساتھ حج مسلمان پر پوری زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے مگر سرکار نے ارشاد فرمایا اگر مری زبان سے ہاں نکل جاتا تو ہر سال فرض ہو جاتا۔ اسی لئے ہم اہلسنت وجماعت اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب کو مالک ومختار بنایا۔ اب خدا کے ایسے پیارے محبوب کو اگر کوئی گاؤں کا چودھری یا زمین دار کا مرتبہ دے تو ہم ایسے سیاہ بخت کو جہنم کا ایندھن تصور کرتے ہیں۔ انھیں خدا، خدا کا بیٹا، یا خدا جیسا نہ کہہ کر ہم ان کی بارگاہ میں میلاد، سلام وقیام کو غلاموں کی طرف سے خراج عقیدت تصور کرتے ہیں غرض کہ ان کے جملہ محاسن اور خوبیوں

کو سمیٹنا یہ انسانوں کے کس بل سے باہر ہے ایسی ہزار زندگی دیجائے اور ساری عمر زبان وقلم سے ان کے فضائل وکمالات بیان کئے جائیں تو آخر میں حضرت جامی کی زبان میں یہی کہنا پڑے گا۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ،   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کہنا یہی ہے کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی تصدیق واقرار کے بعد ہم ایک بے غبار نکھری ہوئی توحید خالص کا اعتقاد رکھتے ہیں ہم اسی کو خالق، مالک قادر معبود، رازق جانتے ہیں جب ہم ذات باری کے لئے امکان کذب کا عقیدہ نہیں رکھتے تو وقوع کذب باری کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ ہم اس کی قدرت کاملہ کے اظہار میں اس طرز نگارش واسلوب بیان کو قابل مذمت ہی نہیں جانتے بلکہ اس پر نفرین وملامت کرتے ہیں جس میں انبیاء ورسل کی توہین وتنقیص کا شائبہ تک ہو جائے مثلاً اگر کوئی خدا کی قدرت اس طرح بیان کرے کہ "اللہ کی قدرت سے بعید نہیں اگر وہ چاہے تو محمد جیسے کروڑوں محمد پیدا کرے"

ہم اس انداز بیان کو ابلیسی داؤں پیچ سے تعبیر کرتے ہیں اور ایسے بے لگام بدزبان مولفین کو ابلیسی دسترخوان کا خوشہ چیں تصور کرتے ہیں یہ وہی شیطانی حربہ ہے جسے اس نے سجدہ آدم سے روگردانی وسرتابی کرتے ہوئے استعمال کیا تھا جس کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دی گئی اور قرآن حکیم نے کھلے بندہ کہدیا اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ اس لئے ہم اہلسنت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہم سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات کو "ممکن النظیر" نہیں بلکہ "ممتنع النظیر" جانتے ومانتے ہیں اب ان کے مثل پیدا ہونا محالات سے ہے لہذا ہم عقیدہ امکان نظیر کو باطل جانتے ہوئے مسئلہ امتناع

نظیر کو صحیح مبرہن اور مدلل سمجھتے ہیں جس کی روشن اور واضح دلیل آیت ختم نبوت ہے "ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین"

غرض کہ رسول خدا کو خدا نہ کہہ کر ہم ذات خدا سے جدا بھی نہیں سمجھتے جیسا کہ امام اہلسنت مجدد دین وملت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

تم ذات خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو
اللہ کو معلوم ہے کیا جانیے کیا ہو

حاصل کلام یہ ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کے بعد عالم خلق میں جن فضائل وکمالات کا تصور کیا جاسکتا ہے اُن تصورات سے بھی کہیں زائد فضل و کمال کا انھیں مجموعہ جانتے ہوئے خلاصہ کائنات تصور کرتے ہیں حالانکہ اس عالم امکان میں جس کو جو کچھ بھی ملا ہے بوسیلہ مصطفیٰ ہی ملا ہے اور انبیاء ورسل میں جو خوبیاں علیحدہ علیحدہ پائی جاتی تھیں وہ سارے محاسن بیک وقت آپ میں پائے جاتے تھے اسی لئے کہا گیا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ذات والاصفات میں کسی نقص کا پایا جانا تو درکنار ہم کسی نقص کا تصور کرنا بھی مقتضائے ایمان کے خلاف جانتے ہیں اُن کی شان تو یہ ہے

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اسی لئے سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ ہم سرور کونین سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جس قدر بھی فضائل وکمالات مانتے ہیں وہ سب خدا ہی کا بخشا اور عطا کردہ وہ دور ونزدیک سے سنتے ہیں، ہماری دستگیری فرماتے ہیں، وہ ساری کائنات کے لئے رحمت ہیں خدا ہی کے دینے سے عالم میں تصرف کا اختیار رکھتے ہیں، وہ پکارنے والوں کی مدد فرماتے ہیں، وہ اپنی قبر مبارک میں جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں، وہ علم غیب کا خزانہ رکھتے ہیں ان پر جو درود شریف بھیجا جاتا ہے اُسے فرشتے آپ کی بارگاہ میں حاضر کرتے ہیں اور جو درود محبت سے بھیجا جاتا ہے سرکار اُسے خود سنتے ہیں۔ جو رسول اللہ کے قبر کی زیارت کرے گا اس پر سرکار کی شفاعت واجب ہوگی، سرکار دوعالم کو مقام محمود عطا کیا گیا آپ ہی کو شفاعت کبریٰ کا مقام حاصل ہے۔ آپ شفیع محشر بھی ہیں اور ساقی کوثر بھی قبر میں انھیں کو پہچاننا ہے جس کے بعد عذاب قبر سے نجات ملے گی۔ قبر کی تاریک کوٹھری جہاں ماں باپ کے پیار محبت کی پرچھائیں تک نہ پڑ سکے وہاں سرکار ہی مونس وچارہ ساز ہوں گے، پروردگار نے آپ کو معراج جسمانی عطا فرمائی۔ معراج کی شب مسجد اقصیٰ میں آدم سے لے کر مسیح علیہم السلام تک تمام انبیاء ورسل نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ آپ اس وقت مقام نبوت پر فائز تھے جب کہ حضرت آدم کا خمیر آب وگل کے درمیان تھا، عالم ارواح میں پروردگار نے تمام انبیاء ورسل سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت (اگر آپ کا پاجائیں) کا عہد وپیمان لیا جس پر آیت میثاق شاہد عدل ہے

سب سے پہلے خدا نے آپ ہی کے نور کو پیدا فرمایا اور ساری کائنات کو آپ کے نور سے اور سرکار کو اپنے نور سے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے دوسری حدیث قدسی میں یہ بھی ہے کہ اے محبوب اگر آپ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو زمین و آسماں اور ساری کائنات کو پیدا نہ فرماتا۔

خاکدان گیتی میں جلوہ گر ہونے سے پہلے حضرت مسیح نے آپ کی ولادت باسعادت کا خطبہ ان الفاظ میں پڑھا مبشراً برسولہ یاتی من بعدی اسمہٗ احمد وقت ولادت فرشتوں نے آپ پر سلام پڑھا خانہ کعبہ کے بت سر کے بل اوندھے گر پڑے، ایوان کسریٰ سرنگوں ہوا شوکت قصری پیوند خاک ہوئی۔ کائنات نے جھوم جھوم کر درود و سلام بھیجا بعد ولادت پروردگار نے بارہا آپ کے میلاد مبارک کا ذکر کیا۔ اور آپ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا۔ اسی لئے غلامان مصطفےٰ میلاد شریف اور درود و سلام کو سنت الٰہیہ سمجھ کر کرتے اور پڑھتے ہیں اب اگلے صفحات میں آپ شرک و بدعت، میلاد و سلام و قیام، عرس و فاتحہ وغیرہ کے مباحث ملاحظہ فرمائیں۔ درود و سلام پہ ایک شعر آپ کی نذر ہے۔

میں سو جاؤں یا مصطفےٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صلِ علےٰ کہتے کہتے

شرک و بدعت شرک و بدعت کا مفہوم سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس کے استعمال میں دیوبند کی تکنک کیا ہے "؟ اکابر علماء دیوبند کی کفری عبارات پر جب علماء اہلسنت اور علماء حرمین طیبین نے ان کی تکفیر کی اور خارج اسلام قرار دیا تو علماء دیوبند نے جذبہ انتقام سے بھرپور اپنی منظم سازش کے تحت یہ طے کیا کہ اس کا بدلہ کس طرح لیا جائے چنانچہ وہ علمائے اہلسنت کے کتابوں کی چھان پھٹک میں لگ گئے اور انھوں نے سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اساطین اہلسنت کی کتابوں کا ورق ورق اور ورق کی سطر، سطر دیمک کیطرح چاٹنا شروع کیا مگر جب اس میں انھیں کچھ نہ مل سکا تو مایوسی کے بعد انھوں نے سنی عوام کے کردار و عمل کا جائزہ لیا اگر اعراس وغیرہ میں انھیں کچھ خامیاں نظر آئیں تو پھانس کو بانس اور رائی کو پربت بنا کر پیش کیا حتیٰ کہ مزار کی چادر چومنے کو سجدہ سے تعبیر کیا اچنانچہ دھیرے دھیرے اس ہنگامے کو قیامت صغریٰ بنا کر سنیوں کو قبر پرست اور قبر بجوا کہنا شروع کر دیا اور سمجھی بوجھی اسکیم کے تحت اس پر شرک جیسے ناقابل معافی جرم کی چھاپ لگا دی حالانکہ یہ سراسر الزام اور بہتان ہے۔ چونکہ پروپیگنڈے کی مشنری تیز تھی اس لئے یہ فتنہ آندھی اور طوفان کی طرح اٹھا اور وہ عوام جن کے دلوں میں حرمت انبیاء اور عظمت اولیاء کے خلاف چھپا ہوا چور تھا اب وہ نوک قلم و نوک زبان پر آگیا عوام کی اس حوصلہ افزائی نے بڑھا وا دیا پھر تدریجاً ترکش کا یہ تیر میلاد سلام، قیام نیاز و فاتحہ وغیرہ پر برسنے لگا، حتیٰ کہ مباحات و مستحبات کو شرک اور بدعت ضلالہ کہنا شروع کر دیا۔

اب سنی عوام کی کوئی بھی رسم ہو وہ دیوبند کی نظر میں دو حال سے خالی نہیں یا تو شرک ہے یا بدعت! یہ صرف اُس جلاپے کا نتیجہ ہے کہ ان کے کفریات کا مواخذہ ومحاسبہ کیوں کیا گیا! علماء دیوبند کی خواہش تھی کہ انھیں ایک بے لگام شرابی کی طرح چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ رسول خدا کے خلاف جو زہر بھی اگلنا چاہتے اگلتے رہتے لیکن کوئی آگے بڑھ کر ان کی کلائی نہ تھام سکے۔ مگر شکر ہے اس خدائے قدیر کا جس نے مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی اپنی ایک نعمت عطا فرمائی جس بوریہ نشین مرد درویش نے اپنے زور قلم سے شرق وغرب، عرب، عجم میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اور دیوبند جو توہین نبوت جیسے سنگین جرم کو نشان سجدہ لمبی داڑھی۔ بلے دامن پر چھپا رکھا تھا بیچ چوراہے پر اس کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ حتیٰ کہ دن کے اجالے ہی میں نہیں بلکہ ان کی مکروہ گندہ صورت رات کی تاریکی میں پہچانی جانے لگی۔ اگر علماء دین بند روز اوّل اپنی کفریات سے رجوع کر کے توبہ کر لیتے تو اختلاف کی خلیج اس قدر نہ بڑھتی جس آگ کے بھڑکتے شعلوں میں نہ جانے کتنوں کا دامن سلگ رہا ہے۔

اس مقام پر پہونچنے کے بعد ہم مقدمات کی مثل عوام کے کورٹ میں پیش کر کے خود عوام ہی کا فیصلہ سننا چاہتے ہیں۔ اب آنے والی سطروں کو پڑھنے کے لئے اپنے کو سنبھال لیجئے!

پوری دنیاؤ دیوبند کے پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں لکھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول خدا کو تھوڑا سا علم غیب ہے اگر ایسا ہے تو اس میں رسول اللہ کی کیا تخصیص ایسا علم تو ہر جانور پاگل، مجنوں اور بچے سبھی کو حاصل ہے۔

ہم اہلسنت اور ہر خوش عقیدہ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ اس عبارت

میں توہین نبوت ہے جو موجب کفر ہے (اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو میری کتاب خون کے آنسو کا مطالعہ کیجئے) ایسے ہی مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا خلیل احمد انبھٹیوی نے براہین قاطعہ میں یہ کہا جس کا مفہوم یہ ہے کہ شیطان کے علم کی زیادتی تو قرآن سے ثابت ہے مگر فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم "یعنی زیادتی علم کی کوئی نص ہمیں قرآن میں نہیں ملتی،، العیاذ باللہ من ذالک،،

اس طرح تقویۃ الایمان مولفہ مولوی اسماعیل دہلوی میں رسول خدا کو گاؤں کا چودھری، گاؤں کا زمیندار، مر کر مٹی میں ملنے والا جس کا نام محمد یا علی وہ کسی چیز کا مختار نہیں،، رسول خدا کو دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں وغیرہ وغیرہ جیسی ہفوات وخرافات لکھ کر اپنا نامہ عمل سیاہ کیا۔ ،، حوالے جات کی اصل عبارات دیکھنی ہوں تو مری کتاب خون کے آنسو انکشافات، قہر آسمانی، وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔ میں اس وقت چند تقریری پروگرام پہ بھدوہی آیا ہوا ہوں عقائد نمبر کی کاپیاں پریس اس لئے نہیں جا رہی ہیں کہ ابھی تک میں اپنا مقدمہ وپیش لفظ دار المصنفین کو نہیں دے سکا اس لئے شب میں تقریری پروگرام کے بعد دن کے حصے میں کچھ لکھ لیتا ہوں چونکہ کتابیں میرے ہمراہ نہیں ہیں اس لئے اصل حوالے جات کے لئے اپنی کتابوں کی طرف آپ کو رجوع کر رہا ہوں۔

علماء دیوبند کی چند عبارات کا مفہوم پیش کرنے کے بعد میں اب خود عوام کا فیصلہ چاہتا ہوں آیا یہ عبارتیں قابل مواخذہ ہیں یا نہیں؟ ہیں اور یقیناً ہیں تو اس پر چراغ پا ہونے کے بجائے اکابر دیوبند کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے ان کتابوں میں آپ نے سنیوں کے باپ دادا کو گالیاں

نہیں دیں بلکہ آپ تاجدار دو عالم کی بارگاہ کے گستاخ و بے ادب ہیں۔ جن کا ادب و احترام عین ایمان ہے۔ ایسے سنگین حالات میں اگر علماء اہلسنت نے رجوع اور توبہ کی تلقین کی تو برہم ہونے کے بجائے احسان مند ہو کر شکر گزار ہونا چاہیئے تھا دنیا میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ کوئی اپنے محسن ہی پر آنکھیں لال پیلی کرے اس جرات و ڈھٹائی کی چلتی پھرتی تصویر دیوبند اور صرف دیوبند ہے۔

اپنے اس مجرمانہ کردار کے بعد دیوبندیوں نے اپنے بچت کی دو راہ اختیار کی اولاً تو یہ کی سنیوں کو بدعتی "مشرک" اور قبر پجوا کہہ کر بدنام کرنا شروع کیا اور ثانیاً یہ کہ روزہ، نماز میں ریا، دکھاوا کی نمائش تیز کردی تاکہ لوگ ہماری نمازوں کو دیکھ کر ہماری کفریات اور عقیدے کی گندگی کو بھول جائیں حتی کہ ڈھیرے ڈھیرے کلمہ اور نماز کی ایک چلتی پھرتی جماعت ہی بنا ڈالی۔ واضح رہے دیوبندیت روزہ نماز اور اتباع سنت کو نہیں کہتے بلکہ توہین نبوت جیسے کوڑھ اور کینسر کا دوسرا نام دیوبندیت ہے۔

چنانچہ ہم اسے پوری برملایت سے کہہ سکتے ہیں کہ دیوبندیت اپنے گندہ عقائد اور اپنی توہین آمیز عبارتوں سے نہیں پھیل رہی ہے بلکہ اتباع سنت کے کھوکھلے نعرے اور سجدوں کی نمائش میں پھل پھول رہی ہے کاش عوام کو صحیح احساس ہوتا اور دیوبندی عقائد کا غیر جانبدارانہ جائزہ لے کر حقائق کی کسوٹی پر پرکھتے۔ اگر ذہن نے اسے قبول کر لیا ہے تو اب شرک و بدعت کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

شرک! اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی بھی مخلوق کو شریک ٹھہرانا اسی کو شرک کہتے ہیں۔

اللہ کی ذات میں شریک گردانے کا مقصد یہ ہے کہ الٰہ و معبود کی وہ ذات جو وحدہ لاشریک ہے ایک کے بجائے دو یا چند معبود کو مانا جائے اسی کو شرک فی الذات کہتے ہیں اور ایسی صفات جو خدا بزرگ و برتر ہی کے لئے خاص بعینہ انھیں صفات کو کسی اور بندے میں ماننا اس کو شرک فی الصفات کہتے ہیں اور شرک ہی ایک ایسا جرم و پاپ ہے جس سے بچنے کی قرآن مجید میں بار بار تاکید ہے

علماء دیوبند کی یہ ایک مجھی بوجھی اسکیم ہے کہ سنی معمولات و مراسم پر مکروہ یا گناہ کی چھاپ نہ لگائی جائے بلکہ ایسی فرد جرم عائد کی جائے کہ جس کے سنتے ہی کلیجہ کانپ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جوش عقیدہ مسلمان اللہ کے ولیوں کے آستانے پر جاتا ہے تو دیوبندی دھرم اسے شرک سے تعبیر کرتا ہے۔ اس مقام پر میں پوری دنیا دیوبند کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ بتائے (۱) قبر بنانا شرک ہے، یا قبر پر گنبد بنانا شرک ہے، یا قبر پر چادر چڑھانا شرک ہے، یا قبر پر پھول ڈالنا شرک ہے، یا ایصال ثواب شرک ہے، یا قبر و چادر کا چومنا شرک ہے، یا اگربتی سلگانا شرک ہے، عـہ

(۲) یا ان میں تو کوئی بھی شرک نہیں ہے مگر اس کا مجموعہ شرک ہے۔

۳۔ یا ان میں سے کچھ درست ہیں اور کچھ شرک ہیں مگر غیر شرک و شرک کا مجموعہ شرک ہے۔ بہرحال بظاہر اس کی یہی تین صورتیں ہیں۔ اب علماء دیوبند کو چھوٹ ہے کہ وہ ان تینوں صورتوں میں سے کسی کی بھی نشاندہی کردیں۔ یعنی جملہ مراسم شرک ہیں، یا کچھ بھی شرک نہیں ہیں، یا کچھ غیر شرک اور کچھ شرک ہیں واضح رہے شرک کسی ایک فرد سے متعلق نہیں ہوتا شرک کو شرکت چاہیے اس

عـہ گویا یہ کل کے کل شرک ہیں لہذا قبر پر جانا شرک ہے

کے لئے کم ازکم دو فرد کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً اگر قبر پر گنبد بنانا شرک ہو تو اس سے قبل اس قبر کو متعین کرنا ہوگا کہ بس اسی پر گنبد بنانا درست ہے اگر کسی اور بھی قبر پر گنبد بنے گا تو شرک ہو جائے گا ایسے ہی اگر چادر چڑھانا یا پھول ڈالنا وغیرہ شرک ہو تو بھی کسی قبر کو متعین کرنا ہوگا کہ بس اسی قبر پر چادر ڈالی جائے یا پھول ڈالا جائے اور اگر یہ رسم کسی اور قبر پر ادا کی گئی تو شرک ہو جائے گا۔ ان تشریحات و توضیحات کے بعد اب ہم بری الذمہ ہو گئے البتہ علماء دیوبند کی ذمہ داری کو چیلنج ہے کہ وہ اپنے دعوے کی دلیل میں **کسی ایسی قبر** کا پتہ بتائیں جہاں یہ جملہ مراسم درست ہوں اور وہاں کے علاوہ دوسری قبر پر شرک ہو جائیں،، **ھاتوا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صادقین**، ہر مسلمان اسے بخوبی جانتا ہے کہ خدا وحی و قیوم کے لئے موت نہیں! جب موت نہیں تو قبر نہیں! اور جب قبر نہیں تو چادر نہیں معلوم ہوا یہ تمام چیزیں خدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ محبوب خدا کے لئے ہیں اب ایک واضح حقیقت کا انکار گویا دن کے اجالے میں طلوع آفتاب کا انکار ہے۔

اتنی واضح اور روشن دلیل کے بعد اسے ضد، ہٹ دھرمی **اور** کٹ حجتی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ یہ صرف طبقاتی تقسیم اور گروپ بندی کا نتیجہ ہے۔

بدعت! اس کا مادہ ہے "بدع" جس کے لغوی معنی ہیں **کسی ایسی** نئی چیز کا ایجاد کرنا جس کی مثال ونظیر نہ ہو چنانچہ "مرقات" کے مصنف مولانا **فضل امام**[۵] خیر آبادی نے اسی رعایت سے خطبہ میں یہ فرمایا ہے **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ** تمام تعریف ثابت ہے اس اللہ کے لئے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور

---

[۵] یہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کے والد ماجد ہیں علیہ الرحمۃ الرضوان

زمینوں کو چونکہ اس سے پہلے آسمان اور زمین کی کوئی نظیر اور مثال نہیں تھی اسی لئے "اَبْدَعَ" فرمایا۔ لیکن اصطلاح شریعت میں بدعت کی دو قسمیں ہیں ۱۔ بدعت حسنہ اور ۲۔ بدعت سیئہ

بدعت حسنہ کی تعریف یہ ہے کہ اسلام میں کسی ایسی نئی چیز کا ایجاد کرنا جس سے اسلام و مسلمانوں کو فائدہ اور قوت پہونچے۔ اور بدعت سیئہ کہتے ہیں ،، ضدِ السنۃ "کو جو کسی سنت کی ضد ہو اور اس کو بدعت ضلالۃ بھی کہتے ہیں جس کے متعلق سرور کونین روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل بدعۃ ضلالہ" یعنی بدعت سیئہ کے جتنے بھی اقسام ہیں ان سب کو بدعت ضلالہ ہی کہا جائے گا گویا بدعت حسنہ بدعت کی ایک الگ تھلگ قسم ہے بدعت ضلالہ سے اس کا کوئی رشتہ وتعلق نہیں۔ بعض لوگ جو یہ ذہن دینا چاہتے ہیں کہ عہد رسالت یا قرون ثلثہ کے بعد اسلام میں جو بھی نئی چیز ہو گی وہ بدعت ضلالہ ہے۔ یہ ان کا سراسر فریب ہے یا تو وہ فریب خوردہ ہیں یا دیدہ و دانستہ امت مسلمہ کو فریب دینا چاہتے ہیں۔

دوستو! بات عہد اور قرن کی نہیں ہے بلکہ اصل شے اور واقعہ کی ہے دیکھنا یہ ہوگا کہ نفس الامر میں اس شے کی حیثیت کیا ہے خیر القرون ہی کی کوئی بات اگر اسلام وسنت کے خلاف ہوگی تو اُسے گلے کا ہار نہ بنایا جائے گا بلکہ اُسے پاؤں سے روندا اور پامال کیا جائے گا ایسے ہی صدیوں گذرنے کے بعد اگر کوئی ایسی نئی چیز ہو جس سے اسلام و مسلمانوں کو فائدہ پہونچے تو اسے پاؤں کی ٹھوکر نہ ماری جائے گی بلکہ اُسے خوش آئند کہہ کر کلیجے لگایا جائے گا اب اس ضابطے کو آپ مثالوں کے ذریعہ سمجھئے۔

مثلاً سید الشہداء سبط پیمبر نواسہ رسول حضرت امام عالیمقام سرکار

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا مسئلہ ہر چند یزید تابعی تھا اور بہت
سے اجل صحابہ اس عہد میں اپنی حیات ظاہری میں تھے دور تو خیر القرون کا
تھا لیکن کیا اس رعایت سے قتل حسین کو جائز و مباح قرار دیا جا سکتا ہے
العیاذ باللہ من ذالک سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
اختلاف روایت کی بنیاد پر کفِ لسان فرمایا مگر ائمہ مجتہدین میں بعض نے یزید
کی تکفیر تک کی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ جو امور عہد رسالت کے بعد ہیں وہ بدعت
ضلالہ ہیں یہ صحیح نہیں ہے بات وہی درست ہے کہ اصل شے کو دیکھا جائے
گا اگر وہ کسی سنت سے مزاحم نہیں ہے تو اسے بدعت حسنہ کہا جائے گا ورنہ
بدعت ضلالہ اگر ہر بدعت ضلالہ ہی ہوتی تو تراویح کے مسئلہ میں سیدنا
فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ "نعم البدعت" نہ فرماتے بدعت کو بہترین
بدعت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر بدعت "بدعت ضلالہ" نہیں ہوتی
عارف حق حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوبات کی کسی
دفعہ میں فرمایا ہے کہ بدعت کی کوئی قسم نہیں جس سے علماء دیوبند یہ غلط
فائدہ اٹھاتے ہیں کہ مجدد صاحب کی نظر میں ہر بدعت "بدعت ضلالہ"
ہے حالانکہ اس کا مفہوم یہ نہیں ہے بلکہ مجدد صاحب علیہ الرحمہ کا فرمانا ہے
کہ بدعت حسنہ بھی سنت ہی کی ایک قسم ہے لہٰذا بجائے بدعت حسنہ
کے اسے سنت کہا جا سکتا ہے یہ قول ہمارے حق میں زیادہ مفید ہے
نہ کہ ان کے حق میں۔ اور خود دیو بند کی چہار دیواری میں آج ایسے معمولات و مراسم
مروج ہیں جن کا عہد رسالت میں کوئی وجود ہی نہیں تھا جیسے ختم بخاری شریف
حوالہ کے لئے فتاوی رشیدیہ ملاحظہ فرمائیے!

عہد رسالت میں جب بخاری شریف ہی کا وجود نہیں تھا تو ختم بخاری کا

کیا سوال؛ معلوم ہوا اسلام میں جب کوئی نئی چیز داخل ہوتی ہے خواہ مثبت پہلو
سے یا منفی پہلو سے اس کی دو صورت ہوگی یا تو اس میں حسن ہوگا یا قبح! اسی
لئے سید عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً الخ مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً الخ

یعنی جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا تو وہ اور اس پر عمل کرنے والے دونوں
ہی مستحق اجر و ثواب ہیں اور جس نے برا طریقہ ایجاد کیا تو وہ اور اس پر عمل کرنے
والے دونوں ہی لائق زجر و توبیخ ہیں۔ یہ حدیث اس باب میں حرف آخر کی حیثیت
رکھتی ہے کہ ہر نئی چیز کو بدعت ضلالہ نہیں کہا جا سکتا اب اسی کسوٹی پر میلاد و
سلام و قیام وغیرہ کو پرکھا جائے گا ورق الٹئے اور دوسرے مباحث کو ملاحظہ
فرمائیے!

علم غیب ۔ نہ پوچھئے وقت کی فتنہ سامانیوں کا عالم! مسئلہ علم غیب بھی
اختلافات کی لسٹ میں سر فہرست ہے۔

ہم اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب
سرور کونین روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا ہے مگر اسی
کے ساتھ حدود ادب میں رہتے ہوئے اس کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ ہمارے
پاس کوئی ترازو و پیمانہ نہیں جس میں سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کے علم مبارک کو تولا جا سکے! بس اس بارے میں ہمارا آخری فیصلہ یہ ہے
کہ دینے والا پروردگار جانے یا لینے والے احمد مختار۔ سرور کونین یہ جانتے تھے
اور وہ نہ جانتے تھے اس کہنے کو ہم گستاخی و بے ادبی تصور کرتے ہیں گویا چھوٹا
منھ اور بڑی بات! اور اسی کے ساتھ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ پیغمبر خدا کا علم
ہمیں معلوم ہو یا نہ معلوم اور یقیناً نہیں معلوم لیکن وہ علم خواہ کتنا ہی وسیع ہو

وہ سب خدا ہی کا دیا ہوا ہے۔ اس لئے بطور نتیجہ ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کا علم ذاتی ہے اور سرکار دو عالم کا عطائی ہے۔ چنانچہ ہم خدا کو عالم الغیب کہتے ہیں اور سید عالم کو عالم غیب ہمارے اس عقیدے پر آیات قرآنی و احادیث نبوی شاہد عدل ہیں۔

مثلاً وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے) سورہ نساء پ۵ رکوع ۱۷

ایسے ہی دوسری جگہ ارشاد ہے "وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ" (اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں) سورہ کورت پ۳۰ رکوع ۱

تیسری جگہ ارشاد ہے عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ" سورہ جن پ۲۹ رکوع ۲ (غیب کا جاننے والا تو اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے

ایسے ہی علم غیب کے ثبوت میں بہت سی احادیث ہیں جن کو گھیرا جائے تو ایک دفتر چاہیئے قرآن حکیم کی چند شہادتیں اس لئے حاضر کردیں گئیں تاکہ قلب و ذہن کا اطمینان حاصل ہو جائے۔

علم غیب سے متعلق منکرین علم غیب کے متعدد اقوال ہیں جس میں بے حد تخالف و تضاد ہے۔ کسی کا کہنا ہے رسول خدا کو علم غیب نہیں تھا، کسی نے یہ کہا اگر خدا کے دینے سے بھی رسول خدا کو علم غیب مانا جائے تو بھی شرک ہے کسی نے لکھا کہ سرور کونین کو دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں تھی اور مولانا تھانوی نے تو یہاں تک لکھ دیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ، پیغمبر اسلام کو کل علم غیب نہیں تھا بلکہ تھوڑا سا تھا اور اگر بعض علوم غیبیہ حاصل ہیں تو پھر اس میں رسول

اللہ ہی کو کیا تخصیص ایسا علم تو ہر جانور، پاگل، بچے سبھی کو حاصل ہیں العیاذ باللہ من ذالک۔

یہی وہ ناپاک و گندہ تقصود ہے جس پر آئے دن مباحثے اور مناظرے ہوتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات واضح رہے کہ قرآن مجید کی وہ آیات جن سے علم غیب کا انکار ہوتا ہے اس سے مراد علم غیب ذاتی کا انکار ہے یعنی خدا کے سوا کسی کو بھی علم غیب ذاتی نہیں ہے اور وہ آیات قرانی جن سے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے اس سے مراد علم غیب عطائی ہے۔

حیرت ہے اس قوم پر جو انبیاء سابقین کے لئے تو علم غیب مانتی ہے مگر اپنے نبی کے متعلق جنگ و جدال کرتی ہے جیسا کہ حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ أُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ میں تمہیں بتاؤں گا جو تم لوگ کھا کے آتے ہو اور اپنے گھروں میں جو کچھ جمع کرکے آتے ہو۔

آج تک دیو بند نے اس کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا کہ غیب کا جاننا اور بتانا تو خدا ہی کی شان ہے یہ حضرت مسیح کو کیسے خبر ہوگئی ہم انصاف پسند دنیا سے سوال کرنا چاہتے ہیں کہ آج کے وہ کلمہ گو جو اپنے نبی کا علم غیب ماننا شرک سمجھتے ہیں وہ حضرت مسیح کے علم غیب پر ایمان لانے کے بعد کس طرح موحد رہ گئے؟ کلمہ اور نماز کی آڑ میں کہیں ایسا تو نہیں عیسائی مشنری کی الجنٹی دلالی کا پاٹ ادا کیا جا رہا ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار "

میلاد، سلام و قیام

میلاد شریف کو ہم اہل سنت غلاموں کی طرف سے اپنے آقا کی بارگاہ کرم میں خراج عقیدت تصور کرتے ہیں نہ تو اسے ہم فرض کہتے ہیں اور نہ واجب نہ اسے مہمات دین میں شمار نہیں کرتے البتہ ایوان اسلام کے یہ وہ نقش و نگار ہیں جس کو دیکھ کر ایک اجنبی آنکھ بھی یقین کر لیتی ہے کہ کسی خوش عقیدہ کی نذنیت نگاہ ہے کسی عمارت کا پرچم اس عمارت کا جز نہیں ہوتا لیکن یہ جھنڈا بہت دور سے خبردار کر دیتا ہے کہ اس میں کس مکتبہ فکر کا نظام حیات مرتب ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں پروردگار عالم نے بارہا اپنے محبوب کے میلاد کا ذکر فرمایا ہے سرکار کی آمد سے پیشتر حضرت مسیح نے بشارت دی تھی یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ میلاد شریف ایک ذکر خیر ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کو طہارت نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل معلوم ہو جاتے ہیں ایسے ہی عمل صالح کی تلقین کی جاتی ہے اور برائیوں سے اجتناب و پرہیز کی ہدایت ایک ایسا کار خیر جو عام مسلمانوں کے لئے رشد و ہدایت کا ایک روشن مینار رہ ہوا سے کنہیا کے جنم کا سوانگ کہہ کر اس سے نفرت و برگشتگی کی ایک مسموم فضا پیدا کرنا یہ اسلام و مسلمان دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جو اکابر دیوبند کے پیر و مرشد ہیں اس مسئلہ میں ان کی کتاب "فیصلہ ہفت مسئلہ" ایک نہ جھٹلائی جاسکنے والی دستاویز ہے جس فیصلے کے روبرو پوری دنیاد دیوبندیت مجرموں کے کٹہرے میں کھڑی کر دی گئی ہے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے میلاد، سلام و قیام، عرس، فاتحہ وغیرہ سے متعلق سات سوالات کئے گئے تھے جس کا جواب فیصلہ ہفت مسئلہ

کے نام چھپ چکا ہے۔

حاجی صاحب فرماتے ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے"

"فقیر کا مشرب یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہے اور ذریعہ برکات سمجھ کر محفل مولود منعقد کرتا ہے اور کھڑے ہو کر سلام پڑھنے میں کیف و لذت محسوس کرتا ہے"

پیر و مرشد کے اس فیصلے کے بعد دیو بندیوں کی زبان گدی سے کھینچ لی گئی ہے اب اس کے خلاف ان کی جس قدر بھی بکواس ہے وہ کھسیانی بلی کھمبا نوچے کی آئینہ دار ہے۔

حاجی صاحب کے اس فیصلے میں سلام و قیام کی حقیقت بھی روشن ہو گئی وہ محفل مولود میں محض سلام پڑھنے کے قائل نہ تھے بلکہ کھڑے ہو کر سلام پڑھتے میلاد شریف میں سلام و قیام حاجی صاحب کا ایک ایسا عمل ہے جو "خلف" و "خلف" کی کسوٹی بن گیا ہے۔ علاوہ ازیں آیت درود میں "تھو" "بدھو" "خیرو" کو درود و سلام پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ ایمان والوں کی قید لگی ہے جس قید نے واضح کر دیا کہ جو مومن ہوگا وہ بغیر کسی قیل و قال کے صلوٰۃ و سلام پڑھے گا چونکہ غیر مومن خود ہی جانتا ہے کہ مجھے حکم ہی نہیں دیا گیا اس لئے اس کے صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا سوال ہی نہیں ہوتا اس کے انکار نے خود اس کی پوزیشن واضح کر دی کہ وہ اس حکم کا مخاطب ہی نہیں ہے۔ رہ گیا قیام چونکہ "سلموا" کے ساتھ تسلیما، اس کا مفعول مطلق بطور تاکید لایا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف سلام ہی نہ بھیجو بلکہ ایسا سلام جو ان کی شان کے لائق ہو۔ لہذا لیٹنے بیٹھنے کھڑے ہونے میں قیام ہی ایک ایسی کیفیت ہے جس میں احترام و عظمت کا عملاً اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید کے اس مفہوم کی رعایت کرتے

ہوئے اہلسنت وجماعت نے وہ قیام جو مباح تھا' سے مستحب ومستحسن قرار دیا
تاکہ "تسلیما" کی قید پر عمل درآمد ہو جائے۔ جو اظہار عظمت کا ایک ذریعہ
ہے علاوہ ازیں قرآن میں جہاں سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس میں
لیٹنے بیٹھنے، کھڑے ہونے کی کوئی قید نہیں ہے جس کا ظاہر اور واضح مفہوم
یہی ہے کہ سلام پڑھنے والے کو اختیار ہے وہ جس طرح چاہے پڑھے قرآن کے
اس دیئے ہوئے اختیار پر اب پہرہ بٹھانے والا کون ہے کہ کھڑے ہو کر سلام
نہ پڑھا جائے۔ اصول فقہ کا یہ دستور ہمارے حریف کو بھی مسلم ہے کہ "اصل اشیاء
میں اباحت ہے" جس کی حلت وحرمت، جواز وعدم جواز سے متعلق شریعت
کی زبان خاموش ہے وہ اپنے اصل میں مباح ہے۔ قیام جیسی مباح شے
کو روکنا گویا شرعی امور میں اپنی غاصبانہ ٹھیکیداری کو رواج دینا ہے فقہاء
کرام نے اس کی بھی صراحت فرمائی ہے اگر مباح جیسی چیزوں کے مانعین
پیدا ہو جائیں تو اس کی حیثیت مباح ہی کی نہیں رہ جاتی بلکہ وہ واجب کے
حدوں کو چھو لیتی ہے گویا اس کی حیثیت اگر واجب کی نہیں تو کالواجب کی ہو جاتی ہے۔
رہ گیا قیام کو روکنے کے لئے جو علماء دیوبند کی جملہ تراشیاں ہیں الزام واتہام
کی اُن تمام گندگیوں سے اہلسنت کا دامن بالکل بے غبار ہے۔ اپنے اعمال وافعال
کی تشریح ووضاحت کے ذمہ دار ہم ہیں نہ کہ آنجناب ہمارے عمائد واساطین کی
کتابوں میں اگر کتاب وسنت کے خلاف کچھ آپ کو مل گیا ہو (العیاذ باللہ من ذالک)
تو اُسے قوم کی عدالت میں پیش کیجئے البتہ اپنے تصورات کی بنیاد پر ہمارا محل
اٹھانے کی کوشش نہ کیجئے۔

قرآن نے ہمیں سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے اور کیفیت ہم پر چھوڑ دی ہے
لہذا اگر قرآن کی کوئی ایسی آیت آپ کو مل گئی ہو جس میں قیام کی ممانعت ہو

تو "ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْن"
اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

عجب کچھ پھیر میں ہے سینے والا جیب وداماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا جو وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

اسی طرح عرس وفاتحہ سے متعلق بھی حاجی امداد اللہ صاحب نے مسلک
اہلسنت ہی کی تائید وحمایت فرمائی ہے چونکہ اختصار پیش نظر ہے اس لئے
میں ناظرین سے یہ کہہ کر رخصت ہونا چاہتا ہوں ہر چند کہ عرس وفاتحہ میلاد
وسلام جیسے فروعی مسائل میں اہلسنت کا علماء دیوبند سے اختلاف ہے لیکن
یہ کلیدی وبنیادی اختلافات نہیں ہیں علماء اہلسنت کی متعدد مستند اور معتبر
کتابوں میں قرآن وسنت، واقوال ائمہ سے ان مسائل کو مبرہن اور مدلل
کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ "قہر آسمانی" "جلد دوم" میں یہ مسائل زیر بحث آئیں
گے۔ اور قہر آسمانی جلد دوم اپنی نوعیت کی ایک ممتاز ومنفرد کتاب ہوگی
جس میں ان مسائل کے ایک ایک گوشے کو حل کرنے کی بھرپور کوشش
کی جائے گی واضح رہے دیوبند سے ہمارا بنیادی اختلاف میلاد وسلام
کا نہیں ہے بلکہ علماء دیوبند توہین نبوت کے مجرم ہیں لہذا سر فہرست ان
سے یہ مطالبہ نہیں ہے کہ وہ عرس وفاتحہ کے قائل ہو جائیں بلکہ آقاء دوجہاں
روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو زہر افشانی کی ہے اس سے
رجوع وتوبہ کریں الاہم فالاہم کے تحت جب وہ ان منزلوں سے گذر جائیں
گے تو میلاد وسلام کے لئے خود ہی دل میں جگہ بن جائے گی۔ پہلے توہین نبوت
سے دل کا زنگ دور کر دیا جائے پھر عشق کا ہاتھ آگے بڑھ کر خود ہی صیقل
کر دے گا۔

عقائد نمبر کو ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہے ہیں
اگر پسند خاطر آجائے تو ہمارے علماء کے حق میں صحت وسلامتی اور ترقی درجات
کی دعا کیجئے انھوں نے ہی ادارہ پاسباں کو اس قابل بنایا کہ وہ اس عظیم
نمبر کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جرات وسعادت حاصل کر سکے!

اگر آپ نے ہماری خامیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ادارہ پاسباں
کی خدمات کو سراہا تو انشاء اللہ سید العلماء نمبر اور عقائد نمبر کے بعد ہماری تیسری
پیشکش ہوگی شاید کہ وہ ان دونوں سے بھی زیادہ مرکز توجہ بن سکے!

ہم آپ کی مخلصانہ رائے کے منتظر ہیں خدا کرے یہ نمبر عوامی رشد و
ہدایت کے لئے ایک روشن منارہ ثابت ہو۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

مشتاق احمد نظامی
۲۷ر ذیقعدہ ۹۵ھ ۲ر دسمبر ۷۵ء
آفس پاسباں الہ آباد ۳

مرتبہ ہے اس پر بہت سی عبارتیں پیش کی ہیں بڑے بھائی کا بہت بڑا مرتبہ ثابت کیا ہے
اور دکھایا ہے کہ جب بڑے بھائی کا اتنا بڑا مرتبہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا
بھائی کہنے میں حضور کی توہین ہرگز نہیں بلکہ تعریف وتوصیف ہے اس پر میں نے مفتی
جواد علی خانصاحب سے کہا کہ مفتی جی اس کتاب میں بڑے بھائی کا جتنا بڑا مرتبہ بیان کیا ہے
میں اس سے دس گونہ زیادہ تسلیم کرتا ہوں مگر یہ بتائیے کہ بڑا بھائی باپ سے بڑا ہوتا
ہے یا برابر ہوتا ہے یا چھوٹا ہوتا ہے مفتی جی نے برجستہ کہا کہ بڑا بھائی باپ سے چھوٹا
ہی ہوتا ہے تو میں نے کہا کہ نتیجہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی کہنے والے
حضور کو اپنے باپ سے چھوٹا مانتے ہیں کیا اس میں حضور کی توہین نہیں مفتی جی نے
کہا بلاشبہ توہین ہے میں نے کہا اسی پر پوری کتاب کے جوابات کو قیاس کر لیجئے۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ

اہلِ سُنّت کا عقیدہ

انبیاء کرام و اولیاء عظام عام انسانوں جیسے انسان نہیں ہیں وہ خاصانِ خدا ہر حیثیت سے عامۃ الناس کی سطح سے بالاتر ہیں وہ اپنی فطری سرشت اور ذاتی خلقت حقیقت میں بھی عام انسانوں سے بالاتر ہیں ان کا جوہر تخلیق بھی عام انسانوں کے فہم و ادراک سے وراء ہے۔

حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انبیاء مخلوق اند از اسماء ذاتیہ حق و اولیاء مخلوق اند از اسماء صفاتیہ و بقیۂ کائنات از صفات فعلیہ و سید رسل مخلوق ست از ذات حق و ظہور او در وے بالذات ست (اشعۃ اللمعات)

حضرت شیخ محقق کی اس تصریح نے صاف طور پر فطری اور ذاتی فرق ظاہر کر دیا کہ انبیاء کرام و اولیاء عظام اپنی خلقت و حقیقت میں عام انسانوں سے بالاتر ہیں انبیاء اور اولیاء کی حقیقت اور ہے اور عام انسانوں کی حقیقت اور ہے جب ان نفوس قدسیہ کی ذات اور حقیقت عام انسانوں سے بالاتر ہے تو صفات بھی یقیناً بالاتر ہیں کیونکہ صفت کا مدار ذات پر ہے اسی لئے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کیمیائے سعادت میں منصب نبوت سمجھاتے ہوئے نبوت عوام و خواص میں تین فرق بیان فرمائے ہیں اول یہ کہ عوام جو خواب میں دیکھتے ہیں خاصان خدا بیداری میں دیکھتے ہیں دوم یہ کہ عوام کے علوم استاد کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور خاصان خدا کو رب جلیل بلا واسطہ خود علم عطا فرماتا ہے سوم یہ کہ عوام کا نفس صرف اپنے ہی اوپر اثر کرتا ہے خاصان خدا کا نفس دوسروں پر بھی اثر

حضرت علامہ مولانا سید الزماں صاحب مظفر پوری

تقویۃ الایمانی توحید کا تنقیدی جائزہ

ادارۂ پاسبان کے اراکین کو رب کریم دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے کہ یہ حضرات عوام اہلسنت کے ایمان و اعتقاد کے تحفظ کی خاطر وقتاً فوقتاً رسائل و کتب شائع کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس حمایت حق کے جذبۂ اخلاص سے سرشار ہو کر مدیر پاسبان علامہ نظامی کا ایک مطبوعہ خط مع ایک فہرست خاکسار کے نام پہونچا جس میں ماہنامہ "پاسبان" کے "عقائد نمبر" کے لئے قلمکاروں کے نام اور ان کے عنوانات تحریر متعین ہیں۔

میرے لئے بھی عنوان تحریر "تقویۃ الایمانی توحید کا تنقیدی جائزہ" منتخب کیا گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کسی سُنی اہل قلم کے لئے اس موضوع پر کچھ لکھ دینا کوئی مشکل امر نہیں کیونکہ یہ مذہبیت کی تاریخ میں "تقویۃ الایمان" سے زیادہ بے سروپا غلط اور من گھڑت شاید ہی کوئی کتاب لکھی گئی ہو حق تو یہ ہے کہ اسی تصنیف کثیف کو سرچشمۂ ضلالت ہونے کی وجہ سے دنیائے وہابیت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی لئے اس کتاب کی رد میں اکابر علماء اہل سنت نے اس قدر لٹریچر فراہم کر دیے ہیں کہ دنیا میں کسی غلط کتاب کا کسی زمانے میں بھی شاید ہی اتنا رد لکھا گیا ہو میری دانست میں "تقویۃ الایمان" کی رد میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز مراد آبادی کی تصنیف لطیف "اطیب البیان" سب سے عمدہ اور جامع رد ہے۔ جس پر اضافہ کی امید نہیں کی جا سکتی ہے۔

انداز ہوتا ہے دوسروں کے دل کی دنیا بدل دیتا ہے سیاہ دلوں کو روشن کرتا ہے معرفت الٰہی کا گنجینہ بنا دیتا ہے حضرت آسی علیہ الرحمہ نے اپنے اس شعر میں اسی مضمون کو ادا فرمایا ہے

صحبت شیخ کی صیقل کی بدولت آسی یہ رہی دل آئینہ روئے خدا ہوتا ہے

حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی ان تصریحات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ انبیاء کرام و اولیاء عظام اپنی ذات و صفات میں عام انسانوں کی سطح سے بالاتر ہیں وہ خاصان خدا ہیں یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے ان سے برابری ہمسری برادری بھائی چارگی کا رشتہ جوڑنا کھلی گمراہی ہے چہ جائیکہ سید المرسلین امام الانبیاء حضور پر نور جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے برابری ہمسری برادری کا خواب دیکھنا صرف شیطانی خیال ہے جس کی ذات مقدس کی تخلیق ذات الٰہی سے ہوئی وہ بلاشبہ نور ہیں نور علیٰ نور ہیں ان سے برابری ہمسری ان کو اپنا جیسا آدمی سمجھنا بلاشبہ گمراہی ہے جیسا کہ تقویۃ الایمان میں انبیاء اولیا کو اپنا بھائی لکھا ہے زیادہ سے زیادہ بڑا بھائی۔

ہندوستان میں وہابیت دیوبندیت کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان ہے علماء اہلسنت نے اس کے رد میں کافی کتابیں لکھی ہیں دیوبندیوں نے تقویۃ الایمان کی حمایت میں ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے جس میں ان مواخذات کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے اس مسئلہ پر بھی کافی خامہ فرسائی کی ہے۔ مبارکپور کا واقعہ ہے میرے پڑوسی منشی جواد علی خانصاحب نے مجھے بلاکر وہ کتاب دکھائی اور کہا تقویۃ الایمان پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں اس کتاب میں ان کا جواب دیا گیا ہے میں نے اس کو کھولا تو اتفاق سے یہی مسئلہ نکل آیا لکھا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی کہنے پر بدعتیوں کا اعتراض ان کی جہالت ہے وہ بڑے بھائی کے مرتبہ کو جانتے نہیں بڑے بھائی کا یہ مرتبہ ہے بڑے بھائی کا وہ

یوسف کی آیت پاک وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون نقل کی جس کا ترجمہ تک صحیح نہیں کر سکے۔ اُن کا ترجمہ ہے۔ "اور نہیں مسلمان میں اکثر لوگ مگر کہ شرک کرتے ہیں" اس لاغی مصنف کے نزدیک گویا یہ آیت جس وقت نازل ہوئی اس وقت کے مسلمان یا غوث، یا خواجہ، یا علی، یا حسین یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نعرۂ مستانہ مارتے تھے انھیں کو مشرک کہنے کے لئے یہ آیت اتری ہے۔ حالانکہ یہ آیت جس وقت اتری ہر طرف لات و عزیٰ کی خدائی کا دار دورہ تھا۔ کفار مکہ اللہ کے وجود پر یقین ضرور رکھتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ خود ساختہ و خود تراشیدہ خداوندان باطل کو بھی اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت میں شریک گردانتے تھے اس جگہ یؤمن ایمان شرعی کے معنی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ ایمان لغوی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ ایمان کے لغوی معنی کسی چیز کا یقین رکھنا ہے اور بلاشبہ اہل مکہ وجود باری تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے مگر اس کے ساتھ اپنے بیشمار چھوٹے بڑے معبودوں کو بھی اللہ کی اُلوہیت میں شریک سمجھتے تھے۔ اسی حقیقت حقہ کے اظہار کے لئے ارشاد خداوندی ہے کہ "کافروں میں اکثر آدمی اللہ کا یقین نہیں رکھتے مگر اس حال میں کہ شرک کرتے ہیں"

میرے اس نظریئے کی تصدیق مزید کے لئے جلالین کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔

وَمَا اَکْثَرُ النَّاسِ ای اہل مکۃ وَلَوْ حَرَصْتَ عَلٰی اِیْمَانِہِمْ بِمُؤْمِنِیْنَ

(ترجمہ) اور نہیں ہیں اکثر آدمی یعنی اہل مکہ ایمان لانے والے اگرچہ اے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو ان مکیوں کے ایمان لے آنے کی شدید بیتابی و قلبی خواہش ہے"۔

اسی آیت کریمہ کے تھوڑے فاصلے پر وہ آیت ہے جس کو صاحب "تقویۃ الایمان" نے مسلمانوں کو مشرک بنانے کے لئے نقل کی ہے اور اس کی غلط و من گھڑت ترجمہ بھی کیا ہے جس کے ثبوت میں جلالین شریف کی تفسیری عبارت نقل کی جاتی ہے۔

ساتھ ہی حضرت امام اہلِ سنت اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی "تقویۃ الایمان" "تذکیر الاخوان" "صراطِ مستقیم" اور اس قبیل کی دیگر کتابوں کا ردّ اپنی بیشتر تصانیف کے ذریعہ اتنے شاندار اور سہل انداز میں لکھ دیا ہے کہ علمائے متاخرین کو کوئی دقت اور عرق ریزی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اعلیٰحضرت نے اپنے جن متعدد رسائل میں "تقویۃ الایمان" کے ہذیانی مصنف کی مجنونانہ عبارتوں کی دھجیاں بکھیری ہیں ان میں "الامن والعلیٰ"، "الکوکبۃ الشہابیہ" اور "سل السیوف الہندیہ" وغیرہ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بہرحال میں چاہتا ہوں کہ نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ "تقویۃ الایمانی" دعویٰ توحید اور ان دعووں پر اس کے قرآنی دلائل کا تجزیہ کر کے ایمان و سلامتی کی راہ نکالنے کی کوشش کروں۔ اللّٰہُمَّ ہدایت الحق والصواب

"تقویۃ الایمان" مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند صفحہ ۵ کا پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں ہے اس داستان کا آغاز اس طرح ہوتی ہے

"اول سنا چاہیے کہ شرک لوگوں میں بہت پھیل رہا ہے اور اصل توحید نایاب مگر اکثر لوگ شرک و توحید کے معنی نہیں سمجھتے اور ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں حالانکہ شرک میں گرفتار ہیں۔"

اس عبارت کے تیور ملاحظہ فرمایئے۔ سامع پر اک ضرب پڑتی ہے۔ قاری کے ذہن پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ آج مصنف کتاب شرک و توحید کا معنی سمجھا کر ہی رہے گا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گا مگر افسوس ؎ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
کے بموجب شرک و توحید کے معنی کی وضاحت تو کجا اپنی دیرینہ عادت یاوہ گوئی اور بکواس کے سوا کوئی باوزن اور مدلل بات نہیں کہہ سکا۔ اب دوسرا نمونہ دیکھئے۔

"سو اول معنی شرک اور توحید کا سمجھنا چاہیے تا برائی و بھلائی ان کی قرآن و حدیث سے معلوم ہو۔"

مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ حیث یقرون بانہ الخالق الرزاق اِلَّا وَھُمْ مشرکون بہ بعبادۃ للاصنام ولذا کانوا یقولون فی تلبیتھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک لا شریک لک اِلا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک یعنونھا۔

عبارت بالا کا مطلب خیز ترجمہ یہ ہے کہ بت پرستوں کی غالب اکثریت اللہ تعالیٰ کی خالقیت و رزاقیت کا اقرار تو ضرور رکھتی ہے مگر اس کے ساتھ دوسروں کو بھی خدا کی خدائی میں شریک کر لیتی ہے اور اس شرک کی صورت یہ ہے کہ وہ اصنام کی پرستش کرتے ہیں۔ اسی لئے کفار مکہ ایام جاہلیت میں حج کے مواقع پر اپنے تلبیہ میں کہتے تھے " اے رب میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں اے خدا میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیرے لئے مخصوص ہیں تو ان شریکوں کا مالک ہے اور ان چیزوں کا بھی جس کے وہ مالک ہیں۔" ظاہر ہے کہ کفار کی مراد ان شریکوں سے بت ہوتی تھی۔ اس دو ٹوک اور غیر مبہم حقیقت کے باوجود صاحب "تقویۃ الایمان" نے کس ڈھٹائی اور نادر و اجسارت سے کام لے کر مسلمانوں کو مشرک بنانے کے لئے قرآن پاک کی آیت کا من گھڑت ترجمہ کر کے شرک کو مسلمانوں پر منطبق کر دیا۔ خداوند کریم ایسے ناخدا ترسوں کے مکر و فریب سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین۔

اب صاحب تقویۃ الایمان کی حسب ذیل عبارت پڑھیے اور اس میں مجوزہ آیات قرآنی کی صحت دیکھ کر پر منظر دیکھئے اور مصنف کے جذبۂ تحریف کی داد دیجئے۔

"رسول کا کلام تحقیق کر لیتے تو سمجھ لیتے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی کافر لوگ ایسے ہی باتیں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک نہ مانی اور ان پر غصہ کیا اور انکو جھوٹا بتایا چنانچہ سورۂ یوسف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ـــــ لیعبدون من دون اللہ

یہاں بھی شرک و توحید کی وضاحت نہیں ہوسکی۔ لغوی و شرعی کوئی معنی بیان نہیں کیا گیا
اور محض سمجھنا چاہیئے:" کہ کر آگے بڑھ گئے۔ تیسرا نمونہ ملاحظہ ہو۔

"سننا چاہیئے کہ اکثر لوگ پیروں کو اور پیغمبروں کو اور اماموں کو اور شہیدوں کو اور
فرشتوں کو اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں — غرضیکہ
جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں سو وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان انبیاء اور اولیاء سے
اور اماموں اور شہیدوں سے اور فرشتوں اور پریوں سے کر گذرتے ہیں اور دعویٰ مسلمانی کا
کئے جاتے ہیں — سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعویٰ سچ فرمایا ہے اللہ صاحب نے سورۂ
یوسف میں وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون (ترجمہ) اور نہیں مسلمان ہیں
اکثر لوگ مگر کہ شرک کرتے ہیں یعنی اکثر لوگ جو دعویٰ ایمان کا رکھتے ہیں سو وہ شرک میں
گرفتار ہیں:"

سطور بالا میں محض ایک طائرانہ نظر ڈالیے اور مسلمانوں کو جھوٹا مسلمان کہنے والے
اس جھوٹے سے پوچھئے کہ ہندو تو اپنے بتوں کو معبود سمجھ کر سر اطاعت خم کرتے ہیں اور
اُن سے عقیدت و نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں۔ کیا مسلمان بھی اپنے انبیاء و اولیاء و ائمہ
شہداء فرشتوں اور پیروں کو انھیں کافروں کی طرح معبود و مسجود سمجھتے ہیں اور انکی ربوبیت
و الوہیت کا صنم تراش کر اپنے آستینوں میں چھپائے پھرتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو مصنف
تقویۃ الایمان شاہ اسمٰعیل دہلوی پر لازم تھا کہ وہ دلائل و شواہد کی روشنی میں گفتگو کرتے کہ
فلاں فلاں مقام کے فلاں فلاں مسلمان پیر و پیغمبر کی الوہیت کے قائل ہیں اور جب حقیقتِ
حال یہ نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے تو پھر مصنف کا استدلال شدید غلط فہمی اور سنگین ضلالت
نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر مزید دیدہ دلیری یہ دیکھئے کہ اپنے مغالطائی استدلال کے لئے انھوں نے سورۂ

یعبدون کے معنی میں آئے ہیں جس کا بالترتیب ترجمہ ہوگا "عبادت کرتا ہے پوجتا ہے یا
"عبادت کریں اور پوجیں"

پھر من دون اللہ کا ترجمہ اسمٰعیل دہلوی نے "مخلوق" کیا ہے جبکہ تمام کتب
معتبرہ اور مستند تفاسیر میں اس کا ترجمہ اصنام و اوثان کیا گیا ہے۔ اگر اسمٰعیل نے مخلوق کے
بجائے بت مراد لیا ہوتا تو یقیناً شرک العوام کی صف میں داخل نہیں ہوتا اور یدعوا
کا ترجمہ "پکارتا ہے" ہی کرتے تو بھی شرک کے شرارے ان کی آنکھوں میں اس قدر چکا چوند
پیدا نہیں کرتے ـــــ اور آیت کا صحیح ترجمہ "اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اس شخص سے جو پوجتا
ہے بتوں کو اور بت ان کی اس عبادت سے غافل ہیں اور بت قیامت تک ان کی اس پرستش کا
جواب نہیں دے سکتے۔" اگر کے قرآن مجید میں تحریف معنوی سے یہاں بچ جائے"

یہ میرا دعویٰ محض نہیں بلکہ اس کے بعد کی آیتیں شاہد عدل ہیں کہ آیت زیر بحث میں دعا
بمعنی عبادت ہے۔ چنانچہ آیت بالا سے متصل ہی یہ آیت ہے۔
"وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ"
پوری آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ "اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ، بتوں کو پوجے جو قیامت تک نہ سنے اور
انھیں ان کے پوجے جانے کی خبر تک نہیں اور جب لوگوں کا حشر ہوگا تو بت اپنے پرستاروں کے
دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت و پوجا کے منکر ہوں گے۔" دیکھئے آیت کے شروع میں یدعوا
ہے اور آیت کے آخر میں عبادت ہے گویا عبادت سے یدعوا کی تفسیر فرما دی گئی اس صحیح مطلب
کی توثیق مزید کے لئے تفسیر جلالین کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

"ومن استفہام بمعنی النفی ای لا احد اضل ممن یدعوا یعبد من
دون اللہ ای غیرہ من لا یستجیب له الی یوم القیمة وھم الاصنام
لا یجیبون عابدیھم الی شیٔ یسألونه ابدا وھم عن دعائھم

مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعٰؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ أَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ط (تقویۃ الایمان مطبوعہ کتبخانہ اعزازیہ دیوبند صفحہ ۶)

ہم پوری دنیائے وہابیت کو چیلنج کرتے ہیں کہ آیت بالا سورۂ یوسف میں دکھادے تو جانیں۔ جو شخص نقل حوالہ میں اتنی بغیر ذمہ دارانہ ذہنیت کو راہ دے سکتا ہے اس سے بیان مطالب اور استنباطِ نتائج میں کسی دیانت کی کب امید کی جاسکتی ہے؟ بہر حال یہ آیت پاک سورۂ یونس میں ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اور اللہ کے سوا ایسی چیز (یعنی) بتوں کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے اور نہ کچھ ضرر پہونچائے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں یعنی دنیوی امور میں۔ کیونکہ مرنے کے بعد آخرت میں اٹھنے کا تو وہ اعتقاد ہی نہیں رکھتے تم فرماؤ کیا اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں یعنی اس کا وجود ہی نہیں۔ کیونکہ ہر چیز جو موجود ہے وہ ضرور اس کے علم میں ہے اسے پاکی اور برتری ہے ان کے شرک سے۔"

قارئین کرام! اسمٰعیل دہلوی نے اپنے گمراہ کن خیالات کے اثبات میں مرقومہ بالا آیت کو پیش کیا ہے ؏ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا ——— دعویٰ و دلیل میں مطلق کوئی ہم آہنگی اور مطابقت موجود نہیں۔ دعویٰ کچھ دلیل کچھ۔ ایسے میں نتیجہ سوائے گمراہی کے اور کیا ہاتھ آئے گا۔

اسی طرح دعویٰ اور دلیل میں اجنبیت کا دوسرا تماشا صفحہ ۱۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔

وقال اللہ تعالیٰ ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الیٰ یوم القیٰمۃ وھم عن دعائھم غٰفلون (پ ۲۶ سورۂ احقاف)

عبادتھم غٰفلون لانھم جماد لا یعقلون واذا حشر الناس کانوا ای الاصنام لھم لعابدیھم اعداء وکانوا بعبادتھم بعبادۃ عابدیھم کٰفرین جاحدین۔

دیکھئے یہاں "یدعوا" کا ترجمہ "لعبد" من دون اللہ سے مراد اللہ کے سوا یعنی "اصنام" اور "دعاء" کی تفسیر عبادت کی گئی ہے ———

سورۂ احقاف ہی میں اس آیت سے کچھ پہلے ارشاد ربانی ہے۔ تفسیر جلالین کے حوالے سے ملاحظہ ہو۔ قل ارأیتم اخبرونی ما تدعون تعبدون من دون اللہ ای الاصنام مفعول اول ارونی اخبرونی تاکید ماذا خلقوا مفعول ثانی من الارض بیان ام لھم شرک مشارکۃ فی السمٰوٰت مع اللہ ام بمعنی ہمزۃ انکار ایتونی بکتاب منزل من قبل ھذا القرآن او اثرۃ بقیۃ من علم یوثر عن الاولین بصحۃ دعواکم فی الاصنام انھا تقرب الی اللہ ان کنتم صٰدقین فی دعواکم۔

یہاں بھی دیکھئے یدعون کی تفسیر تعبدون اور من دون اللہ کی تفسیر اصنام سے کی گئی ہے اگر اسمٰعیل نے یہی راہ صواب اختیار کیا ہوتا تو ہرگز دنیائے وہابیت میں شرک کی اتنی گرم بازاری نہیں ہوتی اور نہ تو خود تقویۃ الایمان کی تصنیف کی حاجت ہوتی۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے ماسوا مخلوق میں سے کسی کو معبود سمجھ کر پوجا جائے یا اس سے عقیدت دنیا زمندی کا اظہار کیا جائے یقیناً وہ شرک ہوگا اور اس شرک میں زمین و آسمان، جن، فرشتہ ذی روح، غیر ذی روح، دریا، پہاڑ، درخت، چاند، سورج، مردہ، زندہ، ولی، نبی، سب برابر ہیں۔ ـــ لیکن اللہ کے کسی بندۂ مقبول انبیاء و اولیاء سے اس عقیدت کے ساتھ کہ یہ حضرات اللہ کی بخشی ہوئی طاقت و قدرت سے بہرہ ور ہیں۔ استعانت کرنا اپنی حاجتیں پیش

اسمٰعیل صاحب ترجمہ فرماتے ہیں

"اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یعنی سورۂ احقاف میں اور کون زیادہ گمراہ ہوگا اس شخص سے کہ پکارتا ہے ورے اللہ سے ان لوگوں کو کہ نہ قبول کریں گے اس کی بات قیامت کے دن تک اور وہ اس کے پکارنے سے غافل ہیں۔"

اس کے بعد (ف) دے کر اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں: "یعنی شرک کرنے والے بڑے احمق ہیں کہ اللہ سے قادر و علیم کو چھوڑ کر اوروں کو پکارتے ہیں کہ اول تو ان کا پکارنا سنتے ہی نہیں اور دوسرے کچھ قدرت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی قیامت تک ان کو پکارے تو وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ جو بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ شرک نہیں کیا۔ اس واسطے کہ ان سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی ہے سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ گو اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھو کہ دور سے اور نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں۔ جبھی ان کو اس طرح سے پکارا اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو اللہ کے ورے ہیں یعنی مخلوق سو وہ ان پکارنے والوں کے پکارنے سے غافل ہیں۔"

آیت بالا کی غلط تشریح و توضیح سے قطع نظر خود اس کے دو لفظوں کے ترجمے میں مصنف کی فکر و فہم نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ مفسرین سلف سے لیکر آج تک کسی کی کتاب سے اس ترجمے کی تائید و توثیق نہیں ہوتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے سنیت و وہابیت میں وسیع خلیج پیدا ہو جاتی ہے ــــ بہرکیف وہ دو الفاظ "ممن یدعوا" اور "من دون اللہ" ہیں۔ اسمٰعیل نے یدعوا کا ترجمہ "پکارتا ہے" کیا ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں اس جگہ اور عام طور سے ہر جگہ یدعوا کا ترجمہ یعبدوا کیا گیا ہے اور یدعون

انعامات و اکرامات سے نوازا ہے اور جنھیں روحانی تصرفات سے متصف فرمایا ہے۔ یہی نہیں ان بندگانِ مقرب کو اللہ نے اپنی نشانیاں اور اسلام کی صداقت کی دلیلیں قرار دی ہیں۔ ان سب بزرگوں کو بتوں کی صف میں لا کھڑا کرنا اور ان کے نیازمندوں کو بت پرستوں اور مشرکوں کے زمرہ میں داخل کرنا کتنی صریح بددیانتی اور سنگین ضلالت ہے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے پیش رو آئمہ کفر و ضلالت نے انبیاء مرسلین اور اولیاء و مشائخین کے دامانِ تقدس کو جس طرح تار تار کرنے کی مذموم کوشش کی ہے آج بھی ان کے کچھ مقلدین اسی تیرہ و تاریک راہ پہ گامزن نظر آ رہے ہیں۔ مولائے کریم ہر مسلمان کو ان کے مکر و شر سے محفوظ رکھے۔

۲۔ واتخذوا من دون اللہ الہۃ لعلھم ینصرون۔ لا یستطیعون نصرھم وھم لھم جند محضرون (سورۂ یٰسین شریف پ ۲۳ رکوع ۴)

اس آیت پاک کا مطلب مختصر ترجمہ یہ ہے کہ "اور انھوں نے اللہ کے سوا اور خدا ٹھہرا لئے یعنی بتوں کو پوجنے لگے کہ شاید ان کی مدد ہو اور مصیبت کے وقت کام آئیں اور عذاب سے بچائیں اور ایسا ممکن نہیں وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے کیونکہ بت، جماد، بے جان اور عاجز ہیں اور ان کے سب لشکر گرفتار حاضر آئیں گے یعنی کافروں کے ساتھ ان کے بت بھی گرفتار کر کے حاضر کئے جائیں گے اور سب جہنم میں داخل ہوں گے۔ بت بھی اور ان کے پجاری بھی۔

۳۔ احشروا الذین ظلموا وازواجھم وما کانوا یعبدون من دون اللہ فاھدوھم الی صراط الجحیم (سورۂ الصّٰفّٰت پ ۲۳ رکوع ۱)

یہاں ارشاد ربانی یہ ہے کہ ہانکو ظالموں اور ان کے جوڑوں کو (ظالموں سے مراد "کافر" ہیں اور ان کے "جوڑوں" سے مراد ان کے شیطان ہیں جو دنیا میں ان کے جلیس و قرین رہتے تھے۔ ہر ایک کافر اپنے شیاطین کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں جکڑ دیا جائے گا) اور جو کچھ وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بتوں کو ان سب کو راہ دوزخ کی طرف ہانکو۔

مستعمل ہوئے ہیں۔ اسی طرح غالب و اکثر مواقع پر من دون اللہ اصنام و اوثان کے معنی میں آئے ہیں لیکن بعض مقامات پر من دون اللہ اپنے عام لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے جس کی تعیین و تشخیص کی ضمانت تفاسیر معتبرہ ہیں انھیں کی روشنی میں چند ایسے مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے جس سے یہ حقیقت واضح تر ہو جائے گی۔

۱؎ ومالی لا اعبد الذی فطرنی والیہ ترجعون ہ ءاتخذ من دونہ اٰلہۃ ان یردن الرحمٰن بضر لا تغن عنی شفاعتہم شیئاً ولا ینقذون (سورہ یٰسین شریف پ ۲۳)

حبیب نجار نے اپنی قوم کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "اور مجھے کیا ہے کہ اسکی بندگی نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تمھیں پلٹنا ہے کیا اللہ کے سوا اور خدا ٹھہراؤں یعنی بتوں کو معبود بناؤں کہ اگر رحمٰن میرا کچھ برا چاہے تو ان بتوں کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ بت مجھے بچا سکیں۔"

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ نے اُن بُت پرستوں اور مشرکوں کا رد فرمایا ہے جو بتوں کو اپنا معبود نجات دہندہ اور سفارشی سمجھتے تھے پھر لطف یہ کہ یہ بت بھی خود اُن بُت پرستوں کے ہاتھوں کے تراشیدہ ہیں جو بالکل جامد ولا یعقل ہیں جو خود عاجز و مجبور ہو وہ دوسروں کو کیا نفع پہونچا سکتا ہے۔

یہ آیت اور اس قبیل کی دیگر آیتیں جو بتوں اور بُت پرستوں کے رد میں نازل ہوئی ہیں اُن کا مسلمانوں کے خالص موحدانہ عقائد سے کیا رشتہ! مگر تقویۃ الایمان کے نا عاقبت اندیش مصنف نے ان تمام آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کر کے شرک کا پرچم دنیائے وہابیت میں لہرا دیا ہے۔ اور آج اسی کے سائے میں ان کی پوری ذریت معنوی رواں دواں ہے۔ بھلا سوچنے کی بات ہے کہ انبیاء اولیاء شہداء صالحین جنھیں خدائے قادر و قیوم نے بیشمار

یہاں بھی بتوں کی معبودیت کے اعتقاد کا اللہ تعالیٰ نے رد فرمایا۔ اس آیت کو مسلمانوں کے بزرگوں کے ساتھ نیازمندانہ طرز فکر سے کوئی نسبت نہیں۔

۴؎ اذ قال لقومہ الا تتقون ہ اتدعون بعلاً وتذرون احسن الخالقین ہ اللہ ربکم ورب اٰبائکم الاولین (سورۃ الصٰفٰت پ ۲۳ رکوع ۳)

اور جب حضرت الیاس نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں اور تمھیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کہ بعل بت کو پوجتے ہو (بعل ان کے بت کا نام تھا جو سونے کا تھا اس کی لمبائی بیس گز تھی چیار منہ تھے اس کی بہت تعظیم کرتے تھے جس مقام میں وہ تھا اس جگہ کا نام بک تھا اسی لئے بعلبک مرکب ہوا۔ یہ بلاد شام میں ہے) اور چھوڑتے ہو سب سے اچھا پیدا کرنے والے کو جو تمھارے اور تمھارے اگلے آباؤ اجداد کا رب ہے۔

والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبدہم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (سورۃ الزمر پ ۲۳ رکوع ۱)

اور جنھوں نے اس کے سوا اور والی بنا لئے یعنی معبود ٹھہرا لیئے (مراد ان لوگوں سے بت پرست ہیں) کہتے ہیں یہ تو انھیں یعنی بتوں کو صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں یہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں۔

اس آیت کریمہ کو صاحب تقویۃ الایمان نے بھی نقل کیا ہے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ آیت کھلے طور پر بت پرستوں کے عقیدے کے رد کے لئے اتری ہے زبردستی مسلمانوں پر منطبق کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کافروں کے اس جھوٹے عذر کا رد کیا ہے کہ ہم تو غیر خدا کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بت جو میرے اولیاء ہیں وہ مجھے اللہ کے نزدیک کر دیں گے حالانکہ اللہ سے قربت حاصل کرنے کے لئے کسی اور کو خدا بنانا اور اس کو پوجنا بالکل لغو اور شرارت کی باتیں ہیں۔

نا ان کے نام سے عرفی منت ماننا، ان کی دہائی دینا، انھیں پکارنا اور ان کی تعظیم و تکریم کرنا
ہرگز ہرگز شرک نہیں بلکہ فی نفسہ بالکل جائز و مستحسن ہیں۔ ہاں ان میں سے کسی کو خدا سمجھ کر اپنا شفیع
وکیل اور کارساز حقیقی ماننا یقیناً شرک ہے اور قرآن پاک میں جا بجا اس شرکانہ ذہنیت کی مذمت
کی گئی ہے اور بت پرستوں کے اسی مزعومہ شفیع اور ولی کا انکار کیا گیا ہے۔ لیکن انصاف شرط ہے
یا دنیا کے کسی مسلمان نے کسی بھی پیر و پیغمبر کو معبود سمجھ کر اپنی شکل گھڑیوں میں پکارا ہے جب حقیقت
حال یہ نہیں تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مصنف تقویۃ الایمان کیوں اس قدر شرک کے آزار میں
مبتلا ہیں۔

بہرحال تفسیر قرآن کے سلسلے میں مفسرین ایک اصول یہ بیان کرتے ہیں کہ بعض آیتوں
کی تفسیریں ہوتی ہے۔ یہی حال ما نحن فیہ کا ہے قرآن حکیم نے کسی جگہ "الذین
یدعون من دون اللہ" کہا ہے تو کہیں ارشاد فرمایا ہے فلا اعبد الذین
تعبدون من دون اللہ اے غیرہ وھو الاصنام لشککم فیہ ولکن
اعبد اللہ الذی یتوفکم بقبض ارواحکم (سورہ یونس بحوالہ جلالین) اسی تعدا
پر تھوڑی دور کے بعد ارشاد خداوندی ہے۔

"ولا تدع تعبد من دون اللہ مالا ینفعک ان اعبدتہ ولا
یضرک ان لم تعبدہ" (جلالین)

غور فرمایئے اسی سورہ میں ایک جگہ تعبدون من دون اللہ فرمایا گیا ہے اور
یہیں ذرا ہٹ کر ولا تدع من دون اللہ فرمایا گیا ہے گویا تدع۔ تعبد کے معنی
میں ہے اور تدعون تعبدون کے ہم معنی ہے۔ اس سیاق نظم قرآنی کو پیش نظر رکھتے
ہوئے یہ کہنا نامناسب نہیں کہ بالعموم تدعون تعبدون کے مترادف ہے ہاں
کچھ ایسے مقامات ضرور ہیں جہاں تدع و تدعون "پکارنے" کے لغوی معنی میں

نمبر ۳ قل اللہ اعبد مخلصا لہ دینی فاعبدوا ما شئتم من دونہ (پ ۲۳ زمر)
"تم فرماؤ میں اللہ ہی کو پوجتا ہوں خالص اس کا بندہ ہو کر تو تم اس کے سوا جسے چاہو پوجو"
اس آیت مقدسہ میں اللہ عزوجل عبادت کا اختصاص صرف اپنی ذات کریم کے لئے فرما رہا ہے
اس لئے اپنے مومن بندوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ اعلان کر دو میں صرف خدا کی عبادت کرتا ہوں
اور کفار کو بطور تہدید و توبیخ کہہ دو کہ تم اللہ کے سوا جسے چاہو پوجو۔ اس کا انجام تم کو قیامت
کے دن معلوم ہو جائے گا ——— یہاں اعلان عام ہے اللہ کے سوا نبی، ولی، پیغمبر
فرشتے، درخت، پتھر، مردے، زندے، دریا، پہاڑ جس کی بھی پوجا کی جائے گی اور اس کو
مستحق عبادت سمجھا جائے گا اور اس کو واجب الوجود اور قدیم تسلیم کیا جائے گا تو یقیناً کافر و مشرک
ہو جائے گا۔ اور اگر واجب الوجود اور مستحق عبادت کا اعتقاد کسی کے لئے نہ ہو بلکہ صرف اللہ ہی کی دی
ہوئی طاقت سے بہرہ ور سمجھ کر اللہ کے مقرب بندوں سے استعانت کی جائے تو یہ بالکل جائز
اور خالص دائرہ توحید کے اندر ہے اور اس اعتقاد کو شرک سے کوئی نسبت و لگاؤ نہ کبھی تھا
اور نہ کبھی ہوگا۔

مختصر یہ کہ بلا دلیل شرعی کسی گناہ کی نسبت کسی مسلمان کی طرف کرنا شریعت میں حرام ہے
چہ جائیکہ مسلمانوں کے سر غیر اللہ کی پرستش کا الزام ڈال کر مشرک قرار دینا۔ اشد گناہ اور سنگین جرم
ہے۔ امام الوہابیہ فی الہند مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے حواریین صبح قیامت تک ثابت نہیں
کر سکتے کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی بزرگ و برتر ہستی کے بارے میں شرکانہ عقیدہ کے حامل ہیں انھیں
مستحق عبادت اور واجب الوجود سمجھتے ہیں ——— کتب عقائد میں شرک کی یہی تعریف کی گئی
ہے کہ کسی انسان کے مشرک ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں ——— غیر خدا کو لائق عبادت جاننا خواہ
اس کی عبادت کرے یا نہ کرے۔ دوسرے کسی کو خدا کی ذات یا صفات میں شریک سمجھنا اور جب
مسلمانوں کا اعتقاد کسی کے بارے میں یہ نہیں ہے تو پھر اس کے ہر کام پر کفر و شرک کا فتویٰ

صادر کرنا اسی کا کام ہوگا ——— جو مسلمانوں کو کافر و مشرک بنانے کا شوقین ہو ——

مصنف تقویۃ الایمان نے اپنے خیالات فاسدہ کی تائید میں جن آیتوں کو مستدل مان کر غلط تعبیر و توضیح کی تھی ان کا تفصیلی جائزہ سطور بالا میں پیش کر دیا گیا ہے جو کچھ طویل ہو گئے ہیں کچھ ان حدیثوں پر بھی اظہار خیال ضروری تھا جن کو اسمٰعیل دہلوی نے غلط طور پر شرک کے معنی میں مستعمل کیا ہے۔ مثلاً فصل اشراک فی العلم و اشراک فی العبادۃ وغیرہ۔ ان فصلوں میں بار بار ایک ہی خیال کی تکرار کی گئی ہے۔ خوف طوالت عناں گیر نہ ہوتا تو ثابت کر دیا جاتا کہ انکے دعوے اور ان منقولہ حدیثوں میں کوئی نسبت نہیں۔ مصنف نے یہاں بھی استنباط نتائج میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ انشاء اللہ آئندہ حسب موقع اس کی دوسری قسط پیش کی جائے گی۔

وما علینا الا البلاغ

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی اعظمی

پیغمبر خدا کی حیثیت محض قانون داں کی ہے یا قانون ساز کی؟

قانون ساز و قانون داں یہ دو لفظ عرف میں الگ الگ معنی کے لئے آتے ہیں قانون داں کے معنی ہیں قانون جاننے والا۔ جس کی حیثیت صرف قانون کے کلیات و جزئیات کے معتد بہ حصے پر عبور کی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کے اندر اتنی مہارت ضروری ہے کہ وہ ہر نئے پیش آنے والے حادثہ کا حکم قانون کے کلیات سے یا اس کے مثل و نظیر دوسرے جزئی پر قیاس کر کے نکال سکے جس کی مثال وکیل اور بیرسٹر ہیں کہ یہ لوگ صرف قانون داں ہوتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی قابل ذہین فطین ہوں یہ لوگ قانون کی دفعات یا اس کی عبارت میں کوئی ادنیٰ سا ردو بدل نہیں کر سکتے قانون کے اصطلاحی معنوں میں کوئی تغیر نہیں کر سکتے اگرچہ ان میں اتنی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ نئے مقدمات کے لئے قانون کی دفعات سے احکام نکال لیتے ہیں اور اسے اپنے دعویٰ کے مطابق کرنے کے لئے مہینوں مہینوں بحث و تمحیص کر سکتے ہیں مگر قانون میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں ان کی نظیر علماء دین ہیں جو شریعت کے اصول و فروع پر حاوی ہوتے ہیں۔ اتنی استعداد رکھتے ہیں کہ کوئی نیا واقعہ رونما ہو تو اس کا حکم

استخراج کر لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ مسائل شرعیہ پر اعتراض کرنے والوں کو دنداں شکن جواب بھی دے لیتے ہیں مگر شریعت کے کسی حکم کو بدل نہیں سکتے اس میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتے اس کے الفاظ کو نیا معنی نہیں پہنا سکتے۔

رہ گیا قانون ساز تو یہ لفظ اس بااختیار ہستی پر اطلاق کیا جاتا ہے جو جب چاہے خواہ بااختیار خود یا باذن مختار مطلق قانون کی جس دفعہ کو چاہے منسوخ کر دے اس میں رد و بدل کر دے۔ الفاظ کے معنی معین کر دے جن افراد کو چاہے جس قانون سے چاہے مستثنیٰ کر دے۔ اس کی ایک مثال ہمارے معاشرہ میں شہنشاہ کی ہے کہ وہ اپنی مملکت کا آمر مطلق ہوتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے جو قانون چاہتا ہے ختم کر دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے جس قانون سے چاہتا ہے مستثنیٰ کر دیتا ہے۔ دوسری مثال وزیر قانون کی ہے۔ کہ وہ شہنشاہ کے اذن و اختیار سے قانون بناتا ہے۔ اس میں ترمیم و تبدیل کرتا ہے۔

اب جب قانون داں و قانون ساز دونوں الفاظ کے معانی ذہن نشین ہو گئے تو اب آیئے شریعت اسلامیہ کے تاسیس کا ایک تحقیقی جائزہ لیں اور یہ تلاش کریں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت صرف قانون داں کی تھی یا یہ کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باذن اللہ قانون ساز بھی تھے۔

نمبر ۱ اس بحث کے چند پہلو میں ایک یہ کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باذن اللہ قانون ساز بھی تھے۔

نمبر ۲ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قانون ساز ہیں احادیث کی روشنی میں۔

نمبر ۳ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قانون ساز ہیں شواہد کی روشنی میں۔

اس بارے میں اُمت کا عقیدہ آج سے پہلے کیا رہا اور کیا ہے۔ آیات

قرآن کریم پر اگر کوئی تحقیقی نظر ڈالے تو اسے اس باب میں صد ہا نصوص مل جائیں گی سرسری نظر ڈالنے پر بھی جو نصوص سامنے ہیں وہ کم نہیں آپ قرآن مجید کی تلاوت کریں جگہ جگہ ملے گا۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ جس نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وہ فاسق و ظالم ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللہ عزوجل کے مختار و مطلق ہونے کے بارے میں کسی مدعی اسلام کو ادنیٰ شبہ نہیں ہو سکتا ہے اس کی شان تو فعال لما یرید اور یحکم ما یشاء ہے۔ اللہ عزوجل کی اطاعت و عصیان کے موازی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم اور عصیان کی ممانعت اس کی دلیل ہے کہ اس باب میں مختار و ماذون، عطائی و ذاتی وجوب و امکان، حدوث و قدم وغیرہ کا فرق تو ہے۔ مگر واجب الاتباع و مطاع ہونے میں کوئی امتیاز نہیں اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح اللہ عزوجل شریعت میں نسخ، ترمیم و تبدیل تخصیص و تقیید کر سکتا ہے اسی کے اذن سے اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی یہ سب اختیار رکھتے ہیں اور یہی معنی قانون ساز کے ہیں۔ ان عمومی ارشادات کے علاوہ آیئے چند خصوصی ارشادات ملاحظہ کریں۔ ارشاد ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ فرما دو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم کو محبوب بنائے گا۔ اور ہر شخص جانتا ہے کہ اتباع کا یہی مطلب ہے کہ جو حکم دیا جائے اس کو مانا جائے اس پر عمل کیا جائے اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ رسول جو حکم دیں اس کا ماننا لازم ہے تو ثابت ہو گیا کہ رسول کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امت کو جو چاہیں حکم دیں یہی قانون ساز کے معنی ہیں اور فرمایا گیا۔

وَمن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الحق ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلیہ جہنم وساءت مصیرا

حق ظاہر ہو جانیکے بعد جو بھی رسول کے خلاف کرے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کوئی پکڑے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ مڑا اور اسے جہنم میں ڈالیں گے اور یہ بُرا ٹھکانا ہے۔

رسول کا خلاف یہی ہے کہ وہ جو فرمائیں نہ مانا جائے۔ اس پر عمل نہ کیا جائے یہ اسی بنا پر ہے کہ ان کا ہر حکم قانون شریعت ہے اور جس کا ہر حکم قانون شریعت ہوتا ہے وہ قانون ساز ہوتا ہے صرف قانون داں نہیں۔ اور سنئے سورۂ نور میں ہے۔

فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

جو لوگ رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں وہ ڈریں کہیں ان کو فتنہ نہ آئے یا دردناک عذاب پہونچے۔

رسول کے حکم کے خلاف کرنے والے پر یہ وعید اسی لئے ہے کہ ان کے کسی حکم کی خلاف ورزی کا شریعت کی خلاف ورزی ہے اور یہ حیثیت شریعت ساز کی ہو سکتی ہے صرف شریعت داں کی نہیں۔ لیجیے سورۂ احزاب کی آیت ہے۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

کسی مسلمان مرد، یا مسلمان عورت کی مجال نہیں کہ اللہ و رسول کوئی حکم فرمائیں تو انھیں اپنے معاملہ کا اختیار رہے اور جو اللہ و رسول کا حکم نہ مانے وہ بلاشبہ کھلے بند گمراہ ہو گیا۔

اس آیت کریمہ کی مراد کی توضیح کے لئے اس کا شان نزول بھی سنتے چلے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح کا پیام زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے بھائی کو دیا ان لوگوں نے نامنظور

کیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ غور کیجئے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت زینب کا نکاح طے ہونا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نے بنفس نفیس فرمایا خود ہی پیام دیا اس بارے میں کوئی آیت نہیں اتری تھی مگر اسے نامنظور کرنے پر اتنی سخت وعید آئی اور اسے اللہ کا بھی حکم فرمایا گیا اسکی نافرمانی اللہ کے حکم کی نافرمانی قرار دیا گیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیثیت صرف قانون داں کی نہیں قانون ساز کی بھی ہے۔

احادیث

۱۔ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ۔

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان دونوں کے پابند رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ

کتاب اللہ کے قانون شریعت ہونے میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں۔ اس کے برابر ہی آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنت رسول اللہ کو بھی رکھا جس سے معلوم ہوا کہ سنت رسول بھی قانون شریعت ہے اور یہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قانون ساز تسلیم کیا جائے۔ جن کے ارشاد کردار اور تقریر کا نام سنت ہے۔

۲۔ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جسے ابوداؤد ابن ماجہ دارمی نے نقل فرمایا۔ ارشاد ہے۔

الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بہذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ

کوئی پیٹ بھرا اپنی مسند پر بیٹھا یہ کہنے لگے تم صرف قرآن کے پابند ہو اسمیں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو اور اسمیں جو حرام پاؤ اسے

وما وجد تم فیہ من حرام فحرموہ۔ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ۔

حرام جانو حالانکہ رسول اللہ نے جسے حرام فرمایا وہ اسی کے مثل ہے جسے اللہ نے حرام فرمایا۔

۳۔ امام ابوداؤد نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کے ہم معنی روایت کی اس میں یہ ارشاد فرمایا۔

الا وانی واللہ قد امرت ونھیت عن اشیاء انھا لمثل القرآن

سنو قسم خدا کی میں نے کچھ چیزوں کا حکم فرمایا ہے اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ بیشک وہ قرآن کے مثل۔

۴۔ امام ترمذی ابوداؤد وابن ماجہ اور امام احمد وبیہقی حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کے مثل روایت فرمائی اسمیں یہ ارشاد ہے۔

لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت او نھیت عنہ یقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ

اپنی مسند پر ٹیک لگائے کسی کو یہ کہتے نہ پاؤں کہ جب اس کے پاس کوئی چیز میری فرمودہ یا میری منع کردہ آئے تو یہ کہدے میں نہیں جانتا۔ ہم نے جو کتاب اللہ میں پایا اس کی اتباع کی۔

ان احادیث کو پڑھئے اور دیکھئے جن لوگوں نے صرف اللہ کے حلال کئے ہوئے کو حلال جانا اور اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حرام جانا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلال کئے ہوئے کو حلال، اور حرام کئے ہوئے کو حرام نہیں جانا ان پر کتنا شدید غضب فرمایا۔ اور بلا کسی اشتباہ کے فرمایا کہ مری حلال کردہ اشیاء اور حرام کردہ اشیاء اسی کے مثل ہیں جسے اللہ نے فرمایا۔ یا حرام فرمایا کیا کسی قانون داں کا قول قانونساز کے قول کے مثل ہو سکتا ہے؟ کیا جو قانون داں اور قانون ساز کے اقوال میں تفریق

کرے وہ اس شدید غضب کا مستحق ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور ضرور نفی میں ہے۔ تو جو لوگ اللہ عزوجل کو قانون ساز مانتے ہیں انھیں ماننا پڑے گا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضرور بضرور قانون ساز ہیں۔

۵۔ امام مالک واحمد وبخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا۔

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوٰۃ

اگر امت پر شاق ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت سواک کا حکم فرما دیتا۔

تیسیر وغیرہ میں اس حدیث کو متواترہ بتایا ہے انھیں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد ونسائی نے یوں روایت فرمائی کہ ارشاد ہوا۔

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم عند کل صلوٰۃ بوضوء ومع کل وضوء بسواک

اگر اس کا لحاظ نا ہوتا کہ میری امت پر شاق ہوگا تو انھیں حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت وضو کریں اور ہر وضو کے ساتھ سواک کریں۔

۶۔ ابن ماجہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کو یوں ارشاد ہوا۔

لولا ان اشق علی امتی لفرضتہ علیھم

اگر میری امت کی مشقت کا خوف نہ ہوتا تو اسے ان پر فرض کر دیتا۔

۷۔ امام ابونعیم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ ارشاد فرمایا۔

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یستاکوا بالاسحار

اس کا لحاظ نہ ہوتا کہ میری امت پر شاق ہو تو میں حکم فرما دیتا کہ ہر پچھلے پہر سواک کیا کریں۔

(۸) امام بخاری ومسلم ونسائی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یصلوھا ھٰکذا یعنی العشاء نصف اللیل۔ — اگر میری امت پر شاق ہونے کا خیال نہ ہوتا تو میں حکم دیتا کہ اسے یعنی عشاء کو اس وقت یعنی آدھی رات کو پڑھیں۔

غور کیجئے۔ ہر نماز کے وقت وضو یا مسواک یا ہر وضو کے ساتھ مسواک یا ہر صبح کو مسواک یا نماز عشاء کا نصف لیل تک موخر کرنا فرض نہیں۔ مگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کا لحاظ ہے کہ ان چیزوں کے فرض فرما دینے سے امت مشقت میں پڑ جائے گی ورنہ ان چیزوں کو فرض کر دیتا۔ مگر چونکہ ان کے فرض کر دینے سے امت مشقت میں پڑ جائے گی اس لئے میں ان کو فرض نہیں فرمایا۔

۹۔ یہ قول کسی قانون داں کا نہیں ہو سکتا یہ قول صرف قانون ساز کا ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں

انی احرم علیکم حق الضعیفین الیتیم والمرأۃ — میں دو کمزوروں کی حق تلفی تم پر حرام کرتا ہوں۔ یتیم اور عورت۔ متفق علیہ

۱۔ ارشاد ہے۔

لا تشربوا مسکرا فانی حرمت کل مسکر — نشہ کی کوئی چیز نہ پیو میں نے ہر نشہ آور حرام فرما دیا۔

شواہد | شواہد و نظائر بھی اس باب میں اتنے کثیر ہیں کہ ان سب کا احاطہ دشوار ہے اور جو فقیر کے علم میں ہیں ان سب کا یہ نمبر متحمل نہیں ہو سکتا اس لئے چند پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ صحاح ستہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب حاضر ہوئے۔ عرض کی میں ہلاک ہو گیا۔ فرمایا۔ کیا بات ہے۔ عرض کی میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے ہمبستری کر لی ہے۔ فرمایا۔ ایک غلام آزاد کر سکتا ہے؟ عرض کی۔ نہیں۔ فرمایا کیا اس کی طاقت ہے کہ مسلسل ساٹھ روزے رکھے عرض کی۔ نہیں۔ فرمایا — کیا اتنی استطاعت ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ عرض کی — نہیں — اتنے میں سوا

دو من خرمے کسی نے پیش کئے فرمایا انھیں خیرات کر دے۔ عرض کی — اپنے سے زیادہ محتاج پر؟ مدینہ بھر میں کوئی گھر ہمارے برابر محتاج نہیں ——۔

یہ سن کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اتنا ہنسے کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ فرمایا۔ — جا۔ اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

۲۔ اسی کے مثل کفارہ ظہار میں بھی وارد ہے۔

ظہار اور روزے کا کفارہ یہ مقرر ہے کہ وہ غلام آزاد کرے۔ اس کی استطاعت نہ ہو تو دو مہینے لگاتار روزے رکھے۔ اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے۔ مگر یہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان قانون سازی ہے کہ ان دونوں صاحبوں کو اس کفارہ سے مستثنیٰ فرما دیا نہ صرف یہ کہ مستثنیٰ فرما دیا بلکہ انھیں کثیر خرما عطا فرمائے۔

۳۔ امام احمد مسند میں ثقات رجال صحیح مسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص آئے اور اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو ہی نماز پڑھوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا — کیا صرف قانون داں کی یہ حیثیت ہے کہ وہ اللہ کی فرض کی ہوئی تین نمازوں کو معاف کر دے۔ یہ صرف قانون ساز کا عہدہ ہے۔

۴۔ حارث بن اسامہ بن نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور خود حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، مصنف ابن شیبہ و تاریخ بخاری و مسند ابو یعلیٰ و صحیح ابن خزیمہ اور معجم کبیر طبرانی میں مروی ہے۔ کہ فرمایا۔

من شھد لہ خزیمۃ او شھد علیہ فحسبہ۔ — خزیمہ کسی کے موافق یا مخالف گواہی دیں ان کی تنہا گواہی کافی ہے۔

حالانکہ قرآن کریم میں ہے

واشھدوا ذوی عدل منکم تم میں سے دو عادل گواہی دیں۔

مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی تنہا شہادت کو دو کے برابر فرمادیا۔

یہ دلیل ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قانون ساز ہیں۔

۵۔ سونا اور ریشمیں کپڑا مردوں کو حرام ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء کے لئے سونے کی انگوٹھی اور حضرت سراقہ کے لئے کسریٰ کے ذریں کنگن اور حضرت عبدالرحمان بن عوف و زبیر رضی اللہ عنہما کے لئے خارش کے وقت ریشمی لباس حلال فرمایا۔

۶۔ حکام کے لئے تحفے قبول کرنا جائز نہیں۔ مگر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حلال فرمایا۔ (سیف فی کتاب المفتوح)

۷۔ فرماتے ہیں

قد عفوت عن الخیل والرقیق فھاتوا میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف
صدقۃ الرقۃ من کل اربعین کردی روپوں کی زکوٰۃ دو ہر چالیس درہم
درھمادرھم۔ میں ایک درہم۔

صحیحین اور مسند امام احمد اور شرح معانی الآثار میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا۔

اللھم ان ابراھیم حرم مکۃ انی اے اللہ ابراہیم نے مکہ کو حرم کردیا اور میں ان
احرم ما بین لابتیھا۔ دونوں پہاڑیوں کے درمیان کو حرم کرتا ہوں

یعنی مدینہ طیبہ کو حجۃ الوداع کا موقعہ ہے۔ حرم مکہ کے احکام بیان فرمارہے ہیں ارشاد ہوا۔ اس کا میدان نہ صاف کیا جائے یعنی گھاس نہ چھیلی جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوکر عرض کی۔

الا الاذخر فانہ یقینھم دبیوتھم سوائے اذخر کے یا رسول اللہ ؟ اس لئے

کہ یہ انکی بھٹی کے لئے ہے اور ان کے گھروں کیلئے ہے۔

فوراً بلاتاخیر اس کا استثنا فرمادیا۔

حجۃ الوداع کا موقعہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حج کی فرضیت بیان فرمارہے ہیں کہ اقرع بن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے عرض کیا۔

العامنا ھذا ام للابد کیا اسی سال کے لئے فرمایا اسی سال کے لئے

اگر میں ہاں کہدوں تو ہر سال کے لئے واجب ہو جائے۔

ان شواہد کو دیکھئے کیا یہ سب پکار پکار کر نہیں بتارہے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قانون ساز ہیں قانون ساز ہیں صرف قانون داں نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ احناف کے نزدیک حدیث سے قرآن مجید کا نسخ جائز ہے۔ مرقاۃ میں ہے۔

قد اثبت عند الحنیفۃ ان الحدیث حنیفہ کے نزدیک ثابت ہے کہ حدیث کتاب اللہ
یکون ناسخا لکتاب۔ کی ناسخ ہوسکتی ہے۔

اور یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ ارشاد فرمایا۔

کلامی ینسخ بعضی بعضا کنسخ القرآن میرا کلام بعض بعض کو منسوخ فرمادیتا ہے جیسے
قرآن کو منسوخ کرتا ہے۔

امت کا عقیدہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قانون ساز ہیں اس بارے میں امت کا عقیدہ عہد صحابہ سے یکسر یہی رہا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قانون ساز ہیں صرف قانون داں نہیں۔

۱۔ سنن ابی داؤد و ابن ماجہ و مسند امام طحاوی و معجم طبرانی و بیہقی وغیرہ میں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

جعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سافر

علیہ وسلم للمسافر ثلثا ولو مضی السائل علی مسألتہ لجعلھا خمسا

کے لئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن مقرر فرمائی اگر مانگنے والا مانگے جاتا تو ضرور پانچ دن کردیتے۔

۲۔ بخاری میں زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

وجدتھا مع خزیمۃ الذی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شھادتہ بشھادتین

میں نے یہ آیت خزیمہ کے پاس پائی جنکی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہوں کے برابر فرمائی۔

۳۔ حرم مدینہ کے سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یعضد شجرھا او یخبط او یوخذ طیرھا۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مدینے کے درخت کاٹے جائیں یا پتے جھاڑے جائیں یا چڑیا پکڑی جائے۔

ان کے علاوہ خود یہی حضرت ابوہریرہ[۱] اور انس بن مالک[۲]۔ سعد بن وقاص[۳]۔ زید بن ثابت[۴]۔ ابوسعید خدری[۵]۔ عبدالرحمن بن عوف[۶]۔ صعب بن جثامہ[۷]۔ رافع بن خدیجہ[۸]۔ حبیب[۹] بن حذلی۔ جابر بن عبداللہ[۱۰] رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا۔

حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بین لابتی المدینۃ ولا بتیھا شجرھا ان یعضد او یخبط۔ حرم صیدھا حرم البقیع۔ باختلاف الالفاظ لبعضھم بعضا۔

مدینہ کے دونوں پہاڑیوں کے مابین حرم بنایا۔ اس کے درخت یا پتے کا جھاڑنا حرام فرمایا۔ اس کا شکار حرام فرمایا بقیع کو حرم بنایا۔

یہ دس صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ارشادات ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم بنایا۔ اس کے درخت کاٹنا پتے

جھاڑنا۔ اس کی چڑیا پکڑنا حرام فرمایا۔ حرام کرنے کی اسناد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنی اس کی دلیل ہے کہ ان سب کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا اختیار تھا کہ جس چیز کو چاہیں حلال فرما دیں۔ جسے چاہیں حرام فرما دیں۔ اسناد میں اصل حقیقی ہے۔ جب تک کوئی قرینہ صارفہ نہیں جو یہاں منتفی ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا عقیدہ یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قانون ساز ہیں۔

۴۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن خاتم الذھب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے کی انگوٹھی پہنے سے منع فرمایا۔

۵۔ حضرت جیش بن ادیس نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک قصیدہ مدحیہ عرض کیا جس میں ہے۔

لتشرعت لنا دین الحنیفۃ بعد ما عبدنا کامثال الحمیر طواغنا۔

ہمارے لئے دین حنیفیہ کی آپ نے تشریع فرمائی اسکے بعد کہ ہم گدھوں کی طرح بتوں کو پوجتے تھے۔

۶۔ امام قدوری فرماتے ہیں۔

سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغسل للجمعۃ والعیدین والاحرام وعرفۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون فرمایا غسل جمعہ اور عیدین اور احرام اور عرفہ کے دن کا۔

سن کی اسناد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم قانون ساز ہیں۔

۷۔ امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں۔

کان الحق تعالیٰ جعل لہ صلی اللہ

اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

علیہ وسلم ان یشرع من قبل نفسہ ماشاء۔

وسلم کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ اپنی طرف جو چاہیں شروع فرمادیں۔

امام احمد خطیب قسطلانی مواھب میں فرماتے ہیں۔

۸۔ من خصائصہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یخص من شاء بما شاءً من الاحکام۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ شریعت کے احکام میں جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرمادیں۔

علامہ زرقانی اس کی شرح میں اضافہ فرمایا

۹۔ من الاحکام وغیرھا۔

احکام کی تخصیص نہیں جس چیز سے چاہیں جسے چاہیں خاص فرمادیں۔

علامہ جلال سیوطی قدس سرہٗ نے خصائص کبریٰ میں اس مضمون کا ایک باب منعقد فرمایا۔

۱۰۔ باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بانہ یخص من شاء بما شاء من الاحکام۔

اس کا بیان کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس منصب کے ساتھ خاص ہیں کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

علامہ عبدالباقی زرقانی شرح مواھب میں فرماتے ہیں۔

۱۱۔ قد اشتھر اطلاقہ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم لانہ شارع الدین والاحکام۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شارع کہنا مشہور ہے اس لیے حضور نے دین اور احکام کی تشریع فرمائی۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

نبینا الآمر الناھی فلا احد ابر فی قول لا منہ ولا نعم۔

ہمارے نبی آمر و ناہی ہیں — ہاں اور نہیں کہنے میں ان سے زیادہ کوئی سچا نہیں۔

علامہ شہاب خفاجی اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں

۱۳ — معنی نبینا الآمر الخ انہ لا حاکم سواہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فھو حاکم غیر محکوم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آمر و ناہی ہونے کے معنی یہ ہیں حضور حاکم ہیں حضور کے سوا عالم میں کوئی حاکم نہیں۔ وہ کسی کے محکوم نہیں۔

اور آج اس بارے میں امت کا کیا عقیدہ ہے یہ معلوم کرنا ہو تو ترجمان ملت مجدد وقت اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کا رسالہ مبارکہ منیۃ اللبیب اور الامن والعلی کا مطالعہ کریں۔

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی اعظمی

تقلید شخصی کی شرعی حیثیت

تقلید کا مادہ قلادہ ہے۔ قلادہ کے معنی پٹے کے ہیں۔ باب تفعیل میں جا کر اس کے معنی گلے میں پٹہ ڈالنے کے ہو گئے اصطلاح شرع میں تقلید کے معنی علماء نے یہ لکھے ہیں۔
تسلیم قول الغیر بلا دلیل۔ دوسرے کی بات بلا دلیل مان لینا اسی کو علامہ سمہودی نے عقد الفرید میں یوں بیان فرمایا۔

التقلید قبول القول بأن یعتقد من غیر معرفۃ دلیل — کسی کی بات دلیل جانے بغیر اس طرح مان لینا کہ اس پر اعتقاد جم جائے۔

کہ دلیل کے ذریعہ کسی بات کے حق کا اعتقاد ہو تو یہ تقلید نہیں، بلا دلیل محض قائل کے ساتھ حسن ظن کی بنا پر اس کی کہی ہوئی بات پر اعتقاد جم جائے کہ چونکہ یہ شخص اعلیٰ درجے کا دیندار صادق امین علوم و فنون کا ماہر فائق ہے۔ اس لئے جو بات کہتا ہے وہ حق ہے۔ یہی تقلید ہے۔ معمولات شرعیہ سے قطع نظر کرتے ہوئے جب ہم روزمرہ کے حالات اور اپنی طرز زندگی پر نظر کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں تقلید کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس میں عوام و خواص شہری دیہاتی ہر طبقہ کے لوگ مساوی حصہ دار ہیں ——— آپ غور کریں ایک بچہ ہوش سنبھالتے ہی اپنے ماں باپ اپنے مربی کی تقلید کے سہارے پروان چڑھتا ہے ایک بیمار اپنے معالج کی تقلید ہی کر کے شفایاب ہوتا ہے۔ ایک مستغیث کسی قانون داں وکیل کی تقلید کر کے ہی اپنا حق پاتا ہے ——— راستے سے نابلد ایک راہ رو کسی راستہ

بتانے والے کی تقلید کر کے ہی منزل مقصود تک پہونچتا ہے۔ ایک ناخواندہ اپنے معلم کی تقلید ہی سے صاحب علم و فضل بنتا ہے۔ صنعت و حرفت سے عاری کسی ماہر فن استاد کی تقلید کر کے ہی صنعت کار ہوتا ہے۔ وہ روزمرہ کی باتیں ہیں کہ ان سے نہ تو انکار کی کوئی گنجائش ہے اور نہ حجت و تمحیص کی ایک بنگالی کا بچہ اپنے ماں باپ کو دیکھتا ہے کہ وہ مچھلی بھات کھاتے ہیں تو وہ کوئی دلیل طلب کئے بغیر خود بھی مچھلی بھات کھانے لگتا ہے۔ دھوتی باندھنے لگتا ہے۔ بنگالی بولتے سنتا ہے تو خود بھی بنگالی بولنے لگتا ہے۔ یوں ہی پنجابی کا بچہ اپنے والدین کی عادت و خصلت دیکھ کر روٹی گوشت کھانے لگتا ہے۔ شلوار قمیص پہننے لگتا ہے۔ پگڑی باندھنے لگتا ہے۔ پنجابی بولنے لگتا ہے یہی تقلید ہے ——— مکتب میں ایک بچہ گیا معلم نے بچے کو ایک حرف پر انگلی رکھ کر بتایا کہ یہ "الف" ہے بچے نے بلا دلیل مان لیا کہ یہ الف ہے دوسرے حرف پر انگلی رکھ کر معلم نے بچے سے کہا "با"، بچہ بلا بحث و تمحیص اسے مان لیا کہ یہ "با" ہے کبھی کسی بچے نے اپنے استاد سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ کیوں پہلے والے حرف کو الف کہتے ہیں اور دوسرے کو "با" بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر بچہ اس کیوں اور کیونکر کے چکر میں پھنسا تو اصل تعلیم سے بھی محروم رہ جائے گا۔ ایک مستغیث وکیل کے یہاں جاتا ہے اپنا مدعا بیان کرتا ہے وکیل اسے مشورہ دیتا ہے کہ وہ تعزیرات ہند کی فلاں دفعہ کے ماتحت دعویٰ کرے۔ مستغیث بلا چوں و چرا وہی کرتا ہے۔ اسی کا نام تقلید ہے۔ ایک مریض معالج کے یہاں گیا۔ اس نے مرض کی تحقیق کر کے اس کے لئے ایک نسخہ لکھا۔ دنیا کا کوئی مریض حکیم ڈاکٹر سے یہ بحث نہیں کرتا کہ میری بیماری کا نسخہ یہی کیوں ہے یہ دوائیں کس طرح میرا مرض دور کریں گی۔ جو مریض اس بحث میں پڑا وہ اچھا ہو چکا؟ آپ ایک مسافت طے کر رہے ہیں۔ ایک چوراہے پر پہونچ کر حیرت زدہ ہو کر کھڑے ہو گئے کہ اب دائیں

جائیں کہ بائیں یا سیدھے آگے چلا چلوں اچانک کوئی مقامی آدمی آگیا آپ اس سے سوال کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کونسا راستہ جائے گا۔ وہ جدھر بتاتا ہے آپ اس کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے بلا دلیل اسی راستے پر چل کھڑے ہوتے ہیں۔ اب آپ حضرات غور کریں اگر ہم تقلید کو اپنے تمدن سے نکال دیں تو ہماری معیشت کی گاڑی ایک انچ آگے نہیں چل سکے گی۔ ہم اپنی زندگی کے گوشہ گوشہ میں تقلید کے محتاج ہیں اور یہ احتیاج قوم کے ہر فرد کو عام ہے جس طرح ایک جاہل بیماری میں ڈاکٹر کا قانونی ضرورت میں وکیل کا، راستہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں رہنمائی تقلید کا محتاج ہے اسی طرح ایک عالم بھی اور جس طرح ایک دیہاتی خورد و نوش بول چال تعلیم و تربیت میں اپنے ماں باپ استاد کا مقلد ہے اسی طرح ایک شہری بھی۔

اب اگر تقلید کو ہم اپنے تمدن سے نکال دیں تو ہماری زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے گی غور کریں اگر بیمار معالج کے نسخہ کو استعمال کرنے سے پہلے نسخہ کے رموز سمجھنے کے لئے بحث شروع کر دے شرح اسباب و علامات قرابادین و معالجات نفیسی کے اسباق پڑھنے لگے تو وہ اچھا تو کیا ہوگا البتہ جلد ہی دوسرے عالم کا سفر کر دیگا۔ یونہی ایک مستغیث وکیل سے قانون کی لم سمجھے بغیر دعویٰ نہ کرے تو اس کا حق مل چکا جب تک وہ ایل۔ ایل بی کے نصاب پڑھنے کے لائق ہوگا۔ دعویٰ کی میعاد بھی ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے ہر متمدن انسان کا اس پر اجماع ہے کہ جس فن کا انسان ماہر نہ ہو اس میں کسی ماہر فن کی تقلید کرے۔ اسی لئے ہر فرد بشر کسی نہ کسی دوسرے فرد بشر کی کسی نہ کسی معاملہ میں تقلید کرتا ہوا دیکھا جاتا ہے اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ تقلید ہماری زندگی کا جزو لاینفک ہے اور بغیر تقلید کے زندگی بسر کرنا ناممکن ہے جس طرح ہم اپنی زندگی کے معمولات میں تقلید سے مستغنی نہیں ہو سکتے اسی طرح دینی معاملات

میں بھی تقلید سے مفر نہیں۔ اس لئے امت کا اس پر اجماع ہے کہ تقلید فرض ہے اس کی فرضیت اور وجوب ایسا قطعی ہے کہ منکرین تقلید کے پیشوائے اعظم میاں نذیر حسین صاحب کو بھی معیار میں یہ لکھنا پڑا۔

"سو جو کوئی اہل ایسے ذکر کا ہوگا عموماً خواہ کوئی ہو اس کا اتباع وقت لاعلمی واجب ہوگا"

اس لئے کسی بھی دیندار یا مدعی دینداری کی یہ ہمت نہیں کہ وہ تقلید کی فرضیت سے انکار کر سکے معاملہ یہ ہے کہ اگر تقلید کو فرض قرار نہ دیں تو پھر دین پر عمل متعذر اور شدید متعذر ہو جائے گا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ ہم کو اللہ عز و جل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے اور اتباع و اطاعت موقوف ہے قرآن و احادیث کے حصول پر نہ صرف حصول بلکہ یہ بھی جاننے پر کہ ان میں کون ناسخ ہے کون منسوخ ہے کون خاص ہے کون عام ہے کون ظاہر اور کون خفی کون نص ہے کون مشکل کون مفسر ہے کون مجمل کون محکم ہے کون متشابہ وغیرہ وغیرہ سیکڑوں باتیں ایسی ہیں کہ جب تک انسان ان سب پر کامل عبور حاصل کر کے قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط و استخراج پر کامل دستگاہ نہ رکھے قرآن و حدیث پر عمل ناممکن ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں سورہ بقرہ کے تیسویں رکوع میں ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشراً	اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رہیں۔

اس کے بعد اسی سورہ کے اکتیسویں رکوع میں ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون	اور تم جو مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں تو انکے

ازواجًا وصیۃ لازواجھم متاعًا الی الحول غیر اخراج

لئے وصیت کر جائیں کہ ان کو سال بھر کا نان و نفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے۔

ایک ہی سورہ ایک ہی پارہ میں متصلاً ایک ہی مسئلہ کے بارے میں دو مختلف احکام ایسے مذکور ہیں کہ ان دونوں کو پڑھ کر آدمی چکرا جائے کہ وہ عمل کس پر کرے۔ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ کی عدت ایک سال ہے عربی زبان کا ماہر سے ماہر یہ وفیسر عربی زبان پر کتنا ہی عبور رکھتا ہو۔ کس آیت پر عمل کرنا چاہیئے۔ بتا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ـــ اور آگے بڑھئے ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوہ خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اس کی عدت چار مہینے دس دن ـــ یا ایک سال ہے۔ مگر سورہ طلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت کے بارے میں فرمایا گیا۔

واُولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن

اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔

ایک نقطہ پر آکر سورہ بقرہ اور سورہ طلاق کی آیتوں میں شدید تعارض ہے۔ ایک شخص مرا۔ اس کی بیوی حاملہ ہے۔ تو اس کی عدت کیا ہوگی۔ چار مہینے دس دن یا ایک سال یا وضع حمل ـــ

اور سنتے چلئے اسی سورہ بقرہ کے بائیسویں رکوع میں ہے۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرًا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقًا علی المتقین

تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو وہ ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے پرہیزگاروں پر واجب ہے۔

لفظ اقربین عام ہے اولاد بھائی بہن دادا دادی وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ شریعت نے کسی کا کوئی حصہ مقرر نہیں فرمایا ہے۔ یہ مورث کے صوابدید پر ہے۔ جس کے لئے جتنا چاہے وصیت کر جائے اس کی وصیت کے مطابق رشتہ داروں حتیٰ کہ ماں باپ کو بھی حصہ ملے گا مگر سورہ نساء کا دوسرا رکوع تلاوت کریں۔ اس میں ماں باپ، میاں بیوی، بیٹی بیٹا، پوتی پوتا وغیرہ کے شرعی سہام کی تعین تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔ عربی زبان کا کوئی کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو محض زبان دانی سے وہ اس گتھی کو ہرگز ہرگز نہیں سلجھا سکتا۔

یہ چند مثالیں میں نے قرآن مجید سے تقریب فہم کے لئے پیش کر دیں ہیں۔ اگر استقصا کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے احادیث میں اس قسم کے اشکالات کی کوئی گنتی نہیں۔ اب اگر تقلید کو درمیان سے نکال دیا جائے تو فرض عین کہ ہر مسلمان ان تمام تفصیلات کو جانے جن سے اس قسم کے اشکالات حل ہو سکیں۔ اب اگر ہر مسلمان کو ان تمام تفصیلات کے جاننے کا مکلف کیا جائے تو ـــ اولاً ـــ یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص ان تمام علوم کو حاصل کر سکے جو مجتہدین کے لئے ضروری و لازم ہیں۔ ثانیاً ـــ اگر بالفرض یہ تمام علوم حاصل بھی ہو جائیں تو تفقہ فی الدین جو خالص خداداد اور وہبی صلاحیت ہے سب کو بلکہ اکثر کو کہاں نصیب حضرت امام بخاری جیسے امام فن و ماہر حدیث نے اسی وہبی فضل خداوندی تفقہ فی الدین کی کمی کی وجہ سے ایسے عجیب و غریب فتوے دیئے کہ حیرت ہوتی ہے مثلاً مشہور ہے کہ امام بخاری نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی کسی بکری کا دودھ مدت رضاعت میں پی لیں تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ بخاری کو اٹھا کر دیکھئے آپ انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ ایک جگہ ہے کہ پانی نجاست پڑنے سے اس وقت تک

ناپاک نہیں ہوگا جب تک پانی میں نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ نہ آجائے دوسری جگہ ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو برتن ناپاک ہے ایسا کہ اسے سات مرتبہ دھوؤ۔

اب آپ غور کریں ایک برتن میں پانی ہے اس میں کتے نے منہ ڈال دیا پانی کا نہ رنگ بدلا نہ بو نہ مزہ تو لازم کہ پانی پاک رہے اور برتن بہر حال ناپاک۔ امام بخاری کے حفظ و اتقان تقویٰ پرہیزگاری روایت حدیث میں احتیاط کے کمال سے انکار نہیں مگر تفقہ فی الدین ایک الگ نعمت ہے جو ہر حافظ صاحب کو نہیں ملتی۔ اسی لئے تو ایک جلیل القدر محدث نے فرمایا ہے الحدیث مضلۃ الا للفقہاء۔

اور حضرت امام اعمش قدس سرہٗ نے بڑی صفائی اور دیانتداری کے ساتھ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تفقہ فی الدین کا اعتراف کرتے ہوئے خود حضرت امام صاحب سے فرمایا۔ نحن الصیادلۃ وانتم الاطباء ہم دوا فروش ہیں اور تم لوگ طبیب ہو۔

ثالثاً — چلئے تفقہ فی الدین بھی حاصل ہوگیا اور وہ تمام علوم و فنون جو لوازم اجتہاد ہیں حاصل ہو جائیں تو دینداری اور للہیت کا آج کتنا فقدان ہے۔ اسے کون نہیں جانتا حال یہ ہے کہ بہت سے ابو حنیفہ دوراں اور نعمان زماں بننے والے جوش عداوت و فور محبت و افراط عقیدت کی بنیاد پر اپنے نوک قلم سے کیا کیا گل کھلائے۔ اس کی تھوڑی سے سیر کرتے چلیں۔

۱۔ سارے دیوبندیوں وغیر مقلدین نے، اسمٰعیل کی "ایضاح الحق" کی عبارت پر اسے کافر گمراہ ہونے کا فتویٰ دیا — مگر جب معلوم ہوا کہ یہ تو ہمارے طائفہ کے امام کی عبارت ہے تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔

۲۔ ابھی چند دن کی بات ہے کہ مفتی دیوبند مولوی مہدی حسن نے جناب قاری طیب صاحب کی ایک عبارت پر فتویٰ دیا کہ اس میں الحاد ہے — مگر جب معلوم ہوا کہ یہ تو ہمارے

آقا کی عبارت ہے تو فتویٰ بدل گیا۔

۳۔ قاسم نانوتوی صاحب کے اس شعر

جو چھو بھی دے سگ کوچہ ترا جو اس کی نعش　　یقیں ہے خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

پر یہودی برادری نے وہ وہ فتوے دیئے کہ مزہ آگیا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ یہ ہمارے پیر مغاں کا شعر ہے تو تاویل کے نام پر شاہنامہ کا ہفتخواں کا باب کھول دیا گیا۔

۴۔ گنگوہی کو بکرے کے خصیے بہت پسند تھے اور ان کو بہت مفید بھی اس لئے فتویٰ دے رکھا تھا کہ یہ حلال ہیں۔ یہ فتویٰ ان کے مجموعہ فتاویٰ کے ایک ایڈیشن میں موجود بھی ہے۔ مگر جب پوری دنیا نے تھو تھو کیا۔ دوسرے ایڈیشنوں سے ایسا غائب کر کے فتاویٰ رشیدیہ ہی کو خصی کر دیا۔

ایسی صورت میں امت کے عام افراد کو تقلید کئے بغیر چارہ نہیں اس لئے کہ اگر تقلید کو بدعت سیئہ و حرام قرار دے دیا جائے تو پھر قرآن و حدیث پہ عمل کرنا سوائے معدودے چند حضرات کے امت کے اکثر بلکہ پورے افراد کو محال ہو جائے پھر لازم یہ کہ پوری امت کو قرآن و حدیث پر عمل کا مکلف کرنا وسعت سے زیادہ تکلیف دینا ہوا جو نص قرآنی لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعھا کے صریح منافی ہے۔ لاجرم امت کے دو گروہ ہوئے ایک مجتہدین دوسرے غیر مجتہدین غیر مجتہدین کو حکم یا گیا کہ وہ دینی معاملات میں مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان کا اتباع کریں۔ ارشاد ہے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اہل علم سے پوچھو جبکہ تم میں علم نہیں۔ اور حدیث شریف میں فرمایا۔

اس آیت کے مخاطب غیر اہل علم ہیں اور اہل ذکر سے مراد اہل علم۔ اور سوال سے مقصود اہل علم کے ارشاد پر اتباع کا لازم ہونا ہے۔ اس قدر پہ کسی کو اختلاف نہیں بلکہ اب تو بعد اللتیا والتی یہ بھی طے ہوگیا کہ اہل ذکر سے خاص مجتہدین مراد ہیں۔ بس جبکہ یہ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ

غیر اہل ذکر پر اہل ذکر کا اتباع واجب ہے اور فریقین اس پر متفق کہ اہل ذکر سے مجتہدین مراد ہیں تو ثابت ہوگیا کہ غیر مجتہد پر مجتہد کی اتباع واجب ہے۔ یہی تقلید ہے۔

اس لئے کہ اگر مجتہد کی اتباع بوضوح دلیل کے بعد ہوگی تو یہ مجتہد کی اتباع نہ ہوئی بلکہ اپنی تحقیق پر عمل ہوا۔ اس لئے مجتہد کی اتباع تقلید میں منحصر ہے۔ اس قدر پر اتفاق کے بعد وہ اصل اختلاف جس نے کروڑوں گھروں میں آگ لگا رکھی ہے جس پر تمام امت کے ناجی یا ناری ہونے کا فیصلہ موقوف ہے وہ تقلید شخصی ہے۔

امت کا اس پر اجماع ہے کہ اب ہر شخص کو خواہ عالم ہو خواہ غیر علم واجب ہے کہ وہ آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی جدا اور فقہ میں تقلید کرے۔

صرف چند معدودے نفر جن کے دامن انبیاء کرام و اولیاء عظام کی اہانت سے بھی داغدار ہیں جس کی بنا پر وہ امت اجابت سے یقیناً خارج ہیں۔ تقلید شخصی کو حرام بدعت بلکہ شرک حتیٰ کہ ولا یتخذ وا بعضنا بعضا اربابا من دون الله کا مصداق ٹھہراتے ہیں۔

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں۔

فعليكم يا معشر المومنين باتباع الفرقة الناجية المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة الله تعالى وحفظه وتوفيقه فی موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقته فی مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فی المذاهب الاربعة هم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون

اے مومنو! تم پر فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کی اتباع لازم ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور حفظ و توفیق ان کی موافقت میں ہے اور اس کی ناراضگی اور عذاب ان کی مخالفت میں ہے اور فرقہ ناجیہ نے آج اس پر اجماع کر لیا ہے کہ وہ صرف مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ہیں جو ان چاروں سے خارج ہوگا وہ بدعتی جہنمی ہے

ومن كان خارجاً عن هذه المذاهب الاربعة فهو من اهل البدعة والنار۔ (كتاب الذبائح)

منکرین تقلید کے امام الائمہ شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں لکھتے ہیں۔

اعلم ان فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفی الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة ونحن نبين ذلك بوجوه

مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں عظیم مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بھاری فساد ہے ہم ان کو چند طریقے سے بیان کرتے ہیں۔

احدها ان الامة قد اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف فی معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا فی ذلك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهكذا فی كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم والعقل يدل على حسن ذلك لان الشريعة لا يعرف الا بالنقل والاستنباط والنقل لا يستقيم الا بان ياخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال ولا بد فی الاستنباط من ان يعرف مذاهب المتقدمين لئلا يخرج من اقوالهم فيخرق الاجماع ويبنى عليها

اول یہ کہ امت نے اجماع کر لیا ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے تابعین نے اس معاملہ میں صحابہ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے ... اسی طرح ہر طبقہ میں علماء نے اپنے پہلے والوں پر اعتماد کیا اسکی اچھائی پر عقل دلالت کرتی ہے اس لئے کہ شریعت نقل اور استنباط کے بغیر نہیں پہچانی جا سکتی۔ اور نقل نہیں درست ہوگی مگر اسی طرح کہ ہر طبقہ اپنے پہلے والوں سے متصلاً حاصل کرے اور استنباط کے لئے یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب کو جانا جائے تاکہ ان کے اقوال سے باہر نہ جائیں کہ حد اجماع ہو جائے اور تاکہ انہیں اقوال کو بنیاد بنایا جائے اور

وَيَسْتَعِيْنُ فِي ذلك بمن سبق۔ لأن جميع الصناعات كالصرف والطب والشعر والحدادة والتجارة والصياغة لم تتيسر لأحد إلا بملازمة أهلها وغير ذلك نادر بعيد لم يقع وإن كان جائزاً في العقل وإذا تعين الاعتماد على أقاويل السلف فلابد من أن يكون أقوالهم التي يعتمد عليها مروية بالإسناد الصحيح أو مدونة في كتب مشهورة وأن يكون مخدومة بأن يبين الراجح من المرجوح من محتملاتها وتخصيص عمومها في بعض المواضع ويجمع المختلف منها وتبيين علل أحكامها وإلا لم يصح الاعتماد عليها وليس مذهب في هذا الأزمنة المتأخرة بهذه الصفة إلا هذه المذاهب الأربعة۔

اگلوں سے اس میں مدد لی جائے اس لئے کہ تمام صنعتیں مثلاً سناری اور طب اور شعر اور لوہاری اور تجارت اور رنگ ریزی کسی کو بھی میسر نہیں ہوئی مگر اس کے ماہرین کے ساتھ کام کرنے سے اور بغیر اس کے بہت نادر جو واقع نہیں اگرچہ عقلاً جائز ہے اور جب یہ متعین ہو گیا کہ (شریعت کی معرفت) میں سلف کے اقوال ہی پر اعتماد ہے تو ضروری ہے کہ انکے اقوال جن پر اعتماد ہو اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں مدون ہو۔ اور یہ کہ منقح ہوں کہ ان محتملات میں راجح مرجوح سے ظاہر ہو اور عام کی تخصیص مذکور ہو متضاد اقوال میں تطبیق ہو احکام کی علتیں بیان کی گئی ہوں ورنہ ان پر اعتماد صحیح نہیں۔ اور اس پچھلے زمانہ میں کوئی مذہب اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں سوائے ان چار مذاہب کے۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ فرقہ ناجیہ صرف اہل سنت و جماعت ہے ان کے علاوہ دوسرے تمام فرقے خواہ وہ

اپنا نام کچھ رکھیں جہنمی اور بدعتی ہیں۔

۲۔ اس پر اجماع ہے کہ تقلید شخصی واجب ہے۔

۳۔ تقلید شخصی میں عظیم مصلحت ہے اور اس کے ترک میں فساد کبیر ہے۔

۴۔ شریعت کی معرفت نقل اور استنباط پر موقوف ہے اور یہ دونوں سلف کے اقوال جاننے پر موقوف ہے۔

۵۔ سلف میں صرف آئمہ اربعہ کے اقوال اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہیں اور صرف انھیں کے مذاہب منقح ہیں۔

۶۔ سلف میں سے ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مجتہدین کے اقوال نہ تو اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہیں نہ کتب مشہورہ میں جامعیت کے ساتھ مدون ہیں کہ ان پر اعتماد صحیح ہو اور نہ منقح ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ مجتہدین میں سے صرف ائمہ اربعہ ہی کے مذاہب لائق اعتماد و قابل عمل ہیں اور یہی علت ہے ان میں سے کسی ایک پر عمل کے وجوب پر اجماع کی اور اجماع خواہ کسی عصر کا ہو حجت شرعی ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

لا تجتمع امتي على الضلالة — میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

نیز قرآن میں فرمایا گیا۔

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصليه جهنم وساءت مصيراً

اور جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرے اسکے بعد کہ حق کا راستہ اس پر ظاہر ہو چکا اور مسلمانوں کے راستے سے الگ راستہ چلے ہم اسے اسکے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کرینگے اور یہ کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

لہذا اس میں شک و شبہ نہ رہا کہ اس عصر میں واجب ہے کہ ائمہ اربعہ میں کسی ایک امام

کی تقلید کی جائے ان کے علاوہ دوسرے ائمہ کی تقلید ممنوع ہے۔ اس لئے کہ ان کے مذاہب
اتنے احتیاط اور جامعیت کے ساتھ آج موجود نہیں کہ ان کا اتباع کیا جاسکے ۔۔ رہ گئی
ایک صورت یہ کہ ائمہ اربعہ میں کسی معین کی تقلید نہ کی جائے بلکہ بعض مسائل میں ایک کی بعض
میں دوسرے کی ـــــ اس میں کیا حرج ہے۔

پہلا حرج یہی ہے کہ یہ خرق اجماع ہے اجماع اس پہ ہے کہ جو جس امام کا مقلد ہو جملہ
امور میں اس کی تقلید کرے بعض مسائل میں ایک کی بعض مسائل میں دوسرے کی یہ ناجائز
اور گناہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ حقیقت میں امام کی تقلید نہ ہوئی اپنے نفس کی تقلید ہوئی
اس لئے کہ دوسرے امام کی تقلید ایک امام سے عدول کرکے دوسرے امام کی طرف
رجوع کی بنیاد کیا ہوگی؟ اپنی پسند کے کچھ مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا
اجتہاد پسند آیا تو اُسے اختیار کیا اور بعض دوسرے مسائل میں دوسرے امام کا اجتہاد
پسند آیا تو اُسے اختیار کرلیا یہی تو ہوائے نفس کی پیروی ہے۔ یہ اعراض دلیل کی
دلیل کی قوت و ضعف کی بنا پر ہے تو یہ تسلیم قول بلادلیل نہ ہوا بادلیل ہوا پھر تقلید نہ رہی اور کلام تقلید میں ہے۔
تیسرا حرج یہ ہے کہ یہ نص قرآنی سے حرام ہے کہ کبھی ایک طریقہ اختیار کیا جائے
کبھی اس کے برعکس دوسرا۔ ہم کو حکم ملا ہے کہ ہم ایک ہی راستے کو اختیار کریں۔ اور اسی
کی پیروی کریں۔ چند راستے کا اتباع نہ کریں فرمایا گیا۔
ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ چند راستوں پر مت چلو ورنہ اس کے راستے سے
ہٹ جاؤ گے۔

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ اگر کہیں چند راستے گئے ہوں تو منزل پر وہی پہونچے گا جو ان
میں کسی ایک کو اختیار کرے اور جو کبھی ایک راستہ پر کبھی دوسرے پر پھر تیسرے پر پھر چوتھے
پر پھر پہلے پہ اور پھر دوسرے پر علی ھذا القیاس چلتا رہے گا۔ وہ راستہ ناپتا ہی رہ جائیگا

منزل تک ہرگز نہیں پہونچے گا۔

اس لئے آج واجب ہے کہ جو حنفی ہے وہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ
کی اور جو شافعی ہے وہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی اور جو مالکی ہے وہ امام مالک
رضی اللہ عنہ کی اور جو حنبلی ہے وہ امام احمد بن حنبل کی جملہ فقہی مسائل میں تقلید کرے
امت کے کسی فرد کو ان کے علاوہ کسی مجتہد کی تقلید جائز نہیں۔ اور تلفیق کہ کچھ مسائل میں
ایک کی اور کچھ مسائل میں دوسرے کی یہ بھی حرام و گناہ ہے۔ یہ اتباع شریعت نہیں
اتباع ھوی و نفس ہے۔

علماء احناف کی تقلید پر ایک بہت مشہور و معروف اعتراض امر تسری آنجہانی
صاحب کا یہ ہے کہ تقلید کی تعریف ہے تسلیم قول الغیر بلا دلیل۔ اور علمائے احناف چونکہ
ہر مسئلہ کی دلیل جانتے ہیں اس لئے یہ مقلد نہ ہوئے مجتہد ہوئے۔ عرصہ ہوا انھوں نے یہ
سوال اٹھایا تھا اسی وقت اس خادم نے یہ جواب دیا تھا کہ تقلید کی تعریف میں بلا
دلیل کا تعلق تسلیم سے ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ کسی کی بات کا ماننا بلا دلیل ہو
یعنی ماننے کی بنیاد دلیل نہ ہو کہ چونکہ اس قول کی دلیل بہت قوی ہے لہذا مان لیا ہے۔ بلکہ
ماننے میں دلیل کو قطعاً کوئی دخل نہ ہو جیسے بچے ماں، باپ کی بات مانتے جاتے ہیں طالب علم
استاذ کی بات مانتے جاتے ہیں۔ مریض طبیب کی بات مانتا جاتا ہے یہ دوسری بات
ہے کہ کسی بات کو ماننا تو بلا دلیل ہے مگر اس کی دلیل بھی جانتا ہو یا بعد میں جاننے لگے دلیل
جاننا تقلید کے منافی نہیں جبکہ وہ علت تسلیم نہ ہو۔ دلیل کا جاننا اس وقت منافی ہے
جبکہ تسلیم کی علت اور سبب دلیل ہو۔ مثلاً یہ کہ چونکہ اس بات کی دلیل بہت قوی ہے
لہذا یہ مان لیا اور فلاں کی دلیل بہت کمزور ہے لہذا اسے ترک کر دیا۔
اس طرح کا ماننا دلیل کی بنیاد پر ہوتا ہے یہ تسلیم القول بلا دلیل نہیں بدلیل ہے

لیکن اگر ہم ایک بات کو مان رہے ہیں مگر ماننے میں دلیل کو دخل نہ ہو ماننا بلادلیل ہو تو یہ تقلید ہے خواہ اس کی دلیل جانتے ہوں خواہ نہ جانتے ہوں۔ علماء احناف کا حال یہی دوسرا ہے کہ وہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اقوال اور ان کے مذہب مہذب کو بلادلیل مانتے ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ابتداء شعور ہی سے ہم وضو، غسل، طہارت، نماز، روزہ وغیرہ سب مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مطابق کرتے ہیں اور اس کی تفاصیل کو حق مانتے ہیں۔ جب شرح وقایہ ہدایہ وغیرہ پڑھتے ہیں تو دلیل سے واقف ہوتے ہیں اس لئے یہ ماننا بلادلیل ہوا یہ دوسری بات ہوئی کہ مان لینے کے بعد دلیل بھی جان گئے۔

حضرت علامہ مولانا عبدالمصطفےٰ صاحب اعظمی

اصول اسلام قرآن وحدیث کی روشنی میں

اسلامی مسائل دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق صرف اعتقاد اور تصدیق قلب سے ہے دوسرے وہ جن کا تعلق عمل سے ہے۔ پہلی قسم کا نام "عقائد" اور دوسری قسم کو "اعمال" کہتے ہیں۔ عقائد اسلام کو اعمال اسلام سے وہی تعلق ہے جو درخت کی جڑ کو اس کی شاخوں، اور عمارت کو اس کی بنیادوں سے ہوا کرتا ہے۔ جس طرح درخت کی جڑ کٹ جانے کے بعد شاخوں کی سرسبزی وشادابی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور جس طرح کسی عمارت کی بنیادوں کے متزلزل یا منہدم ہو چکنے کے بعد عمارت کے قیام واستحکام کو سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ ٹھیک اسی طرح اسلامی عقائد کے بغیر اسلامی اعمال کو نقش برآب کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا!

یوں تو اعمال اسلام کی طرح عقائد اسلام کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے مگر عقائد اسلام کے وہ بنیادی اصول جو تمام عقائد اسلامیہ کا محور اور دین اسلام کی پوری عمارت اسلامی کا بنیادی پتھر ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں وہ صرف تین ہیں۔

توحید ۔ رسالت ۔ قیامت

یہی وہ تین عنوان ہیں جو اسلامی عقائد کے اصل الاصول اور قرآن مجید واحادیث نبویہ کے تمام اعتقادی احکام کا محور ہیں۔ اور علم العقائد کے تمام مسائل انھیں تین اصولوں کی فروع اور شاخیں ہیں جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے فرض عین ہے۔ اب

آپ ان تینوں عنوانوں کی تشریح قرآن و حدیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے۔ جو انتہائی اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں!

توحید

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خدا کو ایک مان لینا بس یہی "توحید" کی حقیقت ہے اور جو خدا کو ایک مان لے وہ "مُوَحِّد" ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ توحید کا یہ تصور اسلامی توحید کا آئینہ دار نہیں ہے بلکہ اسلامی توحید کا تصور اس سے بہت ہی بلند و بالا ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ صرف خدا کو ایک مان لینا فقط اتنی ہی بات اسلامی توحید کیونکر ہو سکتی ہے؟ کیونکہ اس معنی میں تو فلاسفہ یونان بھی توحید کے قائل ہیں مگر کوئی بھی ان کو "اسلامی موحد" نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ ان حکما و یونان کے جاہلوں کو تو واجب الوجود کی اپنی من گڑھت توحید کا اتنا خبط ہے کہ انھوں نے اپنی خیالی توحید کے چکر میں خدا کو جاہل مطلق مان لینا گوارا کر لیا۔ چنانچہ آپ یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ حکما و یونان میں ایسے ایسے خبطی بھی ہو چکے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا جاہل مطلق ہے اور اس کو کسی چیز کا بھی کوئی علم نہیں ہے۔ اور وہ اپنے اسی جاہلانہ مدعیٰ پر اس طرح دلیل پیش کرتے ہیں کہ چونکہ واجب الوجود واحد حقیقی ہے اس لئے وہ اپنی ذات کو نہیں جان سکتا۔ کیونکہ اگر وہ اپنی ذات کو جان لے تو وہ خود ہی عالم (جاننے والا) بھی ہوگا۔ اور خود ہی معلوم (جانا ہوا) بھی ہوگا۔ اور عالم و معلوم ہمیشہ دو جداگانہ اور ایک دوسرے کا غیر ہوا کرتے ہیں۔ تو اگر خدا نے اپنے کو جان لیا تو اس میں اثنینیت لازم آئے گی اور اس کا دو ہونا لازم آ جائے گا جو اس کی توحید حقیقی کے منافی ہے۔ لہٰذا واجب الوجود اپنے کو نہیں جان سکتا۔ اور جو اپنے کو نہیں جان سکتا وہ بھلا دوسرے کو کس طرح جان سکتا ہے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا کو کسی چیز کا بھی علم نہیں ہے (معاذ اللہ) ذرا غور فرمائیے کہ حکما و یونان کے یہ جہلا واجب الوجود کے واحد حقیقی ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود جاہلانہ توحید کے چکر میں ایسے گھن چکر ہو گئے کہ خداوند عالم الغیب

والشہادہ کو جاہل مطلق مان لیا اب ان جاہلوں کی اس کافرانہ توحید کو کون ہے جو "اسلامی توحید" قرار دے سکتا ہے؟ بہرکیف میرا مدعیٰ یہ ہے کہ خدا کو ایک مان لینا صرف اتنی ہی بات اسلامی نقطۂ نظر سے اسلامی توحید نہیں کہلا سکتی۔ بلکہ اسلام نے جس توحید کا تصور پیش کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ۔

خداوند تعالیٰ کو اس کی تمام صفات ذاتیہ و اوصاف کمالیہ حیاتؒ، قدرتؒ، سننا دیکھنا، کلامؒ، علمؒ، ارادہ کے ساتھ متصف مانتے ہوئے۔ اور تمام ان اوصاف کو جو شان الوہیت کے منافی، اور عیوب و نقائص ہیں مثلاً تمثیل، تعطیل، تولید، جھوٹ، جہل ظلم وغیرہ کو اس کی ذات میں محال مانتے ہوئے بلکہ ان اوصاف کو بھی اس کی ذات میں محال ٹھہراتے ہوئے جو نہ کمال ہیں نہ نقصان یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے۔ اور اس کی ذات، صفات اور افعال و احکام و اسماء میں کوئی اس کا شریک نہیں یہ ہے وہ اسلامی توحید جو لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ہے جس کو ہر مسلمان ایمان مجمل میں اس طرح پورے یقین و اعتقاد کے ساتھ پڑھتا ہے کہ آمنتُ باللہ کما ھو باسمائہٖ وصفاتہٖ وقبلتُ جمیعَ احکامہٖ یعنی میں اللہ پر ایمان لایا جیسا کہ وہ اپنے اسماء و صفات میں ہے۔ اور میں نے اس کے تمام احکام کو قبول کیا!

غرض قرآن مجید کی تمام آیات توحید، و احادیث وحدانیت کا اگر کوئی بغور مطالعہ کرے گا تو وہ اسی نتیجے پر پہونچے گا کہ یہی وہ اسلامی توحید ہے جو آیتوں اور حدیثوں کا نچوڑ اور عطر ہے! کون نہیں جانتا کہ سورۂ اخلاص میں توحید الٰہی کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ربانی ہوا کہ قل ھو اللہ احد ہ اللہ الصمد ہ لم یلد ولم یولد ہ ولم یکن لہ کفواً احد ہ یعنی تم فرما دو کہ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد، اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی ہے۔

غور فرمائیے کہ اس سورہ میں خدا کی وحدانیت کے ساتھ ان تمام عیوب و

نقائص سے خدا کی براءت کا اعلان بھی ہے جو شانِ الوہیت کے منافی ہیں۔ اسی طرح سورۂ حشر میں ارشاد ہوا کہ۔ هو الله الذی لا اله الا هو. علم الغیب والشهادة : هو الرحمن الرحیم ۵۔

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر نہاں وعیاں کا جاننے والا۔ وہی ہے بڑا مہربان رحمت والا۔ هو الله الذی لا اله الا هو - الملك القدوس السلم المؤمن المهیمن العزیز الجبار المتکبر سبحن الله عما یشرکون ۵ وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ، نہایت پاک، سلامتی دینے والا امان بخشنے والا حفاظت فرمانے والا، عزت والا، عظمت والا، بڑائی والا، اللہ کو پاکی ہے لوگوں کے شرک سے!

آیاتِ بالا اور اس قسم کی صدہا آیاتِ بینات میں خدا کو اس کی صفاتِ کمالیہ کے ساتھ متصف ٹھہراتے ہوئے اور تمام ان باتوں سے بری و منزہ بتاتے ہوئے اس کے واحدِ حقیقی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے جس کا مدعیٰ یہی ہے کہ صرف خدا کو واحد مان لینا ہی توحیدِ اسلامی کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اس پر کما هو باسمائه و صفاته ایمان لانا ضروری ہے۔ اور یہی توحیدِ حقیقی ہے جس کا تصور اسلام نے پیش کیا ہے!

اب اس اسلامی توحید کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسائل روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئے کہ۔

۱۔ اگر کوئی ایک کروڑ مرتبہ بھی خدا کے واحدِ حقیقی اور ایک ہونے کا اعلان کرے لیکن اگر اس نے خدا کی صفاتِ ذاتیہ کمالیہ میں سے کسی ایک صفت کا بھی انکار کر دیا یا منافیِ الوہیت کسی ایک صفت کو بھی خدا کے لئے ثابت کر دیا تو وہ اسلامی توحید کا ماننے والا نہیں کہلا سکتا!

۲۔ اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے خدا کا مثل ممکن مانے، یا خدا کو مجسم مانے

یا خدا کے لئے زمان، مکان یا جہت ثابت کرے تو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے "موحد" نہیں ہو سکتا!

۳۔ اگر کوئی خدا کو واحدِ حقیقی مانتے ہوئے اس کے علم کا انکار کرے جیسے حکماءِ یونان کا ایک گروہ تو وہ بھی اسلامی موحدین کے دائرہ سے خارج ہے!

۴۔ اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے خدا کے لئے بیٹا، بیٹی، بیوی ہونا ثابت کرے جیسے یہود و نصاریٰ اور مشرکین تو وہ بھی اسلامی توحید کا ماننے والا نہیں ہو سکتا!

۵۔ اگر کوئی ایک کروڑ بار کلمہ پڑھے اور بار بار خدا کے ایک ہونے کا اعلان کرے مگر خدا کی ذات میں عیوب و نقائص اور صفاتِ ذمیمہ مثلاً جھوٹ، ظلم، جہل وغیرہ کو محال نہ مانے بلکہ خدا کے لئے امکانِ کذب وغیرہ کا قائل ہو تو وہ بھی اسلامی توحید کا ماننے والا نہیں کہا جا سکتا!

رسالت خداوند تعالیٰ کے وہ خاص بندے جن کو وہ محض اپنے فضل و کرم سے منتخب فرما کر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے ان کے پاس "وحی" بھیجتا ہے وہ "نبی" کہلاتے ہیں ان میں سے بہت سے نبیوں پر صحائف اور آسمانی کتابیں بھی نازل فرمائی ہیں ایسے نبیوں کو "رسول" کہتے ہیں۔

اسلام نے نبوت و رسالت کا جو تصور پیش کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی و رسول اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چونکہ بندے حادث، فانی، عاجز ہیں اس لئے وہ خداوند واجب الوجود، قدیم و قادر سے اکتسابِ فیض کما حقہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے خداوند کریم اپنے کچھ خاص بندوں کو عام بندوں سے زیادہ کمالات و قدرت و توانائی عطا فرما کر اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان رسالت اور فیض رسانی کے لئے واسطہ بنا دیا ہے۔ چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام خداوند تعالیٰ سے فیض حاصل کر کے عام بندوں کو فیضانِ خداوندی کا افاضہ فرماتے ہیں۔ اور خدا کا

پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتے رہتے ہیں۔

عالم طبیعیات میں تفہیم کے لئے اس کی یہ مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ مثلاً پانی میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ براہ راست آگ سے گرمی حاصل کر کے گرم ہو جائے۔ اس لئے پانی اور آگ کے درمیان ایک برتن کا واسطہ ضروری ہے کہ برتن کو آگ پر رکھ دیا جائے اور برتن میں پانی ڈال دیا جائے۔ تو برتن آگ سے حرارت حاصل کر کے پانی تک آگ کی حرارت کو پہنچا دیگا اور پانی گرم ہو جائیگا۔ بلا تشبیہ اسی طرح عام بندوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ براہ راست واجب الوجود سے اکتساب فیض کر سکیں۔ اس لئے عام بندوں اور خداوند تعالیٰ کے درمیان انبیاء کرام ایک واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اپنی کمال صلاحیت کیوجہ سے خداوند تعالیٰ سے فیض حاصل کر کے بندوں تک پہنچاتے رہتے ہیں!

اب قابل غور یہ بات ہے کہ جب اسلام نے نبی و رسول کا یہ تصور پیش فرمایا ہے کہ انبیاء کرام خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں تو مندرجہ ذیل دو مسائل حل ہو گئے۔ یہ کہ کوئی نبی نہ خدا ہو سکتا ہے۔ نہ بالکل عام بندوں کی طرح امتی ہو سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جو شخص نبی کو بالکل عام انسانوں جیسا ایک انسان بتائے اور فضل و کمال میں نبی کو تمام انسانوں سے ممتاز اور افضل و اعلیٰ نہ مانے تو وہ اسلامی اصول کے مطابق رسالت پر ایمان لانے والا نہیں کہلا سکتا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں مندرجہ ذیل عقائد ضروریات دین میں سے ہیں۔

۱۔ ہر نبی و رسول کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے کسی ایک نبی اور رسول کی نبوت و رسالت کا انکار کفر ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ لا نفرق بین احد من رسلہ!

نبوت کی وحی انبیاء کیلئے خاص ہے جو اس وحی کو غیر نبی کیلئے مانے وہ کافر ہے (سو[illegible]

نبی کو معصوم ماننا ضروری ہے۔ انبیاء اور فرشتوں کے معصوم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ خدا نے ان کے لئے گناہوں سے حفاظت کا وعدہ فرما لیا ہے جسکے سبب ان سے کسی گناہ کا صادر ہونا غیر ممکن ہے

۴۔ احکام تبلیغیہ میں انبیاء سے سہو و نسیان محال ہے۔

۵۔ تمام انبیاء کرام گناہوں سے اور ان تمام خصائل رذیلہ سے جو مخلوق کے لئے باعث نفرت ہوں جیسے جھوٹ، ظلم وغیرہ بلکہ ان اعمال و افعال سے بھی جو وجاہت اور شانداری کے خلاف ہیں قبل نبوت و بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں۔ بلکہ ان کے جسم کا تمام ان امراض سے بھی پاک ہونا ضروری ہے جو مخلوق کیلئے باعث تنفر ہوں جیسے برص، جذام اور بد صورتی وغیرہ۔

۶۔ ہر نبی کی تعظیم و تکریم فرض عین ہے۔ بلکہ تمام فرائض کی اصل ہے کسی نبی کی ادنیٰ سی توہین و تکذیب کفر ہے!

اس مضمون پر سیکڑوں آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ شاہد عدل ہیں جن کا ذکر مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا!

قیامت

توحید و رسالت کی طرح یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے کہ زمین و آسمان جن و انس اور ملائکہ بلکہ سارا جہان فنا ہونے والا ہے۔ ایک دن خدا کے حکم سے حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے اور ایکدم سارا عالم فنا ہو جائے گا پھر اللہ عزوجل حضرت اسرافیل اور صور کو دوبارہ پیدا فرما کر صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ صور پھونکتے ہی تمام اہل عالم موجود ہو جائیں گے اور مردے میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے۔ اور بندوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ اعمال کا حساب ہوگا۔ اور بندے جزا و سزا کے مستحق ہو کر جنت و دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ یہ ہے مفہوم قیامت کا خلاصہ۔ قیامت کے بارے میں مندرجہ ذیل عقائد ضروری ہیں۔

۱۔ قیامت یقیناً قائم ہوگی۔ قیامت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

۲۔ حشر روح اور جسم دونوں کا ہوگا جو اس کا انکار کرے اور یہ کہے کہ صرف روحیں اٹھیں گی جسم زندہ نہ ہوں گے وہ بھی کافر ہے۔

۳۔ قیامت کے دن وزنِ اعمال اور حساب برحق ہے جو اس کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۴۔ جنت و دوزخ اور ثواب و عذاب حق ہیں اس کا منکر بھی کافر ہے

۵۔ قیامت، اور حشر و نشر، ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ سب کے وہی معنی ہیں جو سلف صالحین سے منقول، اور مسلمانوں میں مشہور ہیں۔ جو شخص ان چیزوں کو تو حق کہے مگر ان کے نئے معنی گڑھے مثلاً یہ کہے کہ ثواب کے معنی اپنی نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہونا۔ اور عذاب کے معنی اپنے برے اعمال کو دیکھ کر غمگین ہونا، یا حشر صرف روح کا مانے۔ یا خوشی اور غم کو ہی جنت و دوزخ بتائے تو وہ درحقیقت قیامت کا منکر اور کافر ہے (نعوذ باللہ منہ)

حضرت علامہ مولانا بدرالدین صاحب گورکھپوری

امکان کذب کا فتنہ

جھوٹ ایک ایسا عیب ہے جس سے بھی لوگ نفرت کرتے ہیں یہاں تک کہ خود جھوٹا آدمی بھی جھوٹ کو برا ہی جانتا ہے چنانچہ اگر بھری محفل میں اس کا جھوٹا ہونا ظاہر کر دیا جائے تو وہ چڑھے گا جھنجھلائے گا اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا بڑا بھدا کام ہے لیکن محترم قارئین کو یہ جان کر سخت حیرت ہوگی کہ وہابی مذہب نے سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْعِزَّۃ جلّ شانہٗ کے حق میں جھوٹ بولنا جائز قرار دیا ہے۔

امکان کذب الٰہی کا فتنہ سب سے پہلے ملائے دہلوی مولوی اسمٰعیل نے ایک اعتراض کے جواب میں کھڑا کیا۔ واقعہ یوں ہے کہ قدیم زمانے سے مسلمانوں کا یہ اعتقاد چلا آرہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار مصطفےٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے مثل پیدا فرمایا ہے۔ حضور کا مثل ہونا محال ہے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اس اعتقاد کی مخالفت کرتے ہوئے یہ نیا عقیدہ پیدا کیا کہ سرکار مصطفےٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے مثل نہیں بلکہ سرکار جیسے سیکڑوں محمد پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس پر اس زمانے کے علمائے اسلام نے اعتراض کیا کہ حضور کا مثل کیونکر ممکن ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے حق میں فرما دیا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی پیارے مصطفےٰ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ تو اب حضور کا مثل ہرگز ممکن نہیں

توضیح اس مقام کی یہ ہے کہ ختم نبوت کا وصف شرکت قبول کرنے کی صلاحیت

نہیں رکھتا جس کا معنی یہ ہے کہ آخری نبی صرف ایک ہی شخص ہو سکتا ہے کسی دوسرے کا آخری نبی ہونا عقلاً محال بالذات ہے اب رہی یہ بات کہ وہ ایک شخص کون ہے جس کو ختم نبوت کا تاج پہنایا گیا تو اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے خبر دی کہ وہ ایک شخص پیارے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جنھیں آخری نبی بنایا گیا تو خود رب العزۃ جل جلالہٗ نے حضور کو خاتم النبیین کہہ کر خبر دے دی کہ میرے مصطفےٰ کا مثل ممکن نہیں بلکہ محال بالذات ہے۔ سابق علمائے اسلام نے یہی اعتراض مولوی اسمٰعیل دہلوی پر کیا کہ تم جو حضور کا مثل ممکن بتاتے ہو تو اس سے خبر الٰہی کا جھوٹا ہونا لازم آرہا ہے لیکن چونکہ خبر الٰہی کا جھوٹا ہونا بالاتفاق محال ہے ہرگز ممکن نہیں اس لئے سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل بھی ہرگز ممکن نہیں۔ اس اعتراض کے جواب میں ملا اسمٰعیل دہلوی نے امکان کذب الٰہی کا فتنہ کھڑا کیا اور مسلمانوں میں یہ کفری عقیدہ پھیلایا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے محال نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ من ذٰلک)

آیت کریمہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے بارے میں ملا دہلوی نے یہ جواب دیا بعد اخبار ممکن ست کہ ایشاں را فراموش گردانیدہ شود پس قول بامکان وجود مثل اصلاً منجر بتکذیب نصے از نصوص نہ گردد۔ یکروزی بحوالہ سبحٰن السبوح ص ۷۶

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو آیت کریمہ میں حضور کے خاتم الانبیاء ہونے کی خبر دی ہے تو اس خبر دینے کے بعد ممکن ہے کہ یہ آیت لوگوں کو بھلا دی جائے لہٰذا حضور کا مثل پائے جانے کو ممکن کہنا اس سے کسی آیت قرآن کو جھٹلانا لازم نہیں آتا۔ ملائے دہلوی کے جواب کا معنی یہ ہے کہ جب سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل پیدا ہوگا تو اس وقت اللہ تعالیٰ خاتم النبیین والی آیت کریمہ لوگوں کے دل سے بھلا دے گا اور جب آیت کریمہ کسی کو یاد ہی نہ رہ جائے گی تو خبر الٰہی کو کون جھٹلائے گا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ امام وہابیہ مولوی اسمٰعیل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی خبر

جھوٹا ہونا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہاں اس بات میں حرج ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کے کذب پر آگاہ ہو جائیں اس حرج سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ قرآن کی آیتوں کو بندوں کے دل سے بھلا دے گا معاذ اللہ رب العلمین یہ ہے باطل کفری عقیدہ وہابیوں کا۔

مسلمان کہلانے کا تقاضا تو یہ تھا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت پر حملہ نہ کرتے اور اس بات پر ایمان لاتے کہ ختم نبوت کے وصف میں سرکار کا مثل ونظیر محال بالذات ہے لیکن وہ اگر شیطان کے بہکانے سے بہک گئے تھے تو علمائے اسلام کے ٹوکنے پر تو ان کو سنبھل ہی جانا چاہیے تھا مگر برا ہو پندار علم کا جس نے ان کو ایک دوسرے کفری عقیدہ کی طرف ڈھکیل دیا۔ یعنی امکان نظیر کے اعتقاد باطل نے ان کو امکان کذب الٰہی کا معتقد بنا دیا چنانچہ انھوں نے خاص مسئلہ امکان کذب کے ثبوت میں ایک کتاب یکروزی لکھ کر امت میں ایک فتنۂ عظیم کھڑا کر دیا۔ اس کتاب کے دلائل کا حال یہ ہے کہ جس طرح ایک جھوٹی بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے دسوں جھوٹ گڑھنا پڑتا ہے ٹھیک اسی طرح اللہ رب العزۃ کا کذب ثابت کرنے کے لئے ان کو ایسی دلیلیں گڑھنی پڑیں جو سیکڑوں کفریات کا پٹارا ہیں جس کو اس کا مشاہدہ کرنا ہو وہ سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقدس تصنیف سبحٰن السبوح ص ۳۳ تا ص ۴۹ کا مطالعہ کرے۔

بہت سے سادہ لوح حضرات کا گمان ہے کہ سنیت اور وہابیت کے درمیان صرف چند فروعی امور میں اختلاف ہے لیکن یہ گمان شدید غلط ہے کیونکہ سنیت وہابیت کا اختلاف فروعی امور میں ہونے کے ساتھ ساتھ بنیادی مسائل میں بھی ہے یہاں تک کہ خود ایمان باللہ کے مسئلہ میں ہمارا اور وہابیوں کا شدید بنیادی اختلاف

ہے چنانچہ ہم اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کا صدق ازلاً وابداً واجب ہے لہٰذا اس کا کذب ممکن نہیں بلکہ محال بالذات ہے اور وہابی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہے لہٰذا صدق واجب نہیں، اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ وجوب صدق کا عقیدہ اور امکان کذب کا عقیدہ ان دونوں میں قطعی بنیادی اختلاف ہے اس لئے ثابت ہوگیا کہ ایمان باللہ کے مسئلہ میں ہمارا اور وہابیوں کا سنگین بنیادی اختلاف ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان ہے اس کا فطری طور پر یہ عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزۃ جل جلالہٗ کا جھوٹا ہونا ہرگز ہرگز ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ازلاً صادق رہا اور ہے اور ابد تک صادق رہے گا تو کذب کے امکان کی جڑ تو یہیں سے کٹ گئی لیکن چونکہ وہابیوں نے اسلامی عقیدہ کے نام سے مسلمانوں میں یہ فتنہ پھیلا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹا تو نہیں مگر اس کا جھوٹا ہونا ممکن ہے اس لئے ہم عام طور پر مسلمانوں کے اطمینان کی خاطر عقائد اسلامیہ کی قدیم کتابوں سے چند حوالے ذیل میں تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ شرح مقاصد میں ہے الکذب محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالیٰ محال (بحوالہ سبحٰن السبوح صفحہ) یعنی اللہ تعالیٰ کا کذب باجماع علماء محال ہے اس لئے کہ وہ باتفاق عقلاء عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

۲۔ شرح عقائد نسفی میں ہے کذب کلام اللہ تعالیٰ محال (بحوالہ سبحٰن السبوح صفحہ) یعنی کلام الٰہی کا جھوٹا ہونا ممکن نہیں۔

۳۔ طوالع الانوار میں ہے الکذب نقص والنقص علی اللہ تعالیٰ محال (سبحٰن السبوح صفحہ) یعنی جھوٹ عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

۴۔ مواقف کی بحث کلام میں ہے انہ تعالیٰ یمتنع علیہ الکذب اتفاقا اما عند المعتزلۃ فلان الکذب قبیح وھو سبحانہ تعالیٰ لا یفعل القبیح، واما عندنا فلانہ نقص والنقص علی اللہ تعالیٰ محال اجماعا (سبحٰن السبوح صفحہ) یعنی اہل سنت اور معتزلہ سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممکن نہیں محال ہے۔ معتزلہ تو اس لئے محال کہتے ہیں کہ جھوٹ برا ہے اور اللہ تعالیٰ برا فعل نہیں کرتا اور ہم اہل سنت کے نزدیک اس دلیل سے ناممکن ہے کہ جھوٹ عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالیٰ پر بالاجماع محال ہے۔

۵۔ امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد علیہ الرحمہ مسایرہ میں فرماتے ہیں یستحیل علیہ تعالیٰ سمات النقص کالجھل والکذب (سبحٰن السبوح صفحہ) یعنی جتنی نشانیاں عیب کی ہیں جیسے جہل وکذب وہ سب اللہ تعالیٰ پر محال ہیں۔

۶۔ علامہ کمال الدین محمد بن محمد بن ابی شریف مسامرہ میں فرماتے ہیں لا خلاف بین الاشعریۃ وغیرھم فی ان کل ما کان وصف نقص فالباری تعالیٰ عنہ منزہ وھو محال علیہ تعالیٰ والکذب وصف نقص (سبحٰن السبوح صفحہ) یعنی اشاعرہ اور غیر اشاعرہ کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ جو کچھ صفت عیب ہے باری تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ممکن نہیں اور کذب صفت عیب ہے۔

۷۔ کنز الفوائد میں ہے تقدس شانہ عن الکذب شرعاً وعقلاً اذ ھو قبیح یدرک العقل قبحہ من غیر توقف علی شرع فیکون محالا فی حقہ تعالیٰ عقلا وشرعا کما حققہ ابن الھمام وغیرہ (سبحٰن السبوح صفحہ) یعنی بحکم شرع وبحکم عقل ہر طرح اللہ تعالیٰ کذب سے پاک مانا گیا ہے اس لئے کہ کذب قبح عقلی ہے کہ خود عقل بھی اس کے قبح کو مانتی ہے بغیر اس کے کہ اس کا پہچاننا شرع پر موقوف ہو تو جھوٹ بولنا اللہ تعالیٰ کے حق میں عقلاً اور شرعاً ہر طرح محال ہے جیسا کہ امام ابن الھمام وغیرہ نے اس مسئلہ کی تحقیق افادہ فرمائی۔

علامہ جلال دوانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں الکذب علیہ تعالیٰ محال لاتشملہ القدرۃ (سبحٰن السبوح ص) یعنی اللہ تعالیٰ کا جھوٹا ہونا محال ہے قدرت الٰہی میں داخل نہیں

۸۔ شرح عقائد جلالی میں ہے الکذب نقص والنقص علیہ محال فلایکون من الممکنات ولاتشملہ القدرۃ کسائر وجوہ النقص علیہ تعالیٰ کالجہل والعجز (سبحٰن السبوح ص۳۳) جھوٹ عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال تو اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممکن نہیں نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اسے شامل جیسے تمام اسباب عیب مثل جہل و عجز الٰہی کہ سب محال ہیں اور صلاحیت قدرت سے خارج

ہم اختصار کی خاطر اتنے ہی حوالوں پر بس کرتے ہیں جس کو مزید بائیس نصوص آئمہ اور تیس دلیل قاہر دیکھنے کا شوق ہو وہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف سبحٰن السبوح کا مطالعہ کرے۔ وہابی اپنے عقیدۂ امکان کذب کی حمایت میں جن مغالطہ آمیز دلائل سے کام لیتے ہیں ذیل میں ان کا بطلان پیش کیا جارہا ہے۔

۱۔ امکان کذب کے ثبوت میں عام وہابی دیوبندی یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور چونکہ جھوٹ بھی ایک چیز ہے لہٰذا وہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے اور جب جھوٹ بولنے پر قادر ہے تو اس کے لئے جھوٹ بولنا ممکن ہوا۔

جواب۔ جب وہابیوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے تو ہوسکتا ہے کہ اس کا پہلا جھوٹ یہی کلام یعنی اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط ہو تو پھر اس کلام کو دلیل میں پیش کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔ دوسرا فولادی تحقیقی جواب یہ ہے کہ کذب الٰہی عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالیٰ کے لئے محال بالذات ہے لہٰذا کذب الٰہی محال بالذات ہے اور کوئی محال بالذات ممکن نہیں ثابت ہوا کہ کذب الٰہی ممکن نہیں۔ پھر ذات باری تعالیٰ کو جھوٹ پر قادر کہنا یہ وہابیوں کا سخت ترین مغالطہ ہے کیونکہ کذب الٰہی محال بالذات ہے اور کوئی محال

بالذات زیر قدرت نہیں لہٰذا کذب الٰہی زیر قدرت نہیں تو پھر کذب الٰہی کو زیر قدرت بتاکر امکان کذب کو ثابت کرنا دجل و فریب نہیں تو اور کیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ مفہوم کی تین قسم ہے واجب، ممکن، محال

واجب۔ وہ مفہوم ہے جس کا وجود ضروری ہو جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات

ممکن۔ وہ مفہوم ہے جس کا نہ وجود ضروری ہو نہ عدم مثلاً عالم اور عالم کی چیزیں۔

محال۔ وہ مفہوم ہے جس کا عدم ضروری ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا کذب، جہل، عجز اور جیسے دوسرا خدا ہونا۔

واضح ہو کہ زیر قدرت الٰہی صرف ممکنات ہیں۔ واجب اور محال زیر قدرت نہیں شرح مقاصد میں ہے لاشئی من الواجب والممتنع بمقدور (سبحٰن السبوح ص) یعنی واجب اور محال ہرگز زیر قدرت نہیں۔ شرح مواقف میں ہے۔ علمہ تعالیٰ یعم المفہومات کلہا الممکنۃ والواجبۃ والممتنعۃ فہو اعم من القدرۃ لانہا تختص بالممکنات دون الواجبات والممتنعات (سبحٰن السبوح ص) یعنی علم الٰہی ممکن، واجب اور محال سب مفہوم کو شامل ہے تو وہ قدرت الٰہی سے عام ہے کیونکہ قدرت الٰہی صرف ممکنات ہی سے متعلق ہے واجبات اور محالات سے اس کو کوئی تعلق نہیں

حوالجات مذکور بالا سے واضح ہوگیا کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط میں کل شیء سے مراد کل ممکن ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا محال ہے تو وہ زیر قدرت نہیں اور جب وہ زیر قدرت نہیں تو ہرگز ممکن نہیں اب ہم اس مقام پر وہابیوں سے اُن کے اس مغالطہ آمیز استدلال کے پیش نظر ایک سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے یا نہیں کہ شیطان کو وہابیوں کا خدا بنادے اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ قادر نہیں تو تم ان اللہ علی کل شیء قدیر کا انکار کرکے

کھلم کھلا کافر ہو گئے اور اگر کہو کہ شیطان، قدرت الٰہی سے وہابیوں کا خدا ہو سکتا ہے تو تم وحدانیت کا انکار کر کے کھلے عام مرتد ہو گئے۔ بولو! ہے کوئی وہابیوں میں دم خم والا جو وہابی مذہب کو برقرار رکھتے ہوئے اس سوال کا جواب دے سکے۔ (۲) وہابی کہتے ہیں کہ انسان کو جھوٹ بولنے پر قدرت ہے تو اگر اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہو تو قدرت انسانی، قدرت ربانی سے بڑھ جائے گی اور یہ محال ہے کہ قدرت انسانی، قدرت ربانی سے بڑھ جائے۔ لہذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جھوٹ بولنا ممکن ہے۔

جواب اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی تم اور جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اہل سنت کا ایمان ہے کہ انسان اور اس کے تمام اعمال، اقوال، احوال، اوصاف سب اللہ عزوجل کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ انسان کو صرف کسب پر ایک گونہ اختیار ملا ہے لیکن اس کے سارے کام مولیٰ عزوجل ہی کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں۔ آدمی کی کیا طاقت کہ بے ارادہ الٰہی کے پلک مار سکے۔ انسان کا صدق و کذب، کفر و ایمان، طاعت و عصیان جو کچھ ہے سب کو اسی قادر مطلق جل جلالہٗ نے پیدا کیا ہے تو جب انسان کا جھوٹ بولنا، کفر کرنا، فسق کرنا، بندگی کرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے واقع ہوتا ہے تو پھر قدرت ربانی سے قدرت انسانی کیونکر بڑھ سکتی ہے اور رہی یہ بات کہ اگر کذب الٰہی پر خدائے تعالیٰ قادر نہ ہوگا تو قدرت ربانی گھٹ جائے گی تو ایسا سوچنا صرف بددماغ وہابی کا کام ہو سکتا ہے اس لئے کہ کذب الٰہی محال اور غیر ممکن ہے اور کوئی محال زیر قدرت نہیں اور کذب الٰہی جب زیر قدرت نہیں تو قدرت گھٹنے کی کیا بات ہے؟

اس مقام پر پھر ہم وہابیوں سے ایک سوال کرتے ہیں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ بہت سے انسان اس بات پر قادر ہیں کہ وہ پتھر کی مورتی بنا کر اس کو اپنا معبود قرار دیں اور صبح شام

اس کی پوجا کریں تو اگر خدا پتھر کی مورتی کو اپنا معبود قرار دے کر صبح و شام اس کی پوجا پر قادر نہ ہو تو قدرت انسانی، قدرت ربانی سے بڑھ جائے گی اور چونکہ قدرت انسانی کا قدرت ربانی سے بڑھ جانا محال ہے لہذا ثابت ہوا کہ خدا کا پتھر کی مورتی کو اپنا معبود قرار دینا ممکن ہے۔ بولو! ہے کوئی وہابیوں میں ہمت والا جو وہابی مذہب کو باقی رکھتے ہوئے اس ممکن کو ختم کر دے۔

۳۔ وہابی کہتے ہیں کہ متکلمین کے نزدیک یہ قاعدہ کلیہ مسلّم ہے کہ کل ما ھو مقدور للعبد مقدور للّٰہ یعنی ہر وہ کام جو بندہ اپنے لئے کر سکتا ہے خدا بھی اپنے لئے کر سکتا ہے تو جب آدمی جھوٹ بول سکتا ہے تو خدا بھی جھوٹ بول سکتا ہے کیونکہ اگر خدا جھوٹ نہ بول سکے تو ایک کام ایسا نکلا کہ آدمی تو کر سکتا ہے اور خدا نہیں کر سکتا اور یہ ظاہر بات ہے کہ خدا کی قدرت بے انتہا ہے لہذا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس کام کو آدمی کر سکے اسے خدا نہ کر سکے اس لئے ثابت ہوا کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے اس کا جھوٹا ہونا ممکن ہے۔

جواب مَعَاذَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ بیشک قاعدہ کلیہ حق ہے لیکن وہابی اس کے جو معنی بیان کرتے ہیں وہ صریح غلط ہونے کے ساتھ کھلا کفر بھی ہے قاعدہ کلیہ کا صحیح معنی یہ ہے کہ بندہ جس چیز کے کسب پر قادر ہے اللہ تعالیٰ اس کے پیدا کرنے پر قادر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بندہ کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے خلق و ایجاد ہی سے واقع ہوتا ہے محترم قارئین بھی ملاحظہ فرمائیں کہ قاعدہ کلیہ کو امکان کذب سے کیا تعلق ہے! لیکن جب وہابیوں کے نزدیک یہ طے ہے کہ ہر وہ کام جو بندہ اپنے لئے کر سکتا ہے خدا بھی اپنے لئے کر سکتا ہے تو ان کے مذہب پر لازم آتا ہے کہ

(الف) انسان قادر ہے کہ اپنے خدا کی تسبیح کرے تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خدا بھی قادر ہو کہ اپنے خدا کی تسبیح کرے ورنہ ایک کام ایسا نکلا کہ بندہ تو کر سکے اور خدا نہ کر سکے۔

(ب) آدمی قادر ہے کہ اپنی ماں کی تواضع و خدمت کے لئے اس کے تلووں پر اپنی آنکھیں ملے اپنے باپ کی تعظیم کے لئے اس کے جوتے اپنے سر پر رکھ کر چلے تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خدا

بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ ایسی تعظیم و تواضع پر قادر ہو ورنہ ایک کام ایسا نکلا کہ بندہ تو کر سکے اور خدا نہ کر سکے۔

(ج) آدمی قادر ہے کہ پرایا مال چرا چھپا کر اپنے قبضہ میں کرلے تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خدا بھی دوسرے کی مملوک چیز چرا لینے پر قادر ہو ورنہ ایک کام ایسا نکلا کہ آدمی تو کر سکے اور خدا نہ کر سکے۔

(د) آدمی قادر ہے کہ اپنے خدا کی نافرمانی کرے تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خدا بھی اپنے خدا کی نافرمانی پر قادر ہو ورنہ ایک کام ایسا نکلا کہ آدمی تو کر سکے اور خدا نہ کر سکے

اب وہابی یا تو اقرار کریں کہ خدا کے لئے دوسرا خدا ہونا، اور خدا کے ماں باپ ہونا ممکن ہے ورنہ عقیدۂ امکانِ کذب الٰہی سے توبہ کریں

۴۔ ملا رشید احمد گنگوہی نے براہین قاطعہ ص۳ میں لکھا ہے کہ "امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں؟ رد المحتار میں ہے ص ح جوز الخلف فی الوعید فظاہر ما فی المواقف والمقاصد ان الاشاعرۃ قائلون بجوازہ پس اس پر طعن کرنا پہلے مشائخ پر طعن کرنا ہے اور اس پر تعجب کرنا محض لاعلمی اور امکان کذب، خلف وعید کی فرع ہے"

جواب۔ محترم قارئین پہلے آپ ملا گنگوہی کی مراد سمجھنے کی کوشش کریں واقعہ یوں ہے کہ ضلع سہارنپور کے حضرت مولانا عبد السمیع رامپوری نے امکان کذب کے خلاف اپنے صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے انوار ساطعہ میں لکھا تھا کہ "کوئی جناب باری عز اسمہ کو امکان کذب کا دھبا لگاتا ہے" ـــــ اس کے جواب میں گنگوہی جی فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کو بالا مکان جھوٹا کہنا یہ تو کوئی نئی بات نہیں اگلے زمانے کے بعض علمائے اسلام بھی تو خدا کے لئے جھوٹ بولنا ممکن مان گئے ہیں دیکھو اشاعرہ اہل سنت خلف وعید کے قائل ہیں، اور امکان کذب خلف وعید کی ایک قسم ہے لہذا امکان کذب پر اعتراض کرنا اگلے زمانے کے

علمائے دین پر اعتراض کرنا ہے ـــــ افسوس اور ہزار افسوس کہ گنگوہی جیسا وہابیوں کا شیخ ربانی جب اتنی سنگین افتراء سازی اور بہتان طرازی کر سکتا ہے تو چھوٹے چھوٹے وہابی ملاؤں کا کیا حال ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ باطل عقائد کا طرفدار خود اندھا ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنے جیسا اندھا سمجھتا ہے۔ بیشک اہل سنت کے بعض علماء خلف وعید کے ضرور قائل ہیں مگر اس کے ساتھ وہی علماء امکان کذب الٰہی کے عقیدہ کی سخت مخالفت کرتے ہیں پھر ان کو امکان کذب کا قائل بتانا کتنا سفید جھوٹ اور کس قدر سنگین بہتان ہے۔

جس مواقف میں ہے لا یعد الخلف فی الوعید نقصًا یعنی خلف وعید عیب نہیں شمار کیا جاتا اسی مواقف میں ہے انہ تعالٰی یمتنع علیہ الکذب اتفاقًا یعنی باری تعالیٰ کا کذب بالاتفاق محال ہے جس شرح طوالع میں ہے الخلف فی الوعید حسن یعنی خلف وعید و سزا معاف کر دینا، کیا اچھی بات ہے اسی شرح طوالع میں ہے الکذب علی اللہ تعالٰی محال یعنی اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے۔ جس علامہ جلال دوانی نے شرح عقائد جلالی میں لکھا کہ ذھب بعض العلماء الی ان الخلف فی الوعید جائز علی اللہ تعالٰی لا فی الوعد وبھذا وردت السنۃ یعنی بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ وعید میں خلف اللہ تعالیٰ پر جائز ہے نہ وعدہ میں اور یہی مضمون حدیث میں آیا وہی علامہ جلال تحریر کرتے ہیں الکذب علیہ تعالٰی محال لا تشملہ القدرۃ اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے قدرت الٰہی میں داخل نہیں [۵]

محترم قارئین ملاحظہ فرمائیں مذکورہ بالا حوالوں نے خوب واضح کر دیا کہ ملا گنگوہی کا اتہام غلط ہے اور خلف وعید کے قائل علماء کا دامن، عقیدۂ امکان کذب کی نجاست سے

---

[۵] اس میں راز یہ ہے کہ صدق و کذب خبر کی صفت ہے۔ اور وعید از قبیل خبر نہیں از قبیل انشاء ہے (دامجدی)

پاک وصاف ہے۔

۵۔ علماء وہابیہ کہتے ہیں کہ اگر جھوٹ پر خدا کی قدرت نہ مانی جائے تو خدا کا عجز لازم آئے گا اور وہ عجز سے پاک ہے لہذا جھوٹ بولنا اس کے لئے ممکن ہوا۔

جواب اللہ تعالیٰ کے حق میں جھوٹ محال ہے اور محال پر قدرت نہ ہونے سے عجز لازم نہیں آتا سیدنا علامہ عبد الغنی نابلسی اپنی کتاب مطالب وفیہ میں ابن حزم فاسد الوزم کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان العجز انما یکون لوکان القصور من ناحیۃ القدرۃ اما اذا کان لعدم قبول المستحیل تعلق القدرۃ خلایتوھم عاقل ان ھذا العجز (سبحن السبوح ص۳۸) یعنی عجز تو جب ہو کہ قصور قدرت کی طرف سے آئے اور جب وجہ یہ ہے کہ محال خود ہی تعلق قدرت کی قابلیت نہیں رکھتا تو اس سے کسی عاقل کو عجز کا وہم نہ گزرے گا۔

اس مقام پر پھر ہم وہابیوں سے ایک سوال کرتے ہیں۔ اگر شیطان کی پوجا کرنے پر وہابیہ کے خدا کی قدرت نہ مانی جائے تو اس کا عجز لازم آئے گا اور وہ عجز سے پاک ہے لہذا شیطان کی پوجا کرنا تمہارے خدا کے لئے ممکن ہوا۔ اب وہابی یا تو شیطان کو اپنے خدا کا معبود مانیں یا اپنے خدا کا عاجز ہونا تسلیم کریں۔

بحمدہٖ تعالیٰ ثم بعون رسولہ علیہ التحیۃ والثنا ہماری ان چند سطروں سے خوب ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں وجوب صدق کا عقیدہ رکھنے والے صادق اور امکان کذب کا اعتقاد رکھنے والے کاذب ہیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی اکرم خلقہٖ واعلم خلقہٖ و اول خلقہٖ وافضل خلقہٖ وخاتم انبیائہٖ وسید اصفیائہٖ محمد والہٖ وصحبہٖ وابنہٖ الغوث الاعظم الجیلانی البغدادی وشہید محبتہٖ المجدد الاعظم البریلوی اجمعین واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

حضرت علامہ مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی

بدعت کیا ہے؟

غلط تصورات ۱۳۶۲ھ میں ایک فتویٰ شائع ہوا جس میں مولود فاتحہ اور قیام وغیرہ امور خیر کو ناجائز، بدعت اور حرام کہا گیا۔ دلیل اس کی یہ دی گئی کہ یہ امور اس ہیئت کذائی کے ساتھ خیر القرون میں نہ تھے۔ نہ حضور کے زمانہ میں نہ تابعین کے نہ اماموں نے اس کا حکم دیا اس لئے یہ بدعت اور حدیث میں ہے کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ نئی چیزیں بدعت ہیں اور ہر بدعت ضلالت ہے۔

اس دلیل کے دو ٹکڑے ہیں (۱) مولود فاتحہ وغیرہ امور نئے اور بدعت ہیں (۲) ہر بدعت گمراہی ہے۔ دوسرا ٹکڑا تو حدیث شریف ہے لیکن پہلا ٹکڑا کہ مولود فاتحہ وغیرہ بدعت ہیں یہ نہ قرآن میں ہیں نہ حدیث میں نہ کسی صحابی یا امام کا قول کہ کسی پر حجت ہوتا۔ یہ تو بالکلیہ مولود فاتحہ کے مخالفین کا ایجاد بندہ ہے۔ اس لئے اس کو ہم ثابت کرنے کے لئے اتنی بات اور بڑھائی گئی کہ جو کام خیر القرون میں نہ ہو وہ بدعت ہے اور یہ کام بالکل اسی صورت میں خیر القرون میں نہ تھے اس لئے بدعت۔ پس ساری بحث کا مدار اس امر پر ہے کہ بدعت کیا ہے آیا وہی جو ان مخالفین میلاد وغیرہ کا قول ہے یا کچھ اور۔

یہاں پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ مولود فاتحہ وغیرہ نیا ضرور ہے کہ موجودہ

شکل وصورت میں بعد کی ایجاد ہے اور یہ حدیث اوپر مذکور ہوئی کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اس لئے مولود فاتحہ وغیرہ بھی بدعت ہوگا لیکن اگر یہ شبہ صحیح ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تراویح کی باقاعدہ جماعت قائم کی اور صحابہ نے اس کی بیس رکعتیں مقرر کیں کیا یہ فعل اور ان کے ہمعصر صحابہ اور وہ بدعتی اور گمراہ ہوں گے (معاذ اللہ رب العالمین)

انھیں خلیفۂ ثانی رضی اللہ عنہ نے مسجد کی توسیع تعمیر جدید کی پھر اس میں خوب روشنی اور چراغاں کیا۔ کیا یہ بدعتی ہوئے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان جمعہ کے دن مقام زوراء پر دلوائی کیا ذوالنورین کو بدعتی کہنے کی جرأت کسی میں ہے؟

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے علم اصول فقہ میں ایک کتاب ترتیب دے کر شائع کی۔ تفسیر کی کتابیں چھپوائیں۔ شیخ الکل مولوی نذیر حسین نے اسماء الرجال، علم اصول حدیث پڑھا پڑھایا اور آج کل کے سارے غیر مقلدین زیر وزبر لگا ہوا قرآن مجید چھپواتے شائع کرتے اور ہر ہر پارہ اور ہر سورۃ کی علامتیں الگ الگ لگواتے ہیں نئے قسم کے دینی مدرسے قائم کراتے اور دورۂ حدیث کا انتظام کرتے۔ انھیں پر بس نہیں یہ دیوبند کا دارالعلوم اس کا نصاب تعلیم یہ مہمات کے لئے ختم بخاری کا ورد وغیرہ وغیرہ بے شمار امور ہیں جس میں بلا امتیاز ہر کلمہ گو شریک ہے تو کیا سب بھی بدعت اور سارا اسلامی گروہ بدعتی اور گمراہ ہے اگر نہیں تو مولود فاتحہ نے کیا قصور کیا کہ وہ تو نیا ہو کر بدعت قرار پائے کتاب فقہ محمدی، آل انڈیا جماعت اہل حدیث اور اس کی کانفرنسیں اور اس کا اہتمام بدعت نہ ہو؟ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ بدعت کی صحیح تعریف محقق ہو جائے۔

اس امر کی تحقیق مولوی عبدالسمیع صاحب مرحوم ومغفور نے اپنی کتاب انوار ساطعہ میں بڑی تفصیل سے ذکر کی جس کو وہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعت کے بارے میں پانچ نظریئے ہیں۔ چار وقت کی بنیاد پر جو غلط ہیں اور ایک موافقت وعدم موافقت کی بنیاد پر جو صحیح اور درست ہے (۱) جو چیز قرون ثلثہ (صحابہ تابعین، تبع تابعین) کے زمانہ میں ایجاد ہوں وہ سنت میں داخل اور جو اس کے بعد ہو بدعت وضلالت (۲) صحابہ وتابعین کے زمانہ میں جو ایجاد ہو وہ جائز اور جو اس کے بعد ہو وہ بدعت وگمراہی۔ (۳) صرف صحابہ کی ایجادیں بھی بدعت صرف حضور کے افعال واقوال وغیرہ سنت (۵) جو امور دلائل شرعیہ کے خلاف ہو کسی زمانہ میں ایجاد ہوں کوئی موجد ہو بدعت سیئہ اور جو چیزیں ان کے خلاف نہ ہوں وہ جائز ودرست۔

اب ہم نمونۃً سب سے پہلے قول کا جائزہ لیتے ہیں جس سے بقیہ تین قولوں کی سخافت بھی نمایاں ہو جائے گی۔ یہ "دعویٰ کی "جو چیزیں قرون ثلاثہ میں ایجاد ہو وہ سنت اور جو اس کے بعد ہو وہ بدعت" اس پر سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ جب ہر چیز کا ثبوت آپ قرآن وحدیث، اقوال صحابہ، آئمہ مجتہدین سے طلب کرتے ہیں تو آپ خود اپنے اس قول کی سند لائیے کیا یہ کسی حدیث کے الفاظ ہیں؟ کیا قرآن عظیم کی یہ کوئی آیت ہے؟ اچھا کیا صحابہ اور آئمہ مجتہدین میں سے کسی کا قول دکھا سکتے ہیں کہ انھوں نے بدعت کی یہ تعریف کی ہے۔ اگر نہیں تو پھر کس طرح اس دعوے بے دلیل کو دوسروں کے سر تھوپتے ہو؟ اور کس منہ سے مولود فاتحہ، گیارھویں وغیرہ کے لئے قرآن وحدیث، اقوال صحابہ وآئمہ کی تصریح چاہتے ہو؟ کیا ساری پابندیاں ہمارے

ہی لئے ہیں تمہارے ذمہ کچھ نہیں جو منہ سے کہدو قرآن وحدیث۔

العرض نہ تو کوئی آیت نہ کوئی حدیث نہ کسی صحابہ کا قول نہ حکم ائمہ مجتہدین مگر اصرار یہ کہ ہر اس چیز کو بدعت تسلیم کرلو جو قرون ثلثہ ہیئت کذائی نہ رہے ہوں۔ بہت کچھ مطالبہ کے بعد اس امر کی جو دلیل دی گئی وہ یہ حدیث ہے۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔

سب سے اچھا میرا زمانہ پھر ان لوگوں کا جو مجھ سے ملے ہیں، پھر ان کا جو ان سے ملے ہیں پھر ان کا جو ان سے ملے ہیں اولاً ہر عربی خواں اور ترجمے کے بعد ہر اردو داں یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس حدیث کو اصل مدعا سے کوئی علاقہ نہیں۔ دعویٰ تو یہ کہ جو امر ان تین زمانوں میں ایجاد ہو وہ سنت ہے اور جو اس کے بعد ہو وہ بدعت ہے اور دلیل یہ کہ "سب سے اچھا میرا زمانہ اور اس کے بعد جو لوگ ہیں ان کا زمانہ پھر جو لوگ ان کے بعد ہیں ان کا زمانہ" اب اس حدیث کے کس لفظ کا مطلب ہے جو ان تینوں زمانہ میں ہو وہ سنت اور جو بعد میں ہو وہ بدعت اگر نہیں ہے تو اس حدیث سے یہ دعویٰ کس طرح ثابت ہوگا۔ حدیث میں تو صرف یہ بیان ہے کہ میرا اور میرے بعد تین زمانہ اچھا ہے تو کیا اچھے زمانہ میں جو بات ہوتی ہے سب اچھی ہوتی ہے۔ آخر حضور کے ہی زمانہ میں منافقین بھی تھے تو وہ بھی اچھے تھے؟ اچھے لوگ جتنا کام کرتے ہیں سب اچھا ہی ہوتا ہے حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی لڑائیاں سب سنت ہونگی۔

پھر اس حدیث میں راوی کو خود شک ہے کہ حضور نے دو مرتبہ قرن کا لفظ فرمایا یا تین مرتبہ اگر دو دفعہ والی روایت مانی جائے تو قرون ثلثہ کے دعویٰ کا پتہ نہ چلے حالانکہ پہلے قول والے یہی کہتے ہیں پھر قرن کے معنی زمانہ

ہیں۔ ایک قرن کتنے برس کا ہوتا ہے خود اس میں بیحد اختلاف ہے کوئی سنہ ۳۵ھ تک قرون ثلثہ کو ختم مانتا ہے تو کوئی سنہ ۲۲۰ھ تک پس اگر سنہ ۳۵ھ تک لیجئے تو اس کے بعد صحابہ کی ایجادیں ہی بدعت ٹھہرتی ہیں اور سنہ ۲۲۰ھ تک سنت اس تقدیر پر رفض و خروج، جبر و قدر تمام گمراہ فرقے سنی ہونگے کہ سب سنہ ۲۲۰ھ کے اندر اندر کے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ حدیث کسی طرح بھی پہلے قول والوں کی تائید نہیں کرتی۔ طرفہ یہ کہ اگر اس حدیث کا آنکھ بند کرکے وہی مطلب مان لیا جائے جو یہ لوگ سمجھانا چاہتے ہیں تو صرف یہ ثابت ہوگا کہ جو اس زمانہ میں ہو وہ سنت لیکن جو اس کے بعد ہو وہ بدعت اس کا اب بھی کوئی ثبوت نہیں یہ اب بھی بلا دلیل ہے۔

بقیہ تینوں اقوال کا بھی یہی حال ہے کہ وہ باہم متعارض چوتھا تیسرے کو اور دوسرا پہلے کو اس طرح ایک صحیح ہو تو دوسرا باطل کیوں کہ اسکی بنیاد ہی غلط ہے کہ دار و مدار وقت ہے۔ پھر ان میں کتنی جرأت بے باکی ہے کہ اسکی بنیاد پر چاروں ائمہ تو ائمہ تابعین بلکہ صحابہ تک بدعتی اور گمراہ اور دین سے بھٹکے ہوئے نظر آتے ہیں جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہے کہ ان میں بہتوں نے ہر زمانہ میں کچھ ایسے دینی امور ایجاد کئے جو زمانہ ماسبق میں ایسی ہیئت کے ساتھ موجود نہ تھے۔

یہی پریشان کن صورت حال ہے جو مولود فاتحہ وغیرہ امور خیر کو بدعت کہکر اور کہنے والوں کو درپیش ہے کہ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے مولود فاتحہ وغیرہ تو بدعت قرار پائیں اور بنائے مدارس، ترتیب نصاب تعلیم دینی احادیث کریمہ کی کتابوں کو اس طرح شائع کرنا وہ بھی شروح و حواشی کے ساتھ، فقہ کی کتابوں کا لکھنا، قرآن شریف کے اعراب وغیرہ تنظیم جماعت اہل حدیث وغیرہ

باہیں ہیئت کذائی بے شمار دینی امور بدعت نہ ہوں۔ جب کبھی انھوں نے مولود فاتحہ کو بدعت کہا ان سے ان کا ثبوت طلب کیا گیا انھوں نے وہی حدیث کل بدعۃ ضلالۃ اور خیر القرون قرنی دُہرائی۔ پس ان سے سوال ہوا اگر یہی بنیاد بدعت ہونے نہ ہونے کی ہے تو یہ سارے امور جن کو آپ رات دن ثواب جان کر کرتے ہیں یہ کیوں بدعت نہیں حالانکہ یہ سب نو ایجاد اور قرون ثلثہ کے بعد کے ہیں اور مرجیہ، جبریہ۔ قدریہ وغیرہ گمراہ کیوں ہیں سنت نہیں جبکہ وہ قرون ثلثہ کے اندر کے ہیں۔

بدعت کی تحقیق | احادیث کریمہ میں لفظ بدعت دونوں طرح مستعمل ہوا ہے کہیں وصف ضلالت کے ساتھ تو کہیں وصف حسن ونعم کے ساتھ۔ ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ لایرضاھا اللہ ورسولہ کان علیہ من الاثم (مشکوٰۃ ص۳۰ اصح المطابع)

ترجمہ:۔ جس نے بدعت ضلالت ایجاد کی جسے اللہ ورسول پسند نہ کرتے ہوں اس پر گناہ ہوگا۔

ملا علی قاری علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

قید بہ الاخراج البدعۃ الحسنۃ۔ بدعت ضلالت کی قید بدعت حسنہ کو اس حکم سے نکالنے کے لئے ہے۔

یہاں بدعت کا لفظ ضلالت کے ساتھ متصف ہے۔ اسی مشکوٰۃ ص۱۱۵ پر ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے تراویح کی نماز باجماعت قائم کرائی اور فرمایا نعمت البدعۃ ھذہ یہاں لفظ بدعت کلمہ نعمت کے ساتھ متصف ہے

جس کے معنی تعریف وتحسین ہے، ان حدیثوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بدعت کی دو قسم ہے۔ بدعت ضلالت اور بدعت حسن اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعریف میں وقت اور زمانہ کی قید ایک گورکھ دھندا ہے جس کو حقیقت سے کچھ علاقہ نہیں۔ حضرت عمر نے اپنی ایجاد کو بدعت کہا یہ الگ بات ہے کہ اس کو بدعت حسن کہا۔

بدعت کی یہ دو قسمیں مختلف علمائے اعلام واامامان ذوی الاحترام سے مروی ہیں۔ امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی

ما احدث وخالف کتابًا اوسنۃ اواجماعا اواثرا فھو البدعۃ الضلالۃ وما احدث من الخیر ولم یخالف من ذالک فھو البدعۃ المحمودۃ (بحوالہ انوار ساطعہ ص۲۰)	جو نو ایجاد ہو اور کتاب وسنت اجماع است یا آثار صحابہ کے خلاف ہو بدعت ضلالۃ ہے اور جو بھلائی ایجاد ہوئی اور مذکورہ بالا اشیاء کے مخالف نہ ہو وہ بدعت محمودہ ہے۔

امام غزالی رضی اللہ عنہ احیاء العلوم شریف جلد اول و دوم میں علی الترتیب فرماتے ہیں۔

لایمنع ذالک کونہ محدثا فکم من محدث حسن (جلد اول)	کسی چیز کا نو ایجاد ہونا بدعت نہیں کتنے نو ایجاد امور خیر احسن ہیں۔
انما المحذور بدعۃ تراغم سنۃ ماموراً بہا (جلد دوم)	ممنوع وہ بدعت ہے جو کسی سنت کے خلاف ہو۔

شیخ عزیز الدین بن عبد السلام اپنی کتاب القواعد میں فرماتے ہیں۔

البدعۃ اما واجبۃ کتدوین	بدعت یا تو واجب ہے جیسے اصول فقہ

اصول الفقه والکلام فی الجرح والتعدیل واما محرمة کمذهب الجبریة والقدریة واما مندوبة کاحداث المدارس وکل احسان لم یکن فی العهد الاول واما مکروهة کزخرفة المساجد یعنی عند الشافعی اما عند الحنفیة فمباح واما مباحة کالتوسع فی لذیذ الماکل والمشارب

کو مدون کرنا یا علم جرح وتعدیل میں کام کرنا یا حرام ہے جیسے جبریہ اور قدریہ کا مذہب یا مستحب ہے جیسے مدرسہ بنانا اور ہر وہ اچھا کام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نہ تھا یا تو مکروہ ہے جیسے مساجد کی تزئین شافعیہ کے ہاں حنفیوں کے یہاں یہ امر مباح ہے یا بدعت مباح ہے جیسے عمدہ اور لذیذ کھانوں میں وسعت پیدا کرنا۔

اور بدعت ضلالہ وحسن کی یہ تعریفیں احادیث صحیحہ سے ماخوذ ہیں مشکوٰۃ صـ۲۷ میں بخاری اور مسلم کے حوالہ سے ہے۔

من احدث فی امرنا ما لیس منه فهو رد۔

جس نے ایجاد کیا ہمارے دین میں وہ چیز جو اس سے نہیں وہ مردود ہے۔

اس حدیث کی شرح میں صاحب مرقات فرماتے ہیں۔

والمعنی ان من احدث فی الاسلام رایا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاهر او خفی او مستنبط فهو مردود

معنی یہ ہیں کہ جس نے اسلام میں ایسی رائے ایجاد کی جس کے لئے کتاب وسنت کی ظاہری دلیل یا پوشیدہ دلیل یا اخذ کردہ دلیل نہ ہو تو وہ مردود ہے

(مرقات جلد اول صـ۱۷۷)

یہ حدیث اور اس کی شرح سے بدعت سیئہ کی کتنی واضح، صاف، ستھری

بے داغ تعریف ظاہر ہو گئی لوگ اس کو چھوڑ کر نہ جانے کہاں کہاں مارے مارے پھرتے ہیں

اور یہی حدیث اس امر پر بھی روشنی ڈال رہی ہے کہ وہ نو ایجاد چیز جس کی دلیل شرع میں ہو وہ جائز ہے چاہے جب ایجاد ہو اور یہی بدعت حسن ہے اسی لئے حدیث کے لفظ ما لیس منه کی شرح میں آیا ہے۔

فیه اشارة الی ان احداث ما لا ینازع الکتاب السنة لیس بمذموم

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو چیز کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو اس کا ایجاد کرنا برا نہیں ہے۔

اور یہ بدعت حسنہ نہ صرف یہ کہ شرعاً مذموم نہیں بلکہ شریعت مطہرہ کی طرف سے اسے کرنے کا حکم اور اس پر اجر و ثواب کا وعدہ ہے اسی مشکوٰۃ صـ۳۳ میں ہے،

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من غیر ان ینقص من اجورهم شیء

جس نے نکالا اسلام میں کوئی اچھا طریقہ تو اس کا ثواب ملیگا اور اس پر عمل کرنیوالوں کا ثواب بھی ملے گا اور کسی کا ثواب کم نہ ہوگا۔

امام نووی اپنی شرح جلد دوم صـ۳۴۱ میں فرماتے ہیں

ان دعی الی الهدی کان له مثل اجور تابعیه او الی الضلالة کان علیه مثل آثام تابعیه سواء کان ذالك الهدی او الضلالة هو الذی ابتدأه

اگر کسی نیکی کی طرف بلایا تو اس نیکی پر عمل کرنے والوں کا ثواب بھی اسکو ملے گا اور گمراہی کی طرف بلایا تو اسکی پیروی کرنیوالوں کا گناہ بھی اسکو ملے گا۔ اب وہ گمراہی یا ہدایت خود

ام کان مسبوقا الیہ وسواء کان ذالک تعلیم علم او عبادۃ او آداب او غیر ذالک

اسی کی ایجاد کردہ ہو یا اس کا وجود اس سے پہلے ہو چکا ہے پھر وہ فعل بھی عام ہے کہ از قسم علم یا از قسم عبادت ہو یا آداب وغیرہ ہو۔

الغرض ان حدیثوں، ان کی شروح اور تشریحات علمائے اعلام کا واضح اعلان یہی ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں "بدعت سیئہ" "بدعت حسنہ" بدعت سیئہ وہ نو ایجاد چیز ہے جس کے لئے کتاب و سنت سے ظاہری یا پوشیدہ یا ماخوذ کسی قسم کی کوئی سند نہ ہو بلکہ جو سنت کو ڈھانے والی ہو اور بدعت حسنہ وہ نو ایجاد امور ہیں جن کے لئے کتاب و سنت سے ظاہر یا خفی یا ماخوذ کوئی سند بھی دی جا سکے اس میں کسی زمانہ کی شرط نہیں کہ کب کی ایجاد ہے اور کب کی نہ ہو۔

وہ لوگ جو اس امر کے قائل ہیں جو نئے کام قرون ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ پائے گئے وہ بدعت اس کے برخلاف وہ کام جو اس زمانہ میں صحابہ یا تابعین نے کئے اور ایجاد فرمائے وہ سب سنت ان کے لئے یہ ایک بڑی زحمت ہوگی کہ ایاکم ومحدثات الامور اور اس قسم کی وہ تمام احادیث جس میں بدعت سے اجتناب کا حکم آیا ہے کسی کے مخاطب صحابہ و تابعین نہ ہوں گے کیونکہ انکی ساری ایجادیں تو سنت ہی ہیں (معاذ اللہ) حضور نے خواہ مخواہ ہی ان کو بار بار اس سے روکا تہدید فرمائی حالانکہ وہ کرنا بھی چاہیں تو بدعت کر نہیں سکتے کہ ان کے سب افعال تو سنت قرار پا چکے یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے مدعیان علم تحقیق کے خیالات بھی پیش کر دیئے جائیں کہ وہ بدعت و سنت کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں تاکہ حق و نقاب مہر نیمروز کی طرح دمکنے لگے۔

غیر مقلد مولوی عبد اللہ رحمانی اپنی شرح موسوم بہ مرعات جلد اول ص۱۳۲ میں لکھتے ہیں۔

المراد بہا ما احدث من الاعتقاد والقول والفعل ولیس لہ اصل فی الشرع ولیسمی فی عرف الشرع بدعۃ وما کان لہ الاصل فی الشرع فلیس ببدعۃ کتفسیر القرآن وکتابۃ الحدیث

اس سے مراد وہ اقوال اور افعال اور اعتقادات ہیں جو نو ایجاد ہوں اور ان کی اصل شریعت میں نہ ہو اور اسی کو عرف شرع میں بدعت کہا جاتا ہے۔ اور جن امور کی اصل ہو وہ بدعت نہیں جیسے قرآن کی تفسیر اور حدیث کی تحریر

اسی میں چند سطر اوپر حدیث (من احدث فی امرنا) کی شرح میں ہے۔

ان من احدث فی الاسلام رایا لم یکن لہ من الکتاب والسنۃ سند ظاہر او خفی ملفوظ او مستنبط فہو مردود

جس نے اسلام میں ایسی رائے ایجاد کی جس کے لئے کتاب اور سنت سے کوئی ظاہری دلیل یا پوشیدہ ثبوت لفظا میں ہو خواہ اخذ کیا

ص۱۵۱ وص۱۵۲ میں ہے۔

والمراد بالبدعۃ ما احدث فی الدین مالا اصل لہ فی الشریعۃ یدل علیہ واما ما کان لہ اصل من الشرع یدل علیہ فلیس ببدعۃ شرعا ولن کان بدعۃ لغۃ واما ما وقع فی کلام السلف من استحسان لبعض البدعۃ فانما فی البدع اللغویۃ لا الشرعیۃ

بدعت سے مراد وہ نو ایجاد امور ہیں جن کی اصل شریعت میں تو ہے اور جس پر دلالت کرنے والی سند شریعت میں موجود ہو وہ شریعت میں بدعت نہیں لغت کے لحاظ سے بدعت ہے اور بزرگوں کے قول میں جو بدعت کی تعریف ہے تو اس سے یہی بدعات لغویہ مراد ہیں شرعی نہیں جیسے کی حضرت عمر

فمن ذالك قول عمر الخ — رضی اللہ عنہ کا قول نعمت البدعة هذه — یہ اچھی بدعت ہے۔

ان اقتباسات سے یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ بدعت حسنہ کو تسلیم نہیں کرتے اس کو بدعت لغوی کہتے ہیں اور سنت میں داخل مانتے ہیں وا ما ماکان لہ اصل فی الشرع کہہ کر اس کے کرنے کی اجازت دیتے ہیں اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۸ زیر حدیث (من سن سنة حسنہ) ہے۔

ای اتی بطریقة مرضیة یشھد لھا اصل من اصول الدین او صار باعتبار وجہ امر ثابت فی الشرع فلہ اجرھا ای اجر السنة ومن بعدہ

یعنی جس نے ایسا طریقہ دیا جو پسندیدہ ہو اور جس کی گواہی اور تائید دلائل شرعیہ میں سے کوئی دلیل کرتی ہو۔ یا جو شخص شرع سے ثابت شدہ کسی امر کو رائج کرے تو اس کو اس سنت کا ثواب ملے گا اور اسکے بعد عمل کرنیوالوں کا بھی۔

دیکھئے کس صفائی سے دو شقیں کرتے ہیں کسی ایسے امر کو رواج دے جو شریعت میں ثابت شدہ ہے یا کسی ایسے امر کو ایجاد کیا جو ثابت تو نہیں لیکن اس کی تائید دلائل شرعیہ سے ہوتی ہے اس کو اسی سنت کا ثواب ملے گا۔ گو ایسا امر بھی نکالنا جو ثابت شدہ نہ ہو مگر سند شرع سے پیش کی جا سکتی ہو سنت ہی ہے پس وہ چیز جس کو ہم آپ یا علماء اعلام اہل اسلام بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ ان کے نزدیک سنت ہے لیکن نام بدلنے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی ہم جس چیز کو بدعت حسن کہہ کر جائز کہتے ہیں آپ اسی کا نام سنت رکھ کر قبول کرتے ہیں چلیے یہی سہی۔ دوسری بات جو نہایت واضح ہو کر سامنے آئی کہ بدعت سیئہ (یا بقول انکے

مطلقا بدعت کہ انھوں نے اس کے مقابل کا نام بدل دیا) کی یہ بھی وہی تعریف تسلیم کرتے ہیں جو ہم اعلام امت اسلامیہ سے نقل کر آئے ہیں کہ بدعت وہی ہے جو مصادم سنت ہو جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو۔ یہ نہیں کہ فلاں فلاں وقت اور فلاں فلاں صاحب کی ایجادات سنت اور مابعد بدعت اس کے یہ بھی مخالف ہیں کہ ایک جگہ بھی پوری بحث میں کہیں اس کا نام نہیں لیا۔ ان میں اور دیگر علمائے اعلام اہلسنت میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف نام رکھنے کا کہ وہ لوگ جس کو بدعت سیئہ کہتے ہیں یہ مطلقا بدعت اور وہ جس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اس کو یہ بدعت لغوی اور سنت میں داخل مانتے ہیں اور ہم یہ واضح کر چکے کہ حیں کے نام بدلنے سے حقائق تبدیل نہیں ہوتے اس لئے وہ نو ایجاد امور جو مخالف شرع نہ ہوں صرف اس بنا پر کہ صحابہ نے اس طرح ان کو نہیں کیا یا تابعین نے نہیں برتا یا حضور کے زمانہ میں نہ تھا بدعت قرار نہیں دیئے جا سکتے ان کو بدعت اور ناجائز ثابت کرنے کے لئے شرع سے دلیل لانی ہوگی کہ اس حدیث یا آیت کے خلاف یا کم از کم یہ ثابت کرنا ہوگا کہ حدیث قرآن کے اس عظیم ذخیرہ میں کہیں بھی اس کی تائید نہیں ملتی اور یہ مشکل ہے۔

یہاں پہونچ کر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ سے بدعت سے متعلق ایک طویل تحریر نقل کریں جس سے اس سلسلہ کی بہت سی غلط فہمیوں کا غبار دور ہو سکتا ہے۔

ان العلماء قالوا البدعة خمسة واجبة کنظم الدلائل لرد شبہ الملاحدة وغیرھم ومندوبة کتصنیف الکتب وبناء المدارس ونحوھا ومباحة

علماء نے فرمایا کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب جیسے ملحدین کے شبہے کا رد ترتیب دینا۔ اور مستحب ہے جیسے کتابوں کی تصنیف اور مدرسوں کی بنا وغیرہ اور

كبسط بألوان الأطعمة عند
ضيافة الاخوان وغيرها
ومكروهة وحرام وهما ظاهران
فاذا علمت هذا التقسيم الذي
تقدم بيانه فالمنارة في نوع
البدعة المستحبة لانها عون
المؤذنين في قصدهم لاعلام الناس
بدخول وقت الصلوة المفروضة
كالصلوة الخمس والجمعة المراد
من الاذان شرعا اذ معناه لغة
مطلق الاعلام وفي الشرع هو الاعلام
بوقت الصلاة وفي المنارة اعانة
في انتشار ذلك بين المسلمين
ما ليس في غيرها والمدارس
المبنية للعلم والقرأة القرآن و
تصنيف الكتب الشرعية في علم
التوحيد والعقائد والاحكام
الفقهية والتفسير والحديث
وآلة ذلك كالنحو والصرف واللغة
ونحو هذا معينة للتعليم بسبب

مباح جیسے احباب کی دعوت کے وقت
انواع واقسام کے کھانے بنانا وغیرہ۔
اور مکروہ و حرام ہے جس کی مثالیں
ظاہر ہیں۔ اس قسم پر مطلع ہونے کے بعد
یہ ظاہر ہے کہ "منارہ مسجد" بدعت مستحبہ
ہیں ہے کیونکہ اس سے موذنوں کو اپنے
ارادہ (یعنی لوگوں کو نماز پنجگانہ اور جمعہ
اعلان) میں مدد ملتی ہے اعلان سے
ہماری مراد شرعی اذان ہے کیوں کی
اعلان لغت میں مطلقا ہر چیز کا اعلان
کو کہتے ہیں اور منارہ سے مسلمانوں کے
درمیان اذان کی آواز پھیلانے میں جو
مدد ملتی ہے دوسرے ذریعہ سے نہیں۔
اسی طرح مدرسوں کی بناء علم اور قرأت
قرآن کے لئے اور شرعی کتابوں کی تصنیف
از قسم علم توحید، عقائد، احکام فقہیہ، تفسیر
اور حدیث اور اس کے مددگار علوم جیسے
نحو صرف، لغت یا اسی قسم کے اور علوم
جو تعلیم میں مددگار ہوں یونہی مسائل کی
تقریر اور اس کی وضاحت اور مسئلہ کے مناسب

تقرير المسائل وايضاحها وايراد
كل شيء في محله من الابحاث
المناسبة والاشكالات والاجوبة
وتحرير الادلة وبيان الخلاف
حتى يسهل معرفة ذلك العلم للمتعلم
عون لحصول التبليغ من العلماء
الاولين الى فضلاء المتاخرين۔
فكل احد مما ذكر من بناء المدارس
والمنارة وتصنيف الكتب وترتيب
الدلائل ماذون من قبل الشارع
اذ قصده بقاء ما شرع وتقوية
وازالة ما يمانعه وهذا المعنى موجود
فيما ذكر بل مامور به من قبل
الشارع ولو على طريق العموم كما
قال تعالى حافظوا على الصلوة وقال
تعالى ولا تقولوا على الله الا الحق
فبناء المنارة والمدرسة من جملة
محافظة الصلوة وتصنيف الكتب
ونظم الدلائل من جملة قول الحق
على الله وعدم قول الباطل وما يشبه

بحثوں کا حسن ترتیب، اعتراضوں کا جواب
اور دلائل کی تحریر، یا خلافیات کا بیان
جس سے اس علم کی معرفت متعلم کو آسان
ہو اور متقدمین کے علوم متاخرین
تک پہونچانے میں مدد ہو۔
پس یہ ساری باتیں جو اوپر مذکور
ہوئیں جیسے مدرسے منارہ تصنیف
کتب، ترتیب دلائل وغیرہ بشرع
کی طرف سے ان کی اجازت ہے اس لئے
کہ شریعت کا مقصد احکام شرع کی
بقا اس کی تقویت اور اس کے مزاحم
کا دفاع ہے اور یہ بات مذکورہ بالا امو
سے بدرجہ اتم حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ چیز
شرعاً مامور ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کا جو
حکم عام میں حاصل ہے مثلاً اللہ تعالیٰ
نے حافظوا علی الصلوٰۃ فرمایا (نمازوں
کی حفاظت کرو) لا تقولوا علی اللہ
الا الحق فرمایا (سچ بات ہی بولو) پس
منارہ اور مدرسہ کی بنا حفاظت صلاۃ
میں داخل ہے اور تصنیف کتب اور

في ذالك۔

وعدم وقوع كل من ذالك في الصدر الاول زمان الصحابة والتابعين وتابعي التابعين رضي الله عنهم اجمعين اما لعدم الاحتياج الى كل واحد من ذلك من لاستغنائهم بكثرة الاجتهاد والمجتهدين عن تدوين العلوم لسهولة مراجعة الثقات من ائمة الدين عن تصنيف الكتب ولقلة المخالفين عن نظم الدلائل او لعدم القدرة فيه لعدم المال في الانفاق على بناء المنارة والمدارس وجعل الاوقاف عليها والوظائف او لعدم التفرغ لفعل ذلك بالاشتغال ليلا ونهارا وظاهرا وباطنا بالاهم من ذلك على حسب ما يعلمون من قتال الكفار وفتح البلاد وتمهيد القواعد الاسلامية والقوانين الايمانية

ترتیب دلائل "قول الحق" کے زمرہ میں شامل ہے۔ اس قیاس پر اور امور کو جانچا جاسکتا ہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ اگر یہ باتیں ایسی امور نیک تھیں تو خیر القرون میں یہ کیوں نہیں کی گئی۔ تو جواب یہ ہے کہ مختلف وجہیں ہو سکتی ہیں مثلاً اس وقت اجتہاد اور مجتہدین کی کثرت تھی اس لئے انھوں نے ان کے باقاعدہ انتظام کی ضرورت محسوس کی کہ کتابیں تصنیف ہوں اور مخالفین کی کمی کی وجہ سے نظم دلائل کی حاجت نہ تھی۔ مال کی کمی بنائے منارہ اور مدارس میں حارج ہوئی یا یہ وجہ ہو کہ رات دن علی الاعلان اور تنہائی میں ہر طرح ہر دم ان امور سے زیادہ اہم معاملات میں مشغول رہے ہوں جیسے جہاد، فتح بلاد، قواعد اسلامیہ اور قوانین ایمانیہ کی تقویت اور سنۃ رسول اللہ کی محافظت یہ اور اسی قسم کے بہت سے ہو سکتے ہیں

بين العباد والمحافظة على فعل السنة النبوية والسيرة المحمدية والقيام بمعاني الاحوال كلها صونا لها من الضياع والانتشار وذالك من الاعذار المانعة لا دلائل عن عمل ذلك كعدم حدوث ما يقتضيه في زمانهم ووجود ما يغني عنه في ذلك الزمان دون غيره وعدم تنبههم لمثله۔

ولو تعينت كلما قيل في بدعة حسنة وجدته ماذونا فيه من قبل الشارع لكل احد اشارة في آية او حديث او دلالة من آية او حديث لا يكاد يخرج شي من ذلك اصلا ما ذكروا القصور في عدم الاطلاع

وقد سئل عن بعض العلماء عن هذه المقامات المنصوبة حول الكعبة

جو خیر القرون میں ان افعال کے وجود میں مانع ہوں۔

بدعت حسنہ کے بارے میں جو کہا گیا اگر اس کا بغور مطالعہ کرو تو تم اس کو ماموز من الشرع پاؤگے اور ہر ایک کا اشارہ کسی آیت، حدیث میں، یا آیت یا حدیث کی دلالت ضرور ہوگی کوئی بدعت حسنہ اس اشارہ یا دلالت سے خالی نہ ہوگی کوئی اس کی تہہ تک نہ پہونچ سکے یہ اور بات ہے۔

کسی نے ایک عالم سے حرم شریف کے چاروں مصلے کے بارے میں پوچھا کہ یہ تو نہ عہد نبوت نہ زمانہ صحابہ نہ تابعین نہ تبع تابعین میں تھا نہ خود ان اماموں نے اس کا حکم دیا تو انھوں نے فرمایا یہ بدعت حسنہ ہے۔ بدعت سیئہ نہیں کیونکہ یہ امر سنت صحیحہ کی دلیل اور تقریر سے سنت حسنہ میں داخل ہے کہ

التی الصلون فیها الآن ائمة اربعة علی
مقتضی مذاهب الاربعة ماکانه السنة
بعلی ذلك ولا عصر التابعین ولا تابعیهم ولا احد
الائمة الاربعة ولا امر بها ولا طلبوا ها فانها
جاب بالهابه عة لکنها بدعة حسنة لا
سیئة لانها تدخل بدلیل السنة الصحیحة
وتقررها فی السنة الحسنة لانها لم یحدث
منها ضرر ولا حرج فی المسجد
ولا فی المصلین من المسلمین وتقررها
فی السنة الحسنة لانها لم یحدث منها
ضرر ولا حرج فی المسجد ولا فی
المصلین من المسلمین فعامة اهل
السنة والجماعة بل فیها عمیم النفع
فی المطر والحر الشدید والبرد
فیها للقرب عن الامام فی الجمعة وغیرها
فهی بدعة حسنة ویسمون لفعلهم
السنة الحسنة وان کان بدعة
باهل السنة لا اهل البدعة لان
النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من سن
سنة حسنة فسمی المبتدع
للحسن مستنا فادخله النبی صلی اللہ

اس کی بنا سے مسجد یا مسلمان مصلیوں
میں کوئی حرج پیدا نہ ہو۔ بلکہ اس میں
تو ایک عام نفع ہے۔ بارش اور سخت
گرمی اور سخت سردی کے عالم میں اور
جمعہ وغیرہ میں امام سے نزدیکی کا فائدہ
ہے تو یہ بدعت حسنہ ہی ہے۔
اور تم دیکھتے نہیں کہ وہ اپنے اسی
اتباع سنت کی وجہ سے اہل سنت
کہے جاتے ہیں۔ اہل بدعة نہیں کہے
جاتے حالانکہ کام نیا کیا ہے۔ کیوں کہ
حدیث اچھی نئی بات نکالنے والے کو
سنت پر عمل کرنے والا کہا گیا۔ تو
حضور نے اپنے فرمان میں ایجاد اور
سنت کو ایک ساتھ ذکر کیا تو ان
افعال کا سنت ہونا حضور کے فعل سے
گو ثابت نہیں قول سے ثابت ہے
پس نئی بات پیدا کرنے والا سنی ہے
کہ حضور نے اس کو سنت قرار دیا۔
تو قاعدہ کلیہ یہ ہوا کہ حضور
نے جس کو کیا، کہا، اور مداومت

علیه وسلم فی السنة وقرن
بذلك الابتداع وان لم
یرد فی القول فقد ورد فی القول
فقد ورد فی القول فالسان سنی
لدخوله بتسمیة النبی صلی اللہ علیه
وسلم فیما قرر من السنة وضابطه
السنة ما قرره احد فعله النبی
صلی اللہ علیه وسلم ودام علیه
واظهره ومن جملة فعله النبی
صلی اللہ علیه وسلم سکوته علی
امر لانه تقریر واذن فی ابتداع
السنة الحسنة الی یوم الدین
وانه ماذون له بالشرع ومأجور
علیها مع العاملین بها بدوامها

فرمائی اور ظاہر کیا سنت ہے اور
حضور کا ایک کام یہ بھی تو ہے کہ
کام کرتے دیکھ کر چپ ہے تو یہ
اس بات کی اجازت ہے کہ قیامت
اچھی باتیں نکالی جا سکتی ہیں اور ان
پر اجر و ثواب ہے۔

امام موصوف کی اس مبارک تحریر سے حسب ذیل امور بصراحت ثابت ہوئے

(۱) بدعت کی پانچ قسمیں ہیں واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام ظاہر ہے کہ پہلی تین کا تعلق حسنہ سے ہے اور آخری دو کا سیئہ سے پس جس چیز کو تو ایجاد دیکھا آنکھ بند کر کے اس پر بدعت کا فتویٰ دیکر گناہ قرار دینا حماقت ہے۔

(۲) مسجد میں اذان کے لئے منارہ بنانا، دینی مدارس کی تعمیر، کتابوں کی تصنیف اور دلائل کی ترتیب بدعت مستحبہ میں سے ہے کہ منارہ اذان میں مددگار مدد

اور کتابیں علم دین اور تعلیم قرآن اور تبلیغ شریعت میں مددگار۔ گویا جو کسی امر خیر کی تکمیل کا ذریعہ ہو وہ خود مستحب اور باعث ثواب تو کیا گیا ہو یں، میلاد، فاتحہ، قیام وسلام، ایصال ثواب، رفعت ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں معین و مددگار نہیں جو شرعاً محبوب و ماموریہ ہیں۔ (۳) اور جن بدعات حسنہ کا ذکر آیا ان سب کی شریعت کی طرف سے اجازت ہی نہیں شریعت نے اس کا حکم دیا ہے ماذون من الشرع ہونے کی دلیل تو یہ ہے کہ ان سب کا مقصد شریعت کی بقا، اس کی تقویت، اس کی مخالفت کا ازالہ ہے اور اس کا باقی رکھنا ہے اس کی تقویت مامور من الشرع ہے تو جو ذرائع اس کے ہوں وہ ضرور ماذون ہوں گے۔

مامور من الشرع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا حافظوا علی الصلوٰۃ اور منارہ بناتے اور مدارس تعمیر کرنے میں حفاظت صلوٰۃ ہے تو گویا علی سبیل العموم یہی یہ امور بھی حافظوا علی الصلوٰۃ کے امر میں داخل ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا تقولوا علی اللہ الا الحق اور دینی کتابوں کی تصنیف اور دلائل کی ترتیب علی سبیل العموم ہی یہی قول علی اللہ الحق کے مصداق میں شامل ہے لہذا مامور بہ ہوئے۔ پس کیا فاتحہ مروجہ اور گیارہویں وغیرہ ایصال ثواب ولد صالح یہ عولہ کے عموم میں شامل ہو کر ماذون بہ شرعاً نہ ہوں گے۔ اور میلاد وقیام ورفعنا لک ذکرک اور واما بنعمت ربک فحدث کے عموم میں شامل ہو کر امور بہ شرعاً نہ ہوں گے۔

(۴) کوئی شخص صرف اتنی سی بات سے ان امور خیر کو حرام اور بدعت نہ قرار دے کہ یہ امور زمانۂ سلف میں نہ تھے۔ زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں ان کا ظہور نہ ہوا کیونکہ اس کے بہت سارے اسباب ہو سکتے ہیں (الف) ان زمانہ میں مجتہدین کی کثرت کی وجہ سے تصانیف کی ضرورت ہی نہ تھی۔ (ب) مخالفین

کم تھے اس لئے مناظرانہ دلائل کی حاجت نہ تھی۔ (ج) ان کے پاس اتنا مال نہ تھا کہ یہ شاندار مساجد ان کے منارے عالیشان مدرسے اور کتابوں کے بیش بہا مصارف برداشت کر سکتے اور اس کے لئے اوقاف و وظائف مقرر کرتے (د) ان سے اہم امور میں مثلاً کافروں سے جہاد ملکوں کی فتح اور اسلام کی بنیادی اصولوں کی مضبوطی اور احادیث نبویہ کی حفاظت و اشاعت سے انھیں فرصت ہی نہ ملی کہ اس تزک و احتشام اور اس انتظام و اہتمام کے ساتھ ان امور کی طرف متوجہ ہوتے۔

یہ اور اس کے اور بہت سے اعذار ہو سکتے ہیں۔ پس کیا میلاد و فاتحہ کے سلسلہ میں ان اعذار اربعہ میں سے کوئی بھی ممکن نہیں جو اس وقت میں اس ہیئت کے ساتھ ان کے عدم رواج کا سبب بنا ہو کہ بار بار ہم سے پوچھا جاتا ہے صحابہ نے مروجہ میلاد فاتحہ کیوں نہیں کیا وہ خیر کے طالب نہ تھے کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کم محبت کرتے تھے۔ ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس سے اہم امور میں مصروفیت، قلت مال وغیرہ اعذار کی وجہ سے وہ اس اہتمام سے نہ کر سکے ہوں تو ان کا نہ کرنا اس کے حرمت کی دلیل کب ہے۔

حضرت علامہ مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب پورنوی

مسئلۂ امتناعِ نظیر

ایک مدت سے جن مسائل و معتقدات کی بنیاد پر الگ الگ مکاتبِ فکر قائم ہیں انھیں مسائل و معتقدات میں ایک مسئلہ "سرکار کی نظیر و مثیل" کا بھی ہے۔ یہ مسئلہ کوئی اتنا مبہم اور نظری نہیں تھا کہ اس کے لئے الگ الگ محاذ بنائے جاتے اور ایک دوسرے کو بحث و مناظرہ کی دعوت دی جاتی مگر صدی بیتنے کو ہے اور آج بھی یہ مسئلہ فکری جولانیوں اور ڈھینگا مشتیوں کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے۔ بار بار کے حق واضح ہو جانے کے باوجود آج بھی کچھ لوگ گلی گلی یہ صدا لگاتے پھرتے ہیں کہ "سرکار کی نظیر ممکن ہے اور خدا چاہے تو محمد جیسے سینکڑوں محمد پیدا فرما سکتا ہے۔" یہ وہی لوگ ہیں جو تقویۃ الایمان کی عبارتوں کو دل و دماغ سے ہم آہنگ کرنے کے لئے آئے دن چولا بدلتے رہتے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ تقویۃ الایمان کی عبارت و مسائل کے نفاق سے واقف نہیں، وہ واقف ہیں اور اچھی طرح واقف ہیں پھر بھی ان عبارتوں کی حمایت و وکالت کا جھنڈا اس لئے اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں تاکہ ان کے اسلاف کا وقار محفوظ رہے جو انھیں ایمان سے زیادہ عزیز ہے۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ سرکار کی نظیر کے مسئلہ میں نظیر کے جو معنی مراد ہیں اس معنی کو کوئی ایسا وجود قطعاً ناممکن ہے جسے سرکار کی نظیر کے معنی پہنائے جاسکیں لیکن وہ اپنے میں اس کے اظہار و اعلان کی جرأت نہیں پاتے کیونکہ ان کے سامنے ان کے اسلاف کا وہ گھناؤنا کردار ہے

جو انھوں نے ایمان و یقین کی قربانی دے کر ادا کیا ہے اسی کردار کی لاج رکھنے کے لئے یہ لوگ تمام اسلامی برادری کے احساسات کو پامال اور جذبات کو مجروح تو کر سکتے ہیں مگر یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے اسلاف کی ساکھ پر کسی قسم کی آنچ آجائے۔

یہی وجہ ہے کہ "امتناع نظیر" کا مسئلہ جو قطعاً واضح اور بدیہی ہے آئے دن مبہم اور نظری ہوتا جارہا ہے اور یہ لوگ اپنی آبرو کی سلامتی کے لئے طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کرتے جارہے ہیں۔ آئیے پہلے آپ نظیر کے معنی سمجھ لیں تاکہ ارتیاب و تشکیک کے دھندلکوں سے آپ کا ذہن محفوظ رہے۔

اس متنازعہ فیہ مسئلہ میں نظیر کے معنی ہیں سرکار کے سوا ایک ایسا وجود جو تمام اوصاف میں سرکار کا شریک و سہیم ہو۔ مثلاً آپ نبی ہیں تو وہ بھی نبی ہو آپ رسول ہیں تو وہ بھی رسول ہو۔ آپ خاتم النبیین ہیں تو وہ بھی خاتم النبیین ہو۔ آپ اول مخلوقات ہیں تو وہ بھی اول مخلوقات ہو۔ آپ اول شافع ہیں تو وہ بھی اول شافع ہو آپ افضل رسل ہیں تو وہ بھی افضل رسل ہو آپ سید کونین ہیں تو وہ بھی سید کونین ہو وغیر ذالک۔

نظیر کے معنی تشریح سے صاف ظاہر ہے کہ نظیر بایں معنی اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جبکہ سرکار کے تمام اوصاف میں کم از کم دو تی ممکن ہو محال نہ ہو یعنی سرکار کا ہر وصف ایسی کلی ضرور ہو جو نفس الامر میں شرکت کا احتمال رکھے تاکہ اس کلی کے افراد ممکنہ باہم ایک دوسرے کی نظیر ہو سکیں مثلاً سرکار کی ایک صفت ہے نبوت جو کلی ہے اس کے ایک فرد خود حضور ہیں اور دوسرے افراد انبیاء سابقین ہیں اسی لئے ہر نبی صفت نبوت میں دوسرے نبی کی نظیر ہیں۔

اور اگر بعض اوصاف ایسے ہوں جن میں دوئی قطعاً ممکن نہ ہو تو نظیر ممکن نہیں بلکہ محال بالذات ہوگی۔ عالم اسلام کا کون ایسا شخص ہے جو نہیں جانتا کہ خاتم النبیین اوّل مخلوقات، اول شافع اول شفیع یہ وہ القاب و خطابات ہیں جو سرکار کی ذات سے مخصوص ہیں اور کوئی ہوشمند اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ وہ اوصاف ہیں جن میں دوئی قطعاً ممکن نہیں بلکہ محال بالذات ہے اگر اس میں آپ کو کوئی شبہ ہو تو پہلے مناطقہ کی ایک بحث ذہن نشین کر لیں جو انھوں نے کلی کی اقسام کے سلسلہ میں کی ہے علماء منطق نے کلی کی افراد کے وجود کے اعتبار سے چند قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ ایسی کُلّی جس کے سارے افراد محال بالذات ہوں۔ جیسے شریک باری۔
۲۔ ایسی کُلّی جس کے سارے افراد ممکن ہوں مگر ایک فرد بھی پایا نہ جاتا ہو جیسے عنقا۔
۳۔ ایسی کُلّی جس کا ایک ہی فرد پایا جائے باقی اور افراد محال بالذات ہوں جیسے واجب الوجود۔
۴۔ ایسی کُلّی جس کے سارے افراد ممکن ہوں مگر صرف ایک فرد پایا جائے جیسے سورج۔
۵۔ ایسی کُلّی جن کے افراد کثیرہ موجود ہوں مگر متناہی ہوں جیسے ستی رسالہ۔
۶۔ ایسی کُلّی جس کے افراد کثیرہ موجود ہوں اور غیر متناہی ہوں جیسے معلومات باری تعالےٰ

کلی کی ان تمام قسموں میں تیسری قسم ایسی ہے جو ایک ہی فرد میں منحصر ہوتی ہے یعنی ایک فرد کے علاوہ اس کے تمام افراد محال بالذات ہوتے ہیں۔ خاتم النبیین وغیرہ کلی کی اسی تیسری قسم میں داخل ہیں یعنی ان کے ایک ہی فرد کا وجود ہو سکتا ہے اس میں دوئی کی قطعاً گنجائش نہیں ورنہ خاتم النبیین خاتم النبیین اور اول مخلوقات اوّل مخلوقات نہ رہے گا اور خاتم النبیین کا خاتم النبیین اول مخلوقات اول مخلوقات نہ ہونا محال بالذات ہے اس لئے ان

اوصاف میں دوئی بھی محال بالذات ہوگی، جب دوئی محال بالذات ہوگی تو ایک فرد کے علاوہ ان کے سارے افراد محال بالذات ہوں گے اور جب سارے افراد محال بالذات ہونگے تو نظیر بھی لامحالہ محال بالذات ہوگا

مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ اگر سرکار کے علاوہ کوئی دوسرا وجود سرکار کی نظیر تسلیم کر لیا جائے تو دو حال سے خالی نہیں وہ وجود خاتم النبیین ہوگا یا نہیں اگر نہیں تو خاتم النبیین کا انحصار ایک فرد میں لازم آیا اور اگر وہ وجود خاتم النبیین ہو تو اس تقدیر پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہوں گے یا نہیں اگر نہیں تو پھر بھی خاتم النبیین کا انحصار ایک فرد میں لازم آیا اور اگر دونوں خاتم النبیین مانے جائیں تو دونوں ساتھ ساتھ ہونگے یا یکے بعد دیگرے اگر ساتھ ساتھ ہوں تو چونکہ دونوں میں معیت پائی گئی اس لئے دونوں میں سے کسی پر خاتم النبیین کا اطلاق درست نہ ہوگا۔ اور اگر یکے بعد دیگرے ہوں تو یہ دوسرا وجود سرکار کے بعد ہوگا یا پہلے اگر بعد کو ہو تو سرکار خاتم النبیین نہ ہوں گے اور اس کا انحصار ایک فرد میں لازم ہوگا اور اگر پہلے ہو تو یہ دوسرا وجود خاتم النبیین نہ ہوگا۔ اور اس صورت میں بھی خاتم النبیین کا انحصار ایک فرد میں لازم ہوگا۔ اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ خاتم النبیین کا صرف ایک ہی فرد پایا جا سکتا ہے اس کے علاوہ اس کے تمام افراد قطعاً غیر ممکن اور محال بالذات ہیں کیونکہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرا خاتم النبیین مانا جائے تو اس کا وجود اس کے عدم کو مستلزم ہوگا اور وہ متناقض امور کا مصداق ہو جائے گا یعنی وہ خاتم بھی ہوگا اور خاتم نہیں بھی ہوگا اور چونکہ متناقض امور کا مصداق محال بالذات ہے اس لئے حضور کی نظیر بھی محال بالذات ہوگی۔

بعینہ یہی دلیل اول مخلوقات، اوّل شافع، اول مشفع وغیرہ اوصاف میں بھی جاری ہے یعنی یہ اوصاف بھی خاتم النبیین کی طرح دوئی کے حامل نہیں اور ان اوصاف کی بھی نظیر ممتنع بالذات ہے

ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ جب خاتم النبیین کا ایک فرد ممکن ہے تو دوسرا فرد بھی ممکن ہونا چاہیئے تو اس کے ازالہ کے لئے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ کسی کلی کا ایک فرد جیسا ہو اس کے دوسرے افراد بھی ویسے ہی ہوں۔ واجب الوجود ایک کلی ہے جس کا ایک فرد ذات باری تعالیٰ واجب ہے لیکن اس کے دوسرے افراد واجب نہیں بلکہ ممتنع بالذات ہیں اسی طرح ارتفاع امرین کا ایک فرد ارتفاع ضدین ممکن ہے لیکن دوسرا فرد ارتفاع نقیضین محال بالذات ہے یوں ہی اجتماع امرین کا ایک فرد اجتماع متوافقین ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے لیکن دوسرا فرد یعنی اجتماع نقیضین محال بالذات ہے بعینہ اسی طرح خاتم النبیین اور دوسرے اوصاف مذکورہ کا حال ہے کہ ان کا ایک فرد تو ممکن ہے لیکن دوسرے افراد محال بالذات ہیں اس وضاحت سے یہ شبہ بھی زائل ہو گیا کہ "ہر ممکن کی نظیر ممکن اور مقدور ہوتی ہے" اس لئے کہ ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ بہت سی ایسی کلی ہیں جن کا ایک فرد واجب یا ممکن ہے مگر دوسرے افراد محال بالذات اور غیر مقدور ہیں۔

ہو سکتا ہے کوئی صاحب اپنے مخصوص لب ولہجہ میں آپ سے یہ فرمائیں کہ جناب اللہ صاحب تو فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو اللہ صاحب سرکار کی نظیر و مثیل پیدا کرنے پر کیوں نہ قادر ہوں گے؟ تو آپ ان کو بتائیں کہ عقائد کی تمام کتابوں میں یہ مصرح ہے کہ ممتنعات اور واجبات باری تعالیٰ کے

زیر قدرت نہیں صرف ممکنات زیر قدرت ہیں اس لئے کہ زیر قدرت جو امور ہوتے ہیں یا تو من جہتہ الایجاد ہوتے ہیں یا من جہتہ الاعدام اور ممتنعات اگر من جہتہ الایجاد زیر قدرت مانے جائیں تو وہ ممتنعات نہیں رہیں گے بلکہ ممکن ہو جائیں گے اور اگر من جہتہ الاعدام مانے جائیں تو تحصیل حاصل لازم آئے گی اور یہ دونوں محال ہیں و بعکسہ یجری فی الواجب ۔

علاوہ ازیں اگر ممتنعات تحت قدرت ہوں گے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو کل ممتنعات تحت قدرت ہوں گے یا بعض ہوں گے اور بعض نہیں دوسری صورت میں ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی جو باطل ہے اور پہلی صورت میں عدم واجب الوجود بھی تحت قدرت ہوگا اور جب واجب الوجود کا عدم تحت قدرت ہوگا تو واجب الوجود واجب الوجود نہیں رہے گا جو بالکل محال بالذات ہے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ ممتنعات اگر تحت قدرت داخل نہیں تو اس سے باری تعالیٰ کا عجز لازم نہیں آتا اور نہ قدرت کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے کیوں کہ ممتنعات میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ وہ تحت قدرت داخل ہوں بلکہ قدرت کا کمال یہی ہے کہ تمام ممتنعات دائرۂ قدرت سے باہر ہوں جس طرح آپ خوشبو کو دیکھ نہیں سکتے تو اس سے یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ آپ کی نگاہ کمزور ہے بلکہ یہی کہا جائیگا کہ خوشبو میں صلاحیت ہی نہیں کہ وہ دیکھی جائے۔ اسی طرح اگر سرکار کی نظیر و مثیل تحت قدرت نہ ہو تو اس سے قادر مطلق کا عجز ثابت نہ ہوگا بلکہ ہر ہوشمند یہی کہے گا کہ اس میں تحت قدرت ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

●●●

سیاح عالم حضرت مولانا قمر الزماں صاحب اعظمی

اِسلام اور دیگر مذاہبِ عالم

ادارہ پاسبان کی جانب سے میرے لئے جو عنوان مقالہ تجویز فرمایا گیا ہے اگر حق تحریر ادا کیا جائے تو اختصار کی شرط قبول کرنے کے بعد بھی کئی سو صفحات درکار ہوں گے اور مجھے یقین ہے کہ میرے مقالہ کو پاسبان کے ایک خاص نمبر میں صرف چند صفحات مل سکیں گے اس لئے میں اس عنوان پر تفصیلی تحقیق سپرد قلم کرنے کے بجائے ایک سرسری مطالعہ اور ایک اجمالی تعارف ہی پر اکتفا کروں گا۔

اسلام کا دوسرے مذاہب سے موازنہ کرنے کی صورت میں ان عناصر کا ایک سرسری خاکہ ضرور پیش کرنا پڑے گا جن پر مذاہب عالم کی بنیاد رکھی گئی ہے جو مذاہب کے تنظیمی نقشوں میں اساس کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر کوئی مذہب مذہب اور کوئی نظام نظام کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا وہ عناصر مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ نظام عقائد۔ ۲۔ نظام عبادات ۳۔ نظام اخلاق

اسلام اور اس کے علاوہ دنیا کے تمام مذاہب خواہ وہ منزل من اللہ ہوں اور بعد میں تحریف و تبدیل کی نذر ہو گئے ہوں یا چند انسانوں کی مشترک اختراع فکر کا نتیجہ ہوں ان کی بنیاد کچھ معقول دلائل کے اوپر ہو یا وہ اوہام و خرافات نیز اساطیر الاولین کا مجموعہ ہوں مندرجہ بالا تین اساسی قدروں کا دعویٰ ہے ہر ایک میں ملے گا۔ اس لئے مذاہب عالم

عالم کا تقابلی مطالعہ پیش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان عناصر ثلثہ کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے۔ آئیے سب سے پہلے ہم دنیا کے مشہور مذاہب کے نظام عقائد کا جائزہ لیں اس معذرت کے ساتھ کہ اس مختصر سے مقالے میں عقائد کی تمام جزئیات کا استقصاء نہ ہو سکے گا البتہ ان میں صرف عقیدۂ الٰہ اور عقیدۂ رسالت پر گفتگو ہو سکے گی۔

عقیدۂ الٰہ

دنیا میں اپنے اتباع کی کثرت اپنے مشنوں کی حرکت اور بلند و بانگ دعووں کی وجہ سے مذہب مسیحیت اس وقت پورے کرۂ ارض کے اوپر چھایا ہوا ہے لیکن جب ہم اس کی مادی دلفریبیوں سے قطع نظر اس کے ایمانی، اخلاقی، اور عباداتی اقدار کا جائزہ لیتے ہیں تو انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر کمزور اور ضعیف بنیادوں پر قائم ہونے والا مذہب اس قدر مقبول کیوں ہے پھر ہمیں بے ساختہ اس دور میں پروپیگنڈے اور اشاعتی اداروں کی اہمیت کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جب تک دنیا کا ہر فرد اس قدر بالغ نظر نہ ہو جائے کہ وہ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کر کے اپنے لئے ایک موزوں اور مناسب راستہ دوسرے لفظوں میں صراط مستقیم اختیار کر سکے اس وقت تک لوگ پروپیگنڈوں پر ایمان لاتے رہیں گے۔

ہم یقیناً اس اسلام کے اوپر ایمان لائے ہیں جسے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلوہ گر ہوئے تھے جس کے متعلق نجاشی شہنشاہ حبشہ نے کہا تھا کہ یہ دونوں مذاہب تو ایک ہی نور مطلق کے دو جلوے ہیں لیکن مسیحیت کا موجودہ تصور الٰہ کس قدر لرزا دینے والا کس قدر غیر معقول اور ناقابل یقین ہے وہ اس عقیدے کی مشہور اصطلاح التثلیث فی الوحدۃ والوحدۃ فی التثلیث سے ظاہر ہے یہ وہ اصطلاح ہے جس پر پورے عیسائی ازم کی بنیاد رکھی گئی ہے ایک تین اور تین ایک کی غیر معقول ریاضی تقسیم اور وحدت کو کون قبول

کریگے گا۔ اس اصطلاح کا مفہوم بھی کتب عقائد میں یہ پیش کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ روح القدس اور الٰہ تینوں ایک ہیں اور تینوں تین ہیں۔ بعض تصریحات کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ مریم علیہا السلام اور الٰہ تینوں ایک ہیں اور تینوں تین ہیں آیئے روح القدس اور مریم علیہا السلام سے قطع نظر صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مزعومہ الوہیت کا ہم جائزہ لیں۔

عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بندوں کے گناہوں کی جزاء کے طور پر سولی دے دی گئی تاکہ وہ خود سولی پر چڑھ کر اپنے امتیوں کے لئے کفارہ بن جائیں اول تو یہ بات کس قدر عجیب سی لگتی ہے کہ گناہ امتی کر رہے ہیں اور کفارے کے طور پر سولی رسول کو دی جا رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود الٰہ تھے تو پھر کیونکر دہی منتقسم ہوئے اور وہی منتقم بن گئے انھیں کے حکم پر سولی لٹکائی گئی اور خود ہی اپنی مرضی پر قربان ہو گئے اور پھر جو سولی پر چڑھ جائے اور تختہ دار پر انتہائی اضطراب کے عالم میں دم توڑ دے کیا وہ خدا ہو سکتا ہے پھر عبرانی کے تمام نوشتوں میں یہ بات متفق علیہ طور پر درج ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وقت صلیب یہ ارشاد فرمایا تھا

ایلی ایلی لِمَ سبقتنی

اے میرے خدا، اے میرے خدا۔ تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

اگر وہ خود خدا تھے تو کس خدا کو آوازدے رہے تھے الوہیت کی جو صفت ان کی ذات کا لازمہ تھی وہ ان سے جدا کیونکر ہو گئی۔ دراصل اسلام کے علاوہ تمام مذاہب عالم میں شرک فی الالوہیتہ ہی ایک مشترک جرم ہے جو ناقابل معافی ہے عیسائیت کی طرح یہودیت بھی ابوۃ الٰہ کی قائل ہے چنانچہ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے

ہیں۔ ہندومت میں ہر اوتار درجہ الوہیت پر فائز ہے۔

العیاذ باللہ۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام کے علاوہ تمام مذاہب عالم کا تصور الٰہ بدیہی البطلان ہے کیونکہ الٰہ واحد کے مقابلے میں متعدد الٰہ کا تصور خود عقیدہ الٰہ کے منافی ہے اس لئے کہ متعدد الٰہ ممکن ہی نہیں قرآن عظیم نے بہت واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا

کائنات کا نظام متعدد خداؤں کے ذریعے سے نہیں چل سکتا غالباً اسی تصور کو ایک مغربی مفکر نے بہت واضح طور پر پیش کیا ہے۔ "کوئی شخص دو آقاؤں کی بندگی نہیں کر سکتا ہے"

"اسلام کا عقیدۂ الٰہ"

تمام مذاہب عالم کے مقابلے میں اسلام نے عقیدہ الٰہ کو بہت واضح طور پر پیش فرمایا ہے اس طور پر کہ ذات پاک تعالیٰ شانہ، کے تمام صفات کا تصور کر ڈالیے کہیں بھی آپ کی عقل آپ کا ذہن یہ نہ کہے گا کہ یہ صفت شان الوہیت کے منافی ہے بلکہ ہر صفت کے حقائق و معارف کے انکشاف کے بعد ہر صاحب شعور بے ساختہ پکار اٹھے گا کہ بیشک یہ صفت صفت الٰہی ہے اسلام کے عقیدۂ الٰہ میں قل ھو اللہ احد اللہ الصمد کے اثباتی انداز کے بعد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد کا منفی طریقہ تفہیم شان الوہیت کس قدر پیارا اور کس قدر عقل و فکر سے قریب تر ہے اسلام نے نہ صرف ذات الٰہ میں ممکنات کی شرکت کا انکار کیا ہے بلکہ واضح طور پر یہ اعلان فرمایا ہے کہ **ولا ضد لہ ولا ند لہ ولا شبیہ لہ ولا مثل لہ** جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ صفات میں بھی شرکت ناممکن ہے تجسیم وغیرہ کا انکار فرما کر

عقیدہ الٰہ کی بلند ترین حیثیت پیش فرمادی ہے ایک مغربی مستشرق نے غالباً اسی حقیقت کا اعتراف اپنے ان جملوں میں کیا ہے۔

"قرآن کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ اس نے عقیدہ الٰہ کو عریاں اور مجسم نہ پیش فرما کر ہمیشہ کے لئے ذلیل ہونے سے بچا لیا"

حقیقت یہ ہے کہ تمثیل و تجسیم وغیرہ ہی حقیقت الٰہ پر پردہ ڈالدیتی ہیں اور انسان الٰہ تک پہونچنے کے بجائے مظاہر میں الجھ کر رہ جاتا ہے وہ نقوش راہ کو منزل معرفت تصور کر لیتا ہے۔ عقیدۂ الٰہ کا اثر انسان کی پوری زندگی پر پڑتا ہے بالخصوص وہ نظام تو براہ راست متاثر ہوتا ہے جو اس عقیدے سے تشکیل پاتا ہے وہ معاشرہ جس کی تعمیر عقیدۂ الٰہ کے تحت ہوتی ہے اس کا ہر ہر گوشہ اس عقیدے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کذب باری تعالیٰ کو ممکن مان لیا جائے تو اسلامی نظام حیات کی دیواریں متزلزل ہو جائیں گی بلکہ اسلامی قوانین کا قصر رفیع فرش زمین پر ڈھیر ہو جائے گا اس لئے کہ یہ امکان کذب نہ معلوم کتنے نقائص کے امکانات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ابھرے گا یہاں تک کہ مسلم پرسنل لا میں جسکو خالص الٰہی قانون کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے وہ خود منزل امکان میں ممکن التغیر والتبدل قرار پائے گا کیونکہ ممکن ہے کہ کسی قانون کے ارشاد کے وقت امکانِ کذب دائرہ امکان سے صرف ایک قدم آگے بڑھ کر وقوع پذیر ہو گیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ العیاذ باللہ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام قومیں جو خدائے واحد کے مقابلے میں بے شمار خداؤں کی پرستش کرتی ہیں جن کی پیشانیاں بے شمار بارگاہوں میں خراج سجدہ پیش کرنے کے لئے جھکی ہوتی ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے تمام مسائل میں انتہائی مضطرب اور بے قرار نظر آتی ہیں ایک سر ہے اور ہزاروں موہوم مراکز سجدہ سجدے طلب کر رہے ہیں بیچارہ کہاں کہاں اپنی پیشانی جھکائے اور اپنے کمزور سے وجود کے اوپر کس کس کی حاکمیت مطلقہ مسلط کرے غالباً

یہی وہ مصلحت تھی جس کے پیش نظر قرآن عظیم نے بیشمار مقامات پر عقیدۂ توحید کو بہت واضح طور پر پیش فرما کر بار بار مختلف اسالیب بیان کے ساتھ ذہنوں میں اتارا ہے کہ کہیں سے یہ مقدس عقیدہ مجروح نہ ہونے پائے ورنہ انسان گمراہی کے ورطۂ بحور سے نکل کر ہدایت کے ساحل نور سے کبھی دو چار نہ ہو سکے گا۔

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب عالم کے یہاں عقیدۂ الٰہ تصدیق عقیدہ کی صراحت لئے ہوئے نہیں بلکہ تصور محض کا ابہام لئے ہوئے ملتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے یہاں الٰہ کا صرف تصور ہے جسے تصور الٰہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسلام میں الٰہ ایک حقیقت ہے ایک عقیدہ ہے، اور یہ ایک امر مسلم ہے کہ تصور زندگی نہیں دیتا بلکہ زندگی صرف عقیدے سے ملا کرتی ہے جو انسان کی پوری زندگی پر چھا جاتا ہے اور انسان اپنی زندگی کا ہر قدم الٰہ واحد کو شہید و بصیر یقین کرتے ہوئے اٹھاتا ہے۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی بنیاد کا جب یہ عالم ہے تو اس بنیاد پر جس معاشرے کی عمارت تعمیر کی جائے گی اس کا کیا عالم ہو گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"عقیدۂ رسالت"

اسلام کے علاوہ دوسرے ادیان و مذاہب میں رسالت کا جو تصور ہے وہ تصور الٰہ کی طرح سے ہی ناقص، نامکمل، مائل بہ ابتذال غیر موثر، اور منصب رسالت سے فروتر ہے اس لئے کہ رسالت جس عظیم بالشان منصب کا نام ہے اس کے حامل کی حیثیت خواہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو مگر ارباب مذاہب قدیمہ نے ان کو اس طور پہ پیش کیا ہے کہ ان کی حیثیت ایک عام مصلح اور ایک عام قائد سے آگے نہیں بڑھتی عہد عتیق اور عہد جدید کی تمام تحریروں کا مطالعہ کیجیے تو یہ کھل کر سامنے آجائے گی کہ مجرمین تحریف نے انبیاء کی زندگی کو سیکڑوں تضاد کا حامل بنا کر پیش کیا ہے۔ ایک طرف انبیاء کرام میں سے بعض افراد

کو وہ خدا کا بیٹا اور الٰہ تصور کرتے ہیں تو دوسرے انبیاء و رسل کو نبی مان کر بھی انھیں
لائق گردن زدنی، لائق صلیب و دار، باغی و مجرم وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور
اس پر عمل کرتے ہیں یہود کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے نہ معلوم کتنے انبیاء کرام کے خون ناحق
سے ان کے ہاتھ آپ کو رنگے ہوئے نظر آئیں گے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جن انبیاء و
رسل کے قوانین کو وہ معیار مانتے ہیں۔ خود ان کو گناہ گار خطا شعار اور مجرم ثابت کرنے
میں بڑے جور واقع ہوئے ہیں اور ان کی بیباکیاں اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ حضرت
آدم علیہ السلام جو ابو الانبیاء ہیں اور جن کی ذات پاک کے بارے میں تمام مذاہب
جو منزل من اللہ ہیں یا ہونے کے دعویدار ہیں متحد القول ہیں کہ وہ جلیل القدر پیغمبر تھے
مگر انکی نبوت کا اقرار کرتے ہوئے بھی یہود و نصاریٰ انکو مجرم و خاطی تصور کرتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام
کی ذات پاک سے منسوب کر کے انھوں نے یہ عقیدہ وضع کر لیا ہے کہ ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے اسلئے
کہ حضرت آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تھا اور انکے گناہ کے نتیجے میں انکی اولاد فطرۃً اور خلقۃً گناہگار ہے۔

کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ مصلحت ایزدی کی بنیاد پر حضرت آدم علیہ السلام
سے سرزد ہونے والی زلت کو وہ گناہ کہتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ گناہ کے نتیجے میں ہمیشہ
تباہیاں اور بربادیاں ہوتی ہیں شہر ویران ہو جاتے ہیں آبادیاں اجڑ جاتی ہیں۔ چہرے
بدل جاتے ہیں، صورتیں مسخ ہو جاتی ہیں، پتھر برسائے جاتے ہیں، آگ اور خون کی
بارش ہوتی ہے زمین الٹ دی جاتی ہے مگر ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کا یہ
کیسا گناہ ہے کہ جس کے نتیجے میں آبادیاں بڑھتی ہیں ویرانے ختم ہو جاتے ہیں زندگی
سنورتی ہے ابنائے آدم خلافت ارض کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات
بنا لقد کرمنا بنی آدم کے تاج کرامت سے نوازا گیا۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم
کے مظاہر حسن جلوہ گر ہوئے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی نسل پاک سے
سید المعصومین حاصل تخلیق کائنات شاہکار عالم ایجاد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

جلوہ گر ہوئے کیا یہ ساری عظمتیں اور سربلندیاں انسان کو حضرت آدم کے مفروضہ گناہ
کے ثمرے میں ملیں۔ معاذ اللہ

اس عقیدے کی ایک دردناک تصویر یہ ہے کہ انھوں نے انسان کو پیدائشی مجرم
قرار دیا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان مایوس ہو گیا اور اس یاس کے نتیجے میں جب گناہ بڑھے اور
انسان نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ہم پیدائشی مجرم ہیں جب ہمارے جرم کی وجہ سے
لذت خواہش ملنے والی نہیں ہے تو لذت امروز سے دامن کشی نادانی ہوگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ
انسانوں نے اللہ کی زمین کو گناہ سے بھر دیا تو عیسائیوں نے اور ارباب کلیسا نے
فوراً عقیدۂ کفارہ کو جنم دیا یعنی انسان پیدائشی مجرم تو ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے
صلیب و دار قبول فرما کر تمام انسانوں کے گناہ بخشوا دئے۔ بس کیا تھا یاس و مایوسی
نے انھیں بحر لطمیاں میں غوطہ زنی پر مجبور کیا تھا اور یہاں نجات کے یقین نے انھیں
گناہوں میں ڈبو دیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام لوگوں کے گناہوں کا کفارہ بن چکے
ہیں تو پھر گناہ کیوں نہ کئے جائیں

ایک اور زاویہ نگاہ سے غور کریں تو یہ بات اور زیادہ واضح ہو جائے گی کہ صرف
یہی نہیں کہ انھوں نے اپنے انبیاء کے مقدس منصب کی توہین کی بلکہ انھوں نے ان کے
متن ان کی تحریف اور ان کے اخلاق حسنہ پر تحریف و تبدیل کے پردے ڈال دیئے
مشہور مستشرق پروفیسر رینان لکھتا ہے۔

ستکون حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام مستترۃ فی جمیع الزمان
حتی لم ینج لسان ابان بحدہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات گراں زمانے کے قلب میں اس طرح پوشیدہ ہو گئی ہے
کہ ان کی حیات کے بعد زمانے کی زبان ان کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکی۔ ایک ایسا جلیل القدر پیغمبر
جس کی زندگی کو پوری حیات انسانی کے لئے دستور حیات مانتے ہیں افسوس کہ متعلق انھیں

صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے۔ گہوارے میں کلام فرمایا۔ ۳۰ برس کی
عمر شریف تک لوگوں کے سامنے مختلف معجزات بالخصوص احیاء موتی و اشفاء اکمہ
وابرص وغیرہ سے متعلق پیش کرتے رہے جب لوگوں کو ان کی نبوت کا یقین ہوگیا تو وہ
غائب ہوگئے ۳۳ سال کی عمر میں دوبارہ ظاہر ہوئے یہودیوں نے شدید اختلاف کیا۔
ایک سمندر کے کنارے کچھ مچھیروں اور چرواہوں کو وعظ فرمایا اور پھر انھیں صلیب
دے دی گئی۔

کیا صرف اتنی ہی زندگی سے مہد سے لے کر لحد تک کے لئے کوئی دستور حیات
تیار ہوسکتا ہے اگر کوئی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زندگی سے معاشرتی مسائل اخذ کرنا
چاہے سلطنت وحکومت کے قوانین طلب کرے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے متعلق
سوال کرے قانون ازدواج و پرورش اولاد و حقوق والدین وغیرہ کے متعلق پوچھے تو ان
کی موجودہ مشہور زندگی میں ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

یہ تو اسلام اور پیغمبر اسلام کا احسان عظیم ہے کہ انھوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام
کو پیغمبر اور وجیھاً فی الدنیا والآخرۃ قرار دے کر عیسائیت کی آبرو رکھ لی ورنہ آج
عیسائیوں کو یہ بھی ثابت کرنا دشوار ہوجاتا کہ حضرت عیسٰی نام کی کوئی تاریخی شخصیت بھی
کبھی جلوہ گر ہوئی تھی۔ غالباً اسی بات کی طرف حضرت عیسٰی نے اپنے آخری خطبے میں ارشاد
فرمایا تھا کہ۔

"دنیا نے اپنے سردار کے پہچاننے میں غلطی کی ہے جب وہ روح الحق فارقلیط احمد
صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوگا تو میری صحیح حیثیت کو دنیا کے سامنے پیش کرے گا۔"

تقریباً یہی حال دنیا کے دوسرے مذاہب کا بھی ہے قرآن عظیم کا مطالعہ کریں تو یہود
کا بھی حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نظر نہ آئے گا ہنود وغیرہ کے یہاں جو اوتار وغیرہ
کا عقیدہ ہے وہ تو ارباب فہم کے نزدیک بدیہی البطلان ہے ان پر گفتگو کرنا تضیع

اوقات کے مرادف ہوگا۔

لیکن یہاں آکر ہمیں اسلام کی حقانیت کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑتا ہے
اس لئے کہ اس نے جو عقیدۂ رسالت پیش کیا ہے جامع، کامل، عظیم، واضح اور
روشن ہے اسلام انبیاء اور رسل کو مصطفٰی اور برگزیدہ تصور کرتا ہے وہ انھیں
خدا کی نگاہ قدرت کا انتخاب کہتا ہے وہ ان کی ہر ہر حرکت و عمل کو منجانب اللہ
یقین کرتا ہے وہ ان کے نطق پاک کو خدا کا کلام قرار دیتا ہے ان کے ارشادات
کو منشاء ایزدی سے تعبیر کرتا ہے انھیں بشریت عامہ کی سطح سے بہت بلند تصور
کرتا ہے اس طور پر کہ ایک غیر نبی انسان لاکھ ترقی کر جائے مگر نبی نہیں ہوسکتا اور
ان میں سب سے بڑھ کر یہ عقیدہ ہے کہ وہ عصمت انبیاء کا قائل ہے۔ اسلام کی
نگاہ میں ہر نبی و رسول معصوم عن الخطاء ہے اس لئے کہ اگر نبی ارتکاب خطاء
کرسکتا ہے تو یقیناً جو قانون وہ عطا کرے گا اس کو بھی ہم خطاء سے پاک تصور نہیں
کرسکتے اس طور پر صرف نبی کی ذات ہی نہیں بلکہ پورا قانون حیات مجروح ہوجائے گا
پھر یہ دعویٰ ممکن نہ ہوگا کہ ہمارے نبی نے ہم کو جو قانون عطا فرمایا ہے وہ مبرا عن
الخطاء ہے، افضل ترین ہے، اس سے بہتر قانون کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر
کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ہماری جمعیۃ رہبان وقسیسین نے اور پاپایان کلیسا نے دوسرے
لفظوں میں خدایان مسیحیت نے غور وفکر کے بعد فیصلہ دے دیا ہے کہ اس میں کوئی خطا
نہیں ہے تو یہ اور حیرت انگیز بات ہوگی اس لئے کہ نبی کی مقدس ترین زندگی اور اس
کے پیغام کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت فرمانے والا خدا ہے نبی کے امتی نہیں یہ بات
تو اس سے بھی زیادہ عجیب ہوگی کہ قانون ساز پارلیامنٹ کے عالی دماغ افراد سڑک
پر کھڑے ہوکر عوام الناس کی بھیڑ سے سند صحت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں
یونہی اگر جس کے ناکام طرفین کے اقوال باطلہ کی طرح سے نبی کو اپنے ہی جیسا فرض کر

کرلیا جائے تو پھر ہم اس کے قوانین کو بالائے طاق رکھ کر خود قانونِ حیات کی ترتیب
کا حق رکھتے ہیں اس لئے کہ جب نبی ہمارے ہی جیسا ہے تو ہمیں بھی حق ہے کہ ہم
قانون بنالیں یا پھر اس بات کی کیا ضمانت کہ نبی سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی ہوگی
یا پھر یہ کہ نبی نے جس ماحول میں بیٹھ کر قانون پیش فرمایا تھا۔ یقیناً وہ اس کے مطابق
ہوگا مگر آج حالات بدل گئے ہیں نبی کو غیب معلوم نہیں تھا نبی نے آج کے موجودہ حالات کا
جائزہ نہیں لیا ہوگا۔ اسی لئے آج سے ۱۴ سو برس پہلے والا قانون آج کے لئے ناقابل
عمل ہے ...... مگر اسلام نے جو تصورِ رسالت پیش فرمایا ہے وہ ان تمام فتنوں
کا سدباب کردیتا ہے اسلام اس بات کا قائل ہے کہ ماضی حال مستقبل سب نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی نگاہوں کے سامنے ہیں ان کا عطا فرمودہ قانون حیات سب پر حاوی ہے
نہ ماضی کے اندر طاقت تھی کہ نبی کے قانون کو چیلنج کرسکتا اور نہ عصر جدید کے اندر
طاقت ہے کہ نبی علیہ السلام کے قانون سے بہتر کوئی قانون پیش کرسکے اور نہ عصور
مستقبلہ میں یہ ممکن ہوسکے گا۔ یوں ہی قرآن نے نبی علیہ السلام کو بشر تو فرمایا ہے
مگر عام انسانوں جیسا نہیں بلکہ سید البشر امام الانبیاء حامل نیابت مطلقہ و افضلیت
عامہ ظاہر ہے اس عقیدۂ رسالت کے بعد نبی کی حیات پاک ہر لغزش اور ہر خطا سے معصوم
مصئون ہے جو مذہب اس قدر پاکیزہ تصور رسالت پیش کرتا ہو اس کو حق ہے
کہ وہ ایک عالمگیر نظام حیات کے حامل ہونے کا دعویٰ کرسکے اور کائنات اس کے دعوے
پر ایمان لائے۔

(۲) نظامِ عبادت

اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی عبادتوں کا جائزہ لیجئے تو یہ محسوس ہوگا
کہ مسیحیت یہودیت ہندومت بودھ مت میں عبادت رہبانیت اور ترک لذات کا

نام ہے عبادت زندگی نہیں دیتی بلکہ زندگی سے فرار سکھاتی ہے۔ عبادت زندگی کا حوصلہ
مستقبل کا عزم، کامیابی کا یقین اور جرات و ہمت بخشنے کے بجائے یاس، قنوطیت
عافیت پسندی، نزاع فطریہ سے علیحدگی، زندگی اور زندگی کے اقدار عزت سے
بیزاری بخشتی ہے وہ انسان کی بہترین صلاحیتوں کو فنا کردیتی ہے جن کے ذریعے سے
وہ جہانبانی کے فرائض انجام دے سکتا تھا۔ وہ انسانوں کا رشتہ انسانوں سے توڑ دیتی
ہے اور صومعہ نشینی یا صحرا نوردی کا حکم دیتی ہے جہاں یہ نغمہ گنگنایا جاتا ہے

"کسے را با کسے کارے نباشد"

ظاہر ہے کہ یہ نظام عبادت اس دنیا کے بسنے والوں کا نہیں ہو سکتا جہاں زندگی
کی حرارت تعاون اور تعامل پہ قائم ہوتی ہے جہاں خوشیاں ہیں مسرتیں ہیں غم و اندوہ ہیں
قہقہے اور نغمے ہیں سسکیاں اور آہیں ہیں۔ جہاں جذبات و احساسات کی کارفرمائی
ہے جہاں فطرت کا حسن کائنات کی ہر شئے کو دعوتِ نظارہ دے رہا ہے۔ جہاں
ہر گیاہے کہ از زمیں روید   وحدہٗ لاشریک لہ گوید
کے نغمے بربطِ دل پہ چھڑتے ہیں۔
اور جہاں برگ درختان سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار
کی آئینہ بندی ہے

جو عبادت زندگی کی عظمتوں کے حصول کی تڑپ کے بجائے زندگی سے بیزاری کا
درس دیتی ہے وہ زندگی نہیں بلکہ موت ہے اس کے برعکس اسلام کا نظام عبادت
کس قدر خوبصورت اور زندگی کی عظمتوں سے بھرپور ہے اسلام ایک خدائے وحدہٗ
قدوس کی بارگاہ میں سجدے کا حکم دیتا ہے تو دوسری طرف رزمگاہ حیات میں تیزگامی کو
لازمۂ حیات قرار دیتا ہے۔ رهم بالليل رهبان وبالنهار فرسان ہے اپنے ماننے والوں

کی صفت بیان کرتا ہے اسلام ایک طرف تو توکل علی اللہ کا حکم دیتا ہے تو دوسری طرف
لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ کے مقدس فرمان سے ہموار فکر و عمل کو مہمیز دیتا ہے۔
اسلام اگر روزے کا حکم دیتا ہے تو دوسرے مذاہب کے برت کی طرح آسودگی شکم
کے لئے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کی
بھوک کو محسوس کر کے دوسروں کے لئے آسودگی حیات کا سامان فراہم کرنے کے لئے
اسلام اگر حج پاک کا حکم دیتا ہے تو صرف اس لئے نہیں کہ چند دنوں کے لئے علائق
دنیوی سے قطع تعلق کر کے اللہ کی راہ میں جہاد بالنفس کی لذت کشی کی جائے بلکہ اس کے
ساتھ ساتھ ایک اجتماعی مرکز اسلام سے وابستہ ہونے کے لئے کعبۃ اللہ کی دیواروں کے
نیچے سجدہ ریزی کا حکم دیتا ہے تاکہ وحدت کلمہ کی بنیاد پر انسان رنگ و نسل کے تمام
امتیازات کو فراموش کر کے طبقاتیت کی تمام دیواروں کو ڈھا کر نسلی اور جغرافیائی حد بندیوں
سے آزاد ہو کر اپنے وجود کو اسلام کے ایک مقدس ترین معاشرے کا ایک فرد تصور
کرے جس میں ایک انسان دوسرے انسان کی تمام تر انسانی قدروں کا محافظ ہے
جہاں ایک کا درد دوسرے کا درد اور ایک فرد کی خوشی تمام ملت اسلامیہ کی مسرت
سے تعبیر کی جاتی ہے۔

عبادت کے نظام کا جائزہ لیں تو یہاں بھی زندگی سے فرار نہیں بلکہ زندگی کے
بحر ناپیدا کنار میں اپنے قطرۂ وجود کو فنا کر دینے کا نام ہے ع

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا ،،

۲۴ گھنٹے میں ۵ بار ایک محلہ کے لوگ محلہ کی مسجد میں حاضر ہو کر اپنی وحدت ملی کا ثبوت
دیں سال میں ایک بار اطراف و جوانب کے لوگ عید گاہ میں حاضر ہو کر اجتماعی زندگی
کی سرگرمیوں سے ہمکنار ہوں اور زندگی میں ایک بار کعبۃ اللہ کی دیواروں کے نیچے تمام
دنیا کے مسلمان رنگ و نسل جغرافیائی تقسیموں اور قومی و نسلی غرور کو پاش پاش کر کے

اجتماعی سجدہ نیاز پیش کریں۔
عبادت کے لئے بھی کسی خاص گوشۂ عافیت کی اس طور پر قید نہیں لگائی گئی کہ
اس کے بغیر عبادت ممکن ہی نہیں بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
میرے لئے پوری زمین سجدہ گاہ ہے۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ
کریں تو یہ بات ثابت ہوگی کہ اللہ کی بارگاہ میں سر جھکانا بھی عبادت ہے۔ اور اللہ
کے بندوں سے پیار کرنا بھی عبادت۔ اسلام میں عبادت زندگی بخشتی ہے زندگی کا وقار
عطا فرماتی ہے آفاق و انفس پر حکمرانی کا مستحق بناتی ہے استقلال و ہمت بخشتی ہے
جرات و حوصلہ سے نوازتی ہے خدا کی بارگاہ میں سر جھکا کر اپنی انسانی خودی کی حفاظت
کا درس دیتی ہے۔ اندازہ فرمائیں کہاں اسلام کا پاکیزہ ترین نظام عبادت اور کہاں دوسرے
مذاہب کی عبادتیں جن کا نقشہ قرآن عظیم نے اپنی اس آیت کریمہ میں کھینچا ہے

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً

اور ان کی عبادت تو گھر کے پاس صرف سیٹیاں اور تالیاں ہیں۔

(۳) نظام اخلاق

نظام عقائد اور نظام عبادت کی طرح سے دنیا کے دوسرے مذاہب کے دامن
ایک باضابطہ نظام اخلاق سے بھی خالی ہیں۔ اس لئے کہ اس وقت ہمارے سامنے
متمم مکارم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جتنے بھی معلمین اخلاق کے صحائف موجود
ہیں ان میں انسان کی صرف چند خصلتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے یا صرف چند کمزوریوں کی
طرف نشاندھی کی گئی ہے چند خوبیوں کا تذکرہ ہے جسے انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے
مثال کے طور پر مسیحیت ہی کو لیجئے اس کی کل اخلاقی تعلیمات کو صرف ان چند جملوں میں سمیٹا
جا سکتا ہے۔

۱۔ اکرام والدین ۲۔ خونِ ناحق سے پرہیز ۳۔ زنا سے بچاؤ ۴۔ سرقہ سے دست کشی ۵۔ شہادت کاذبہ سے احتیاط۔

میں عرض کرتا ہوں کیا ان چند اخلاقی تعلیمات سے انسان کی پوری زندگی کو سنوارا جا سکتا ہے کیا مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے تمام گوشوں پر یہ تعلیمات حاوی ہیں کیا ان تعلیمات میں انسان کے ان تمام رشتوں کا تذکرہ ہے جن سے وابستہ انسان کی پوری زندگی کو صرف ان چند اوامر و نواہی کے حوالہ کیا جا سکے، ان سوالات کا جواب آپ کو یقیناً نفی میں ملے گا اس کے برعکس اگر آپ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت ہی تکمیلِ اخلاق ہے خود ارشاد فرماتے ہیں

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

قرآن عظیم ان کے مقدس منصب کی نشاندھی فرما رہا ہے وانک لعلیٰ خلق عظیم ۵ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام اخلاق انسان کی پوری زندگی کے اوپر چھایا ہوا ہے مہد سے لے کر لحد تک زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے اسلام کی اخلاقی پابندیاں موجود نہ ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ سرکار عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب ایک شخص نے سوال کیا کہ اے ام المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق پاک کیا تھا تو انھوں نے ارشاد فرمایا کان خلقہ القرآن ان کا خلق قرآن ہے قرآن پاک میں الحمد کی الف سے لے کر والناس کی س تک ہر آیت کریمہ پر تمہیں تصویر کردار مصطفےٰ نظر آئے گی۔

ایک اور نقطہ نظر سے اگر آپ مسیحی اخلاقیات کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مسیحی اخلاقیات کا حاصل صرف تذلل اور انفعال ہے۔ خدا کے علاوہ انسانوں کے آگے بھی جذبۂ خود سپردگی ہی اس کا خلاصہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب

یہ جملہ زبان زد عوام و خواص ہے من ضربک علی خدک الایمن فادر له الایسر جو تمہارے داہنے رخسار پر طمانچہ مارے اُسے بایاں رخسار خود بخود پیش کر دو کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ جو تمہارے ایک کلیسا پر حملہ کرے اس کو دوسرا کلیسا بھی پیش کر دو جو تمہاری ایک مملکت چھین لے اسے دوسری مملکت بھی پیش کر دو کیا یہ تعلیم کسی نظام سلطنت واقتدار کے لئے کوئی اخلاقی ضابطہ دے سکتی ہے اس تعلیم کی روشنی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ناممکن ہے ظلم کا استیصال اور عدل کی بحالی محال ہے کمزوروں کا تعاون اور ظالمانہ قوتوں کی مدافعت بعید از قیاس ہے یہی وجہ ہے کہ مشہور جرمن مفکر نطشے نے جب مسیحی اخلاقیات کا مطالعہ کیا بیساختہ پکار اٹھا۔

مسیحیت کی اخلاقی تعلیمات، انحطاط، تذلل، اور بوسیدگی کی طرف مائل ہیں۔
وہ انسان کی بہترین صلاحیتوں کو فنا کر دیتی ہیں۔

ڈاکٹر کیلی نے بھی اسی مفہوم کو پیش کیا ہے۔
جا و بیجا انکسار اور فروتنی ظلم کے سامنے خود سپردگی یہ ساری خصلتیں مسیحیت کی پیداوار ہیں غیر متمدن دنیا کے لئے ممکن ہے کہ اس طرز اخلاق میں زندگی رہی ہو مگر آج کی متمدن دنیا کا مسیحی اخلاقیات میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں وہ اعلان کر رہا ہے کہ عیسائیت کی اخلاقی قدریں عصر جدید اور تمدن حاضر کا ساتھ نہیں دے سکیں اس کے برعکس اگر آپ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور اسلام کی اخلاقی قدروں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے جہاں تواضع اور انکسار کا حکم دیا ہے وہیں ظلم کفر اور عصیان وسرکشی کے مقابلے میں جہاد کا بھی حکم دیا ہے اسلام ایک نظام عدل ہے ایک متوازن نظام خلق ہے یہی وجہ ہے کہ آج پورے یورپ نے مسیحیت کی اخلاقی تعلیمات سے عملاً کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اور اسلامی اخلاق حسنہ کو انھوں نے شعوری اور لاشعوری دونوں طریقوں سے قبول کر لیا ہے۔ غور

فرمائیں کہ دنیا کے سب سے بڑے مدعی اخلاق مذہب (مسیحیت) کا جب یہ عالم ہے تو یہودیت
بودھ مت اور ہندومت وغیرہ کا کیا عالم ہوگا جہاں کسی اجتماعی اخلاق کا کوئی تصور ہی
نہیں ہے محض بعض صداقتوں کی طرف کچھ مبہم اشارے ہیں جو انسان کی مکمل رہنمائی
نہیں کر سکتے جب اسلام کے علاوہ دنیا کے تمام مذاہب کے نظام عقائد نظام عبادت
نظام اخلاق، کا ناقص ہونا ثابت ہوگیا تو آئیے ہم قرآن عظیم کی اس آیت کریمہ کی تلاوت
کریں۔

ان الدین عند اللہ الاسلام

بے شک دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے

حضرت علامہ مولانا زین العابدین صاحب ٹانڈوی

قبر پر عمارت بنانا چراغ جلانا پھول اور چادر ڈالنا

اولیائے کرام مشائخ عظام کی قبروں کے آس پاس عمارت بنانا یا قبہ تعمیر کرنا
جائز ہے۔ اس کا مقصد صاحب قبر کو سایہ کرنا نہیں ہے بلکہ ان حضرات کی عظمت ظاہر
کرنا اور زائرین کو آرام پہونچانا ہے جو وہاں فیوض و برکات حاصل کرنے کی خاطر
حاضر ہو کر تلاوت قرآن کریم اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔ عینی شرح بخاری میں ہے

وهي اشارة الى ان ضرب الفسطاط لغرض صحيح كالتستر من الشمس
مثلا للاحياء لا لاظلال الميت جاز۔ یہ اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لئے
خیمہ لگانا جائز ہے جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے نہ کہ میت کو سایہ کرنے
کے لئے۔ حضرت امام حسن بن حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کی
بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ بنائے رکھا الفاظ یہ ہیں ضربت امراتہ القبة
علی قبرہ سنۃ (مشکوٰۃ) اور تفسیر روح البیان جلد ۳ پارہ ۱۰ میں زیر آیت انما
یعمر مسجد اللہ ہے۔ قباب القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء
امر جائز اذا کان القصد بذلک التعظیم فی اعین العامہ حتی لا

لیحتقر واصاحب ھذا القبر ۔ یعنی علماء اولیاء صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا ہو تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں ۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں ۔ قد اباح السلف البناء علی قبور المشائخ والعلماء المشہورین لیزورھم الناس ویستریحوا بالجلوس ۔ یعنی علماء متقدمین نے مشہور مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارت بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی لوگ زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں ۔ شامی میں ہے وقیل لا یکرہ البناء اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات کہا گیا ہے ۔ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے ۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے نھی رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یجصص القبور وان یبنیٰ علیہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ قبروں کو پختہ کیا جائے اور اس پر عمارت بنائی جائے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبروں کو پختہ کرنا اور اس پر عمارت بنانا ممنوع ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ممانعت قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ کرنے سے ہے اور یا ممانعت عام مسلمانوں کی پختہ کرنے سے ہے اور یا ممانعت عام مسلمانوں کی قبروں کو پختہ کرنے سے ہے کیونکہ یہ بے فائدہ ہے لیکن اولیائے کرام کی قبروں کو پختہ کرنا تو اس کی ممانعت نہیں ہے ۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا اور حضرت خارجہ اسی کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جوان تھے تو ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کو پھلانگ جاتا ان اشدنا وثبتہ الذی لیثب

قبر عثمان بن مظعون حتی یجاوزہ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف سرہانے قبر سے الگ وہ پتھر نصب نہیں تھا بلکہ قبر سے متعلق ہو کر تھا مگر اس روایت میں صرف سرہانے کی طرف نصب کرنے کا ذکر ہے ۔ اب رہا قبر پر عمارت بنانا ممنوع تو یا اس کا تعلق تمام لوگوں کی قبروں سے ہے اور یا خاص قبر پر عمارت بنانا اس طرح کہ دیوار یا ستون قبر پر ہو کیونکہ جس چیز سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے اس سے صاحب قبر کو بھی تکلیف ہوتی ہے علمائے کرام فرماتے ہیں المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی جس بات سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں (ردالمحتار) فتح القدیر میں ہے ۔ الاتفاق علی ان حرمۃ المسلم میتا کحرمتہ حیا ۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان پر میت کی عزت و حرمت اس کی زندگی ہی کی طرح ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کسر عظم المیت واذاہ ککسرہ حیا مردے کی ہڈی توڑنا اور اسے ایذا پہونچانا ایسا ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا (امام احمد ابوداؤد ابن ماجہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ۔ لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیر لہ من ان یجلس علی قبر ۔ بے شک آدمی کو انگارہ پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک پہونچ جائے اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے (مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ)

عام مسلمانوں کی قبروں پر بلا ضرورت چراغ جلانا ناجائز ہے اور اگر ضرورت ہو تو جائز ہے اور ضرورت کی صورتیں یہ ہیں کہ کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو ۔ البتہ مزارات اولیاء پر بغیر ان ضرورتوں کے ان کی اظہار عظمت کے لئے چراغ جلانا جائز ہے ۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے ۔ اخراج الشموع الی القبور بدعۃ واتلاف مال کذا فی البزازیۃ وھذا کلہ اذا خلا عن فائدۃ واما

اذا كان موضع القبور مسجدا او على طريق او كان هناك احد جالساً
او كان قبر ولي من الاولياء او عالم من المحققين تعظيماً لروحه اعلاماً
للناس انه ولي ليتبركوا به ويدعوا الله تعالى عنده فيستجاب لهم فهو
جائز قبروں پر چراغ رکھنا بدعت اور مال ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے
یہ حکم اس وقت ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا کہ قبر راستہ پر ہو
یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو
بتلانے کے لئے کہ یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کریں اور وہاں اللہ تعالے
سے دعا کریں تو چراغ جلانا جائز ہے اور تفسیر روح البیان میں ہے وکذا ایقاد
القناديل والشموع عند قبور الاولياء والصلحاء والاجلال للاولياء
فالمقصد فيها مقصد حسن ونذر الزيت والشمع للاولياء يوقد عند قبورهم
تعظيما لهم ومحبة فيهم جائز لا ينبغي النهي عنه ۔ اس طرح اولیاء صالحین کی قبروں
کے پاس قندیلیں اور موم بتیاں جلانا ان کی عظمت کے لئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے اس لئے
جائز ہے اور اولیاء اللہ کے لئے تیل اور موم بتی کی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے اظہار کے لئے
ان کی قبروں کے پاس جلائی جائیں جائز ہے اس سے روکا نہ جائے۔

ہر مومن کی قبر پر پھول ڈالنا جائز ہے۔ چاہے اولیاء مشائخ ہوں یا گنہگار۔ تر پھول
میں ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے اس لئے وہ تسبیح کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اسکے
عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اس کی اصل مشکوۃ شریف کی وہ حدیث ہے جو ابن عباس
رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا مر النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بقبرین
فقال انهما ليعذبان وما يعذبان في كبير اما احدهما فكان لا يستتر
من البول وفي رواية المسلم لا يستنزه من البول اما الآخر فكان يمشي

بالنميمة ثم اخذ جريدة رطبة فشقها بنصفين ثم غرز في كل
قبر واحدة قالوا يا رسول الله لم صنعت هذا فقال لعله ان يخفف
عنهما ما لم ييبسا ۔ حضور صلی اللہ تعالے علیہ وسلم دو قبروں پر گذرے پس فرمایا کہ
یہ دونوں عذاب کئے جاتے ہیں اور کسی بڑے امر میں عذاب نہیں کئے جاتے ہیں (یعنی
ان کے عذاب کا سبب کوئی بڑا گناہ نہ تھا) لیکن ان میں کا ایک پیشاب سے چھپتا نہ
تھا یعنی پیشاب کرتے وقت پردہ کا لحاظ نہ کرتا تھا مسلم کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے
بچتا نہ تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا پھر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم
نے خرما کی ایک تر شاخ لیکر اس کے دو حصے کئے پھر ہر قبر میں ایک حصہ کو جا دیا۔
صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یہ آپ نے کس لئے کیا۔ فرمایا کہ
ان دونوں قبر والوں کے عذاب میں تخفیف ہوگی جب تک کہ یہ دونوں حصے شاخ خرما کے
تر رہیں۔ اشعۃ اللمعات میں شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ
اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔ وتمسک کنند جماعت بہ این حدیث در انداختن
سبزہ وگل وریحان بر قبور اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکڑتی ہے قبروں پر
سبزہ پھول اور ریحان ڈالنے کے جواز میں۔ یہاں چند باتیں مخالفین پیش کرتے
جن سے ان کا مقصد اس عمل سے منع کرنا ہے۔ مگر کوئی بات ان کی پائدار نہیں
ہر ایک بات کا جواب دیا گیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ تر شاخ جمانے سے عذاب
تخفیف ہونا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے اس کا جواب
کہ یہ محض دعوی بلا دلیل ہے۔ اصول فقہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضور
تعالی علیہ وسلم کے افعال شریفہ کا ادنی درجہ مباح ہوتا ہے۔ جبکہ شرعی دلیلوں
سے کوئی دلیل خصوصیت پر قائم نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تخفیف عذاب

دعا سے ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک میں تر شاخ کی قید ہے اگر تخفیف
دعا سے ہوئی تو یہ قید بے فائدہ ہوگی اور اس فرمان سے کہ عذاب میں تخفیف ہوگی
جب تک کہ یہ تر ہے معلوم ہوا کہ تر شاخ سے تخفیف ہوئی۔ شامی میں ہے۔ ولتعلیلہ
بالتخفیف عنہما مالم ییبسا ای یخفف عنہما ببرکۃ تسبیحہما اذھو
اکمل من تسبیح الیابس لما فی الاخضر نوع حیاۃ۔ عذاب کی کمی کی علت انکا
خشک نہ ہونا ہے یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے عذاب میں کمی ہوئی کیونکہ تر شاخ کی
تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے اور شامی
میں ہے۔ ومن الحدیث ندب وضع ذلک للاتباع ولقیاس علیہ ما
اعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوہ وصرح بذلک ایضا
جماعۃ من شافعیہ وھذا اولیٰ ما قالہ بعض المالکیۃ من ان تخفیف
عن القبرین انما حصل ببرکۃ یدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او دعائہ
لہما فلا یقاس علیہ غیرہ وقد ذکر البخاری فی صحیحہ ان بریدۃ ابن
الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوصیٰ بان یجعل فی قبرہ جریدتان
یعنی تر شاخیں قبر پر رکھنے یا ڈالنے کا مستحب ہونا حدیث سے ثابت ہے اور اسی پر
قیاس کیا جائے جو ہمارے زمانہ میں آس وغیرہ کی شاخیں ڈالنے کی عادت ہوگئی ہے
شافعیوں کی ایک جماعت نے بھی اس کی تصریح کی ہے اور یہ مالکیوں کے اس قول
سے اولیٰ ہے کہ تخفیف دونوں قبروں میں بسبب برکت دست مبارک حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے ہوئی یا آپ کی دعا سے ان دونوں کے لئے پس اس پر قیاس نہ کیا جائے گا اور
بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ بریدہ رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور
کی دو شاخیں رکھدی جائیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر تخفیف عذاب کے لئے تو نیکوں کی

قبروں پر نہ ڈالنا چاہئے۔ جیسا کہ مولوی اشرف علی نے اصلاح الرسوم میں لکھا ہے کہ
پھول وغیرہ فاسقوں اور فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہئے نہ کہ اولیاء کی قبروں پر
ان کے مزاروں میں عذاب ہے ہی نہیں جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے
اس کا جواب یہ ہے کہ جو اعمال گنہگاروں کے دفع عذاب کے لئے ہیں وہ نیکوں کے
بلندی درجات کے باعث ہیں۔ اور حضرت بریدہ کی وصیت اور شامی کی عبارت سے
معلوم ہوا کہ صرف گنہگاروں کے لئے نہیں ہے۔ اور عالمگیری میں ہے وضع الورود
والریاحین علی القبور حسن۔ قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا اچھا ہے۔
اولیاء کرام کی قبروں پر چادر ڈالنا جائز ہے اس لئے کہ اس سے عام زیارت
کرنے والوں کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ شامی میں ہے قال
فی فتاوی الحجۃ وتکرہ الستور علی القبور ولکن نحن نقول الآن
اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب
القبر بل جلب الخشوع والآداب للغافلین الزائرین فھو جائز
لان الاعمال بالنیات۔ یعنی فتاوی حجہ میں ہے کہ قبروں پر پردے مکروہ ہیں
لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہو تاکہ وہ صاحب
قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور خشوع حاصل ہو تو جائز ہے
کیونکہ عمل نیت سے ہے اور تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ میں ہے
بناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستور
والعمائم والثیاب علی قبورھم امر جائز اذا کان القصد بذلک
التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب ھذا القبر علماء
اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلاف اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا جائز
ہے جبکہ اس سے مقصود یہ ہو کہ عوام کی نگاہ میں انکی عزت ہو اور لوگ انکو حقیر نہ جانیں۔

مالک تعالیٰ علم

فاضل جلیل حضرت مولانا محمد سلیم اختر صاحب پورنوی

عقیدۂ تقدیر

دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی ماہیت سے کما حقہ واقفیت تقریباً ناممکن ہے ان میں سے بعض کی نوعیت خارجی وجوہ سے فہم و ادراک میں نہیں آتی۔ اور بعض عقل و فہم سے بالاتر ہونے کے سبب سمجھ میں نہیں آتیں موخر الذکر اشیاء میں سے بعض وہ اشیاء ہیں جو مذہبی طریقے پر ایک امتحان قدرت ہوتی ہیں۔ اور بے راہ روی مداخلت بیجا سے عمر بھر کے حسنات رائیگاں جاتے ہیں مسئلہ تقدیر بھی انہیں میں سے ہے۔

مسئلہ تقدیر کی نزاکت نوعیت و ماہیت مسلم امر ہے لیکن انسان جو بالطبع غیر معلوم اشیاء اور منع کی ہوئی چیزوں کے حالات معلوم کرنے پر حریص ہے مسئلہ تقدیر میں بھی اپنی محدود عقل سے کام لینے میں نہ چوکا۔ اور آخر ایسے ارتکاب کا مرتکب ہوا جو اس کی مذہبی زندگی کے شایان نہ تھے۔

بعض نے کہا کہ تقدیر کا خیر و شر سب خدا کی طرف سے ہے۔ اور عذاب و ثواب یا جزا و سزا کوئی چیز نہیں ہے۔ بعض نے قرار دیا کہ تقدیر اور فاعل تقدیر نیز خالق تقدیر کوئی چیز نہیں۔ دنیا ابتدا سے چلی آتی ہے۔ اور اسی طرح چلتی رہے گی۔ نظام عالم خود فطرت ہے۔ اس کا کوئی جز خلاف فطرت نہیں۔

بعض نے کہا کہ امور نیک مقاصد خیر تقدیر ہیں۔ برائیاں اور ناقص ارادے تقدیر میں نہیں یہ انسانی یا شیطانی فعل ہے غرض ہر شخص نے تقدیر کو اپنی محدود عقل کے موافق سمجھا۔ اور جو ناقص

فہم میں آیا۔ قرار دے لیا یہ اختلاف خطرناک اس وجہ سے واقع ہوئے۔ کہ انسان نے ایک ایسے مسئلہ میں اپنی عقل سے کام لیا جو اس کی عقل سے بالاتر تھا اسلام نے اپنے مطیع و معتقدوں کو حکم دیا ہے کہ وہ تقدیر کے مسئلہ میں عقل سے کام نہ لیں تقدیر کا مسئلہ خالق تقدیر کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اس میں کلام کرنا دین و دنیا موجب خسران ہوگا۔

اسلام کے اس پاکیزہ حکم نے ہمارے فرائض مسئلہ تقدیر سے متعلق صرف اتنے رکھے ہیں کہ ہم بحیثیت پیرو مذہب ہونے کے تقدیر کو بحکم الہی جان کر درک کنہ و حقیقت سے باز رہیں اور ایک لفظ بھی اس کے متعلق نہ نکالیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اسلام کے ماننے والوں نے جہاں اسلام کے اکثر حصص سے روگردانی اختیار کرلی ہے اور دیگر قوموں کے شعائر و خصائل کو پسند کرلیا ہے وہاں مسئلہ تقدیر میں بھی بہت سی باتیں پیدا کرلی ہیں۔ اور الانسان حریص علی ما منع کے مصداق بنکر تقدیر کے مسئلہ میں شرعی و مذہبی ممانعت کا ذرہ بھر خیال نہیں کیا ہے جس سے ایک مذہبی قوم کی مذہبی زندگی کو نہ صرف نقصان پہونچ رہا ہے بلکہ بین طور پر تعلیم اسلام کو ناکافی و اپنی سمجھ سے کمتر درجہ دیا جارہا ہے۔

ذیل میں ہم مسئلہ تقدیر کو نہایت واضح طریق پر تعلیم اسلام کے مطابق درج کرتے ہیں۔ اور دکھاتے ہیں کہ بزرگان اسلام نے اس سے زیادہ تقدیر کے بارے عقل محدود سے کام لینے اور ناقص سمجھ کی تاویلات کا جامہ پہنانے سے منع قرار دیا ہے اس لئے ہمارے لئے کوئی ضرورت اس امر کی داعی نہیں ہوسکتی کہ ہم خواہ مخواہ اس مسئلہ میں گفتگو کرنے یا اپنی سمجھ سے نوعیت تقدیر کو مطابق کرنے کی کوشش کریں

تقدیر کا مادہ قدر ہے جو دال کے سکون و فتح دونوں طریق پر صحیح ہے لغت میں قدر کے معنی ،، اندازہ کردہ خدا برائے بندہ،، لکھے ہیں۔

معنی مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت تقدیر خدا کا ایک اندازہ ہے جو اس نے

انسان کے واسطے قرار دیا ہے۔ اس لئے خدا کے اندازہ میں مداخلت کرنا کسی نوع بھی درست نہیں

بزرگان مذہب نے لکھا ہے کہ تقدیر تین قسم پر منقسم ہے

۱۔ تقدیر معلق ——————— یعنی وہ تقدیر جو علم و اندازہ باری تعالیٰ میں حکم قطعی نہیں رکھتی کہ اس کے خلاف ناممکن ہو۔ بلکہ اس میں ابھی تعلیق ہے۔ جب تک کہ خدا کے اندازہ کے موافق کوئی خارجی اس کی تعلیق کو حکم قطعی سے نہ بدل دے جو شئے اس تعلیق کو بدلنے والی ہے اس کا علم و اندازہ خدا کو ہے لیکن اس میں مصلحت یہ ہے کہ نظام عالم کے اسباب جن کا تعلق تقدیر معلق میں ہے اکرنے سے بے بیکار نہ ہو جائیں۔ اس تقدیر کی تعلیق دعا یا دوا وغیرہ سے حکم قطعی اختیار کر لیتی ہے۔ اور تعلیق جاتی رہتی ہے۔ دنیا میں دعاوں کی قبولیت دواؤں کا اثر اور ان صدقات وعبادت کے نتائج کا ترتب جو مخصوص طور پر کسی کام کے لئے کئے جاتے ہیں اسی تقدیر پر موقوف ہے۔

۲۔ تقدیر مبرم ——————— یعنی وہ تقدیر جو خداوند تعالیٰ نے غیر موقوف وغیر معلق قرار دی ہے جس کا حکم قطعی اور خداوند تعالیٰ کا اندازہ قطعی وغیر تغیر پذیر ہے اس تقدیر میں جو اندازہ خدا نے کر دیا ہے وہ ضرور وقوع میں آئے گا اس کے خلاف ناممکن ہے

۳۔ تقدیر بعلم الٰہی ——————— یہ تقدیر نہ معلق ہے نہ مبرم اس خصوص تقدیر میں خاصان خدا کو عرض ومعروض کی اجازت ہے مذکورہ بالا تشریحات سے معلوم ہوگا کہ دنیا میں مصائب و ابتلاء خواہش و آرزو جس قدر امور انسانی ہستی سے متعلق ہیں وہ تقدیر سے ضرور تعلق رکھتے ہیں لیکن چونکہ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ وہ تقدیر کی کس صنف میں ہیں اس سے جد وجہد دعا و دوا اور ہر ایک قسم کی مناسب و ضروری تدابیر سے دست کش نہیں ہونا چاہئے ممکن ہے جس چیز کی خواہش ہم کو ہے وہ معلق بعلم الٰہی ہو۔ مبرم نہ ہو اور تدابیر سے ہم اس میں کامیاب ہو جائیں۔ کتب تصوف میں امور خرق عادات اور بہت سے ایسے واقعات

ہمیں ملتے ہیں۔ جو تقدیر معلق کے ثبوت میں بہترین دلائل ہو سکتے ہیں۔

حضرت غوث اعظم اور ان کے پیر حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ کہ ایک شخص حضرت حماد رحمۃ اللہ کی خدمت میں سفر تجارت کی اجازت حاصل کرنے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے اس سفر میں مجھے جانی ومالی نقصان نظر آتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس سفر کو ترک کر دیا جائے۔ شخص مذکور دوبارہ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اجازت سفر چاہی۔ حضرت نے اجازت عطا فرمائی، شخص مذکور کو اجازت مل جانے پر وہ چلا گیا، اور اموال تجارت کو خرید وفروخت کر کے واپس لوٹا واپسی میں ایک مقام اس نے خواب میں دیکھا، کہ ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کیا ہے اور چاروں طرف سے گھیر کر ان کے اموال واجناس ونقد کو لوٹ لیا ہے اور تلوار وتیر سے اُسے بھی زخمی کر دیا ہے۔ خواب سے بیدار ہوا دیکھا کہ مال وجان سلامت ہے۔ غرض سفر کر کے خیر وعافیت سے مکان پہونچا اور حضرت حماد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے شخص مذکور سے فرمایا اس سفر میں تیرے لئے خطرہ جان ومال ضرور تھا لیکن عبد القادر جیلانی نے قضا کو دعا سے رد کر کے بیداری سے خواب میں تبدیل کر دیا اسی قسم کے بہت سے واقعات اس ثبوت میں موجود ہیں جن سے کوئی صاحب ادراک وعقل مند انسان انکار نہیں کر سکتا۔

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی اعظمی

ایمان

یوں تو مدعیان اسلام کے کتنے ہی طبقات بساط عالم پر ابھرے اور حرف غلط کی طرح
مٹ گئے کچھ ان میں رہ ہیں جن کا دھندلا سا عکس بھی ذہن و دماغ میں باقی نہ رہا۔ . . . .
صفحات تاریخ دمیر پر ان کے نقوش مل سکتے ہیں جیسے معتزلہ جبریہ، قدریہ، کرامیہ وغیرہا
لہذا ان پر نقد و نظر محض عبث بلکہ باعث اضاعت وقت ہے۔ موجودہ مذاہب میں ہر
مذہب ببانگ دہل تحریر و تقریر کی پوری توانائی کے ساتھ اعلان عام کر رہا ہے کہ ہماری
منتخب شاہراہ ہی انسانیت کو فلاح و نجات کی ضمانت دے سکتی ہے۔ ہمارا ہی نظریہ حیات
خدا رسی کی منزل کی صحیح نشاندہی کر سکتا ہے۔

قدرت کی جانب سے انسان کو سرمایہ شعور و پندار کی دولت بے پایاں سے مالا مال
کر کے مکلف کر دیا گیا ہے اسی عقل و شعور کی رہنمائی میں انسان کو دنیا میں ایک پاکیزہ اور
باوقار زندگی گزارنے کے لئے اور آخرت میں نجات و فلاح کے حصول کے لئے ایک ٹھوس
نظریہ ایک غیر معدل دستور کا پابند ہونا پڑے گا۔ تمام مدعیان اسلام کا یہ مسلمہ فیصلہ ہے
کہ صرف ایمان ہی ایک مقدس معاشرہ مرتب کر سکتا ہے اور ایمان ہی فلاح و نجات امن
و امان اور سکون و اطمینان کی ضمانت دے سکتا ہے۔ لہذا ہمیں ایمان ہی کے مفہوم کی
وضاحت مقصود ہے۔ ہر طبقہ ایمان کا مدعی ہے۔ حالانکہ ہر طبقہ کے نظریات میں بون بعید
اور تضاد و تخالف موجود ہے قرآن عظیم و احادیث و کتب ملت کا ہی فیصلہ ناطق اور واقعی
ہوگا

علم کلام کی غیر معمولی نہایت مستند کتاب شرح عقائد میں ہے۔
ان الایمان فی الشرع ھو التصدیق بما جاء من عند اللہ ای تصدیق النبی صلی اللہ علیہ
وسلم بالقلب فی جمیع ما علیہ بالضرورۃ والاقرار باللسان الا ان التصدیق رکن لا یحتمل
السقوط اصلا والاقرار قد یحتمله فی حالة الاکراہ۔ اسکی شرح رمضانی میں ہے ای فیما اشتہر کونہ من دین
الرسول بالخبر المتواتر انتہی

حاصل یہ کہ ایمان نام ہے ان تمام ضروریات دین کی توثیق و تصدیق کا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے
شارع علیہ السلام تک پہونچیں نیز ان تمام امور کا زبان سے اقرار و اظہار کا۔ رمضانی میں
تشریح کی گئی کہ امور ضروریہ سے مراد وہ احکام و ارشاد ہیں جن کا دین محمدی سے ہونا خبر
متواتر سے ثابت ہو جو عوام میں شہرت عامہ رکھتے ہوں جیسے وجود صانع، نماز پنجگانہ وغیرہ
شرح عقائد کی مذکورہ بالا عبارت کا یہ مفہوم بھی ہے کہ رکن ایمان صرف تصدیق ہے اور
اقرار و اظہار دنیاوی احکام کے نفاذ کا ذریعہ ہے اس کا ماحصل یہ کہ اگر تصدیق قلبی پر کسی کی
موت ہو گئی اور وہ اقرار باللسان نہ کر سکا تو عند اللہ وہ صاحب ایمان گیا۔ ایک غیر معروف انسان
کی شکل و شباہت میں حامل وحی حضرت جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے بارگاہ نبوت
میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ اخبرنی عن الایمان قال ان تومن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ
والیوم الاخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ قال صدقت یا رسول اللہ ایمان کیا ہے سرور کونین علیہ السلام نے
فرمایا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور کتب آسمانی اور انبیاء اور قیامت اور تقدیر خیر و شر کی تصدیق
و یقین کا نام ایمان ہے حضرت جبریل نے عرض کیا آپ نے سچ فرمایا زبان نبوت نے ایمان کی
غیر مبہم اور نہایت واضح تشریح ارشاد فرما دی۔

امام الائمہ سراج الائمہ عماد الملۃ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔
لانکفر اھل القبلۃ[عہ] ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے ہم اس کو ایماندار ہی کہیں گے۔ یہ اس لئے

عہ۔ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کو حق مانتے ہوں جو ضروریات دین
میں سے کسی ایک کا منکر ہو وہ اہل قبلہ سے نہیں۔ شرح عقائد کے حاشیہ میں ہے

ایمان وکفر کے درمیان کوئی تیسرا درجہ نہیں قرآن مجید میں ہے ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولئک ھم الکافرون اور چاہتے ہیں کہ ایمان وکفر کے درمیان کوئی تیسری راہ نکالیں یہی ٹھیک ٹھیک کافر ہیں۔ آج کل کے مذاہب باطلہ نے قول امام سے سیدھے سادھے مسلمانوں کے صحیح وسالم ذہن وفکر کو برباد کر کے رکھ دیا ان کے خرمن دیانت کو آتش فریب سے پھونک ڈالا ان کو سبز باغ دکھایا گیا کہ امام مذہب کا ارشاد ہے ٭ اہل قبلہ کبھی کافر نہ ہوگا اور آیت کریمہ سے ان کو بے خبر رکھا گیا۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملٰئکۃ والکتب والنبیین۔ یعنی کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منھ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصل میں نیکی یہ کہ ایمان لاؤ اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ مشرق ومغرب خواہ کعبہ مقدسہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ہی کچھ نیکی نہیں بلکہ اصل نیکی اللہ عزوجل وقیامت وغیرہ

٭ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین کے حق ہونے پر متفق ہوں جیسے عالم کے حادث ہونا جسموں کا محشور ہونا۔ عزوجل کا کلیات اور جزئیات کا عالم ہونا۔ معجزہ وغیرہ جو عمر بھر نیکیوں پر حادث کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ عالم قدیم ہے جسموں کا حشر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جزئیات نہیں جانتا وہ اہل قبلہ سے نہیں۔ اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ اس میں کفر کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہ پائی جائے۔ اور اس سے کفر کے موجبات میں سے کوئی موجب نہ صادر ہو۔ اس تشریح کا ماحصل یہ ہوا کہ جس شخص سے ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے یا وہ شان الوہیت یا شان رسالت میں گستاخی کرے وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔ وہ ضرور بالضرور کافر ہے۔ اس کو کافر کہنا لانکفر اھل القبلۃ کے منافی نہیں۔ (امجدی)

ضروریات دین پر ایمان لانا ہے تفسیر معالم التنزیل میں ہے نقال قوم عنی بھا الیھود والنصاریٰ وذالک ان الیھود کانت متصلی قبل المغرب الی البیت المقدس والنصاریٰ قبل المشرق وزعم کل فریق منھم ان البر فی ذالک

ایک قول پر اس کے مخاطب یہود ونصاریٰ ہیں یہود سمت مغرب بیت المقدس کی طرف نماز میں منھ کرتے اور نصاریٰ مشرق کی طرف اور ہر ایک کا گمان تھا کہ اسی میں نیکی ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی سمت متوجہ ہو کر خواہ سمت کعبہ نماز پڑھنا ہی دلیل ایمان نہیں۔ سرور کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ والدہ والناس اجمعین۔ ایمان دار ہو ہی نہیں سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی اولاد اس کے باپ اور تمام نوع انسان سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ کیا امام کی نگاہ اجتہاد میں یہ آیت کریمہ اور حدیث مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء نہ تھی صرف نماز پڑھنا یا زکوٰۃ دینا ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان اور ہی شے ہے کلمۂ شہادت کا اقرار بھی تو دلیل ایمان نہیں جیسا کہ شرح عقائد الامام نسفی میں ہے لیست حقیقۃ الایمان مجرد کلمۃ الشہادۃ علی مازعمت الکرامیۃ بھلا کلمۂ شہادت کی عظمت ورفعت کا کون منکر ہوگا مگر تنہا یہ کبھی ایمان کی ضمانت مہیا نہیں کرتا۔

کہاں ہیں وہ عجیب الخلقت لوگ جو پیٹھ پر ستو باندھکر گاؤں گاؤں نگر نگر کلمہ اور نماز پڑھاتے پھرتے ہیں ؎

بڑے پاک باطن بڑے پاک دل
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

ارے وہی کوہ قاف والے جن کی اندھری پیشانیوں پہ ہاتھی کے پیر کے نشان بنے ہوتے ہیں جن کے پاجامے انڈرویر کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں جن کا چکنا سر فرخ آبادی

ترنبوں کی یاد دلاتا ہے۔

میرے عزیز دوستو ان تمام اقوال کی تعبیر میں اختلاف ضرور ہے اطلاق میں یقیناً تخالف ہے مگر جن کے دلوں میں محبت رسول کی شمع روشن ہے جن کا قلب و ذہن عشق رسول کی حرارت سے مالامال ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ سبکا مضمون سبکا مفہوم و مقصود اختلاف و تضاد کے شائبہ سے پاک ہے۔ امام اعظم قدس سرہ کی عبارت کا حاصل بھی یہی کہ جو اہل ہے ہم اس کی تکفیر نہ کریں گے۔ اس پر اسلام و ایمان کا حکم کریں گے جب تک اس سے کوئی ایسا امر ظاہر نہ ہو جو تصدیق قلبی کی تکذیب کرتا ہو اور محبت رسول کا مطلب بھی یہی ہے کہ سرکار نے جو کچھ فرمایا اس کو حق و صواب یقین کرے دل کے تمام گوشے اور دماغ کے تمام اجزا ان کے احترام و اعزاز سے مالامال ہوں جیسا کہ اسی شرح عقائد میں امام جلیل الشان نے فرمایا حقیقۃ الایمان ھو التصدیق القلبی فلا یخرج المؤمن عن الاتصاف بہ الا بما ینافیہ الایمان کی حقیقت وہی تصدیق قلبی ہے اس وقت تک اسکو ایمان دار کہا جائے گا جب تک کوئی ایسا امر اس سے سرزد نہ ہو جو منافی ایمان ہو اسی میں ہے۔ فلا جعل ھذا المعنی لبعض الکفار وکان اطلاق اسم الکافر علیہ من جھۃ ان علیہ شیئا من امارات التکذیب والانکار کما لو فرض ان احد اصدق بجمیع ما جاء بہ النبی علیہ الصلاۃ والسلام وسلم واقربہ وعمل بہ ومع ذلک شد الزنار بالاختیار او سجد للصنم بالاختیار نجعلہ کافرا لما ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جعل ذلک علامۃ للتکذیب والانکار۔

یعنی اگر کسی کافر میں تصدیق قلبی پائی جاوے جب بھی اس پر لفظ کافر ہی کا اطلاق کیا جائے گا اگر اس میں کوئی علامت تکذیب و انکار پائی جاوے جیسا کہ ہم ایک ایسا انسان فرض کرتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا اس نے اس کی تصدیق کی زبان سے اقرار بھی کر لیا اور اس پر عمل پیرا بھی ہوا۔ مگر زنار باختیار باندھتا ہے یا باختیار پیش اصنام سجدہ ریز ہوتا ہے اس پر حکم کفر ہی کریں گے۔ اس لئے کہ شارع

علیہ السلام نے ان چیزوں کو علامت کفر فرمایا ہے اسی لئے آیت مذکورہ الصدر میں فرمایا گیا کہ محض رو بہ شرق و غرب ہونا ہی ایمان نہیں جب تک تصدیق قلبی نہ ہو اور نہ کوئی ایسا کردار اور کرتوت ہو جو تکذیب امر ضروری پر دلیل ہو اسی لئے سرکار عزت مدار علیہ السلام نے فرمایا کہ ایماندار ہو ہی نہیں سکتا جب تک میں اس کے نزدیک تمام کائنات سے محبوب تر نہ ہوں جس کے دل کی تجوری میں عشق رسول کی دولت محفوظ ہوگی جس کے سینہ میں محبت رسول کی شمع روشن ہوگی جس کے سینے میں حرارت ایمانی ہوگی جو سرکار کے دامن رحمت سے مضبوط رابطہ رکھے گا یقیناً ان کے ہر فرمان پر سر تسلیم خم کرے گا ان کے ارشاد کے احترام کو سعادت ابدی اور دولت سرمدی سمجھے گا اگر کوئی بالفرض ہر آن میں لا الہ الا اللہ کی کروڑوں ضربیں لگائے ہر آن میں بارگاہ الوہیت میں سجدہ عبادت پیش کرے زکوٰۃ کی ایک ایک پائی حقدار تک پہنچا دے آقا نامدار کی محبت کا دعویدار رہے اور تمام فرائض و واجبات کو لازم حیات جانے مگر ختم نبوت کا منکر ہے نگاہ شرع مطہر میں یقیناً جزماً کافر ہے اس لئے کہ آیت کریمہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور احادیث متواترہ مثلاً ختم بی النبوۃ کا صراحۃً منکر ہے جب کہ قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کی باطل نبوت پر ایمان لائے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی شان اقدس میں سخت گستاخی کی جیسا کہ اس ناپاک شعر میں ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

کیا قادیانی زبان پر کلمہ شہادت نہیں کیا قادیانی نمازی نہیں۔ کیا فرضیت زکوٰۃ ملائکہ جنت دوزخ تقدیر کا قائل نہیں؟ کیا کلمہ شہادت نہیں پڑھتا با ایں ہمہ تکذیب امر ضروری کی وجہ سے سرحد ایمان سے نکل گیا۔

وہابی دیوبندی تبلیغی مودودی ان کی شکل و شباہت اور طریقہ کار میں ضرور معمولی سا اختلاف جھلکتا ہے مگر ان سب میں وہی ابلیسی روح ہے۔ شراب ایک ہے مگر پیالہ

بدلا ہوا ہے یہ سب جڑواں ہیں ایک ہی غلیظ اور سڑی ہوئی چھاتی کا دودھ پی کر پلے بڑھے ہیں ان سب کا مورث اعلیٰ وہی اسمٰعیل پلید ہے جس کی ناپاک روح ان سب میں رواں دواں ہے ان سب کے معتقدات مشترک ہیں یہ سب رضاعی بھائی ہیں۔ کہیں علم غیب کو خاصہ خدا بتایا اور مانا تو زید وعمرو پاگل جانوروں کو بھی علم غیب بخش دیا میلاد پاک کو کنھیا کے جنم سے بدتر کہہ دیا خدا کو کاذب مان لیا۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنی اسرائیلی چرواہا کہہ کر اپنی ذہنی گندگی کا ثبوت فراہم کر دیا۔

ختم نبوت کو کمالات نبوی سے خارج کر دیا ہزاروں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کو ممکن کہہ دیا۔ یہ تمام اقوال سراسر تصدیق قلبی کی تکذیب پر شہادت وبرہان ہیں۔ کیا یہ نمازی حاجی نہیں کیا نماز وکلمہ گاؤں گاؤں پڑھتے پڑھاتے نہیں۔ کیا ان کو ایماندار کہا جائے گا؟

ایسے تمام منافقین ہر سانس میں ایمان مجمل ایمان مفصل بلکہ ساتوں کلموں کی رٹ لگائیں ان کے پُرفریب سجدوں کی کثرت سے چٹائیں گھس جائیں مگر جب تک اس عناد ونفاق پر قائم ہیں صاحب ایمان نہیں ہو سکتے۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل۔ ارشاد ربانی ہے

اذا جاءک المنفقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنفقين لكذبون اتخذوا ايمانهم جنة فصدوا عن سبيل الله

اے حبیب جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم لوگ گواہی دیتے ہیں کہ بے شک یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تو جانتا ہی ہے کہ بے شک آپ رسول اللہ ہیں بے شک یہ منافقین جھوٹے ہیں انھوں نے اپنے جھوٹے ایمان کو ڈھال بنا لیا ہے پس یہ اللہ کے راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

کیا ان کی گواہی ایمان کو بچا سکی قدرت کی جانب سے ان پر کفر کی مہر ہو گئی۔ دور رسالت کے منافقین کلمہ گو بھی تھے نمازی بھی تھے حاجی بھی تھے مگر زبان نبوت نے ان کی فریب کاری کا پردہ چاک کر دیا ان کے چہرے سے عبادت کی نقاب کو ہٹا کر ان کی اصلی صورت کو ظاہر فرما دیا۔

مسلمان ان کے ادعائے ایمان ان کی نماز وغیرہ اعمال ظاہرکا سے فریب نہ کھائیں خدا نے عقل و شعور بخشا ہے

آج بالن گجراتی بھولے بھالے سیدھے سادے عوام کو ابلیسی توحید سے گمراہ کر رہا ہے ابلیس نے کہا تھا کہ میں تمہیں چاہوں تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں۔ گجراتی کے نزدیک توحید کا مفہوم وہی تقویتہ الایمانی مفہوم ہے کہ خدا کے سوا اوروں کو ماننا خبط ہے اس کے نزدیک شرک ساون بھادوں بن کر برس رہا ہے۔ شبرات کا حلوا۔ نذر ونیاز۔ میلاد پاک۔ قیام۔ قبروں پر پھول ڈالنا، عرس کرنا۔ یا رسول اللہ، یا علی، یا غوث کہنا، انبیا واولیا سے مدد مانگنا، قوالی سننا، بزرگوں کو حاجت روا کہنا غرض ہر وہ کام جس سے عوام یا خواص متعلق ہیں شرک ہیں اور مشرک کی بخشش نہیں اس کا بھی وہی اسمٰعیلی انداز فکر ہے۔ رشید احمد، اشرف علی ہی کا کلمہ گو ہے جیسا کہ ناپاک کتاب شریعت یا جہالت کے صفحہ ۳۰ پر ہے حقانی حنفی عالم ہیں جن کا تعلق تبلیغی جماعت سے ہے۔ اس کے شرک کی تلوار اندھے کی لاٹھی ہے جس سے شاید کوئی دامن بچا لے۔ اپنے گھر والوں کو بھی مشرک بنا ڈالا خود بھی اقراری مشرک تھا مگر کہتا ہے کہ مجھ کو ہدایت مل گئی (شریعت یا جہالت)

اپنے گھناؤنے کردار وگفتار پر پردہ ڈالنے کے لئے اہل سنت پر افترا کرتا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں نمازی، اہل قبلہ کو کافر کہتے ہیں کلمہ پڑھنے والوں کو کافر کہتے ہیں مگر اس بدمست شرابی سے کوئی پوچھے کہ کیا اہل سنت کلمہ گو نمازی اہل قبلہ نہیں پھر ان پر شرک کی بمباری کیسی۔ حاصل یہ کہ ایمان کی حقیقت تصدیق قلبی ہے بشرطیکہ کوئی امر ایسا صادر نہ ہو جس سے کسی امر ضروری کی تکذیب ہوتی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ایمان مقدم ہے یا عمل

آج کل یہ فتنہ بھی کالرا کے جراثیم سے کچھ کم مہلک نہیں کہ بھائیو ہم کو عقیدہ سے بحث نہیں ہم تو کلمہ اور نماز پڑھانے آئے ہیں اپنے ایمان سے رہیں سارے نمازی ہوشیار۔ کچھ شیاطین ہیں مسجدیں خضر کی صورت

پلاری انجوں نے دیکھا کہ جب سادہ لوح مسلمان ان کے دام تزویر میں پھنس جاتے ہیں تو ان
کے ذہن و فکر، انداز گفتگو پر ابلیسی توحید والوں کا مکمل قبضہ ہو جاتا ہے ان کے متاع ایمان
سرمایہ عشق رسول پر خوبصورت انداز میں ڈاکہ ڈالا جاتا ہے پھر ہر کہ در کان نمک رفت
نمک شد کی مثل رنگ وہابیت میں ایسا رنگ جاتے ہیں کہ ان کا منھ بھی شرک و کفر کا توپ خانہ
بن جاتا ہے ان کے منھ سے بس وہی شرک و کفر کی بباری شروع ہو جاتی ہے۔
رسول کے فدائیو مصطفےٰ کے شیدائیو پھونک کر قدم رکھو ان کی ناپاک محبت بلکہ شیطانی
سایہ سے دور رہو ایمان اصل ہے نماز روزہ تمام اعمال اس کی فرع اور اس کا ثمرہ۔ اگر
اعمال کو تقدم حاصل ہوتا بغیر ایمان کے اگر عمل کی کوئی قیمت ہوتی تو منافقین جو کلمہ گو بھی تھے
نمازی بھی تھے مسلمانوں کے دوش بدوش رہتے تھے مگر ان کو مسجد نبوی میں بھی پناہ نہ دی
گئی اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے بچ ہزار سال عبادت کند نمازی نیست۔ قرآن مجید میں ہے
عاملة ناصبة تصلی نارا حامیہ عمل کریں گے مشقیں بھریں گے مگر بھڑکتی ہوئی آگ میں
جھونک دیئے جائیں گے۔
ائمہ ملت کا اتفاق ہے کہ ایمان مقدم ہے اگر درخت کی جڑیں کاٹ دی جائیں تو وہ کبھی
بار آور یا سبز و شاداب نہیں رہ سکتا بلکہ ایندھن بنا کر آگ میں جھونک دیا جائے گا اسی طرح
انسان اگر تصدیق سے خالی ہو کر عمل کا مجسمہ بن جائے جہنم ہی کا سزاوار ہوگا امام نسفی نے شرح
عقائد میں فرمایا۔ دورد فی الکتاب ایضا جعل الایمان شرط صحة الاعمال کما فی قولہ
تعالیٰ ومن یعمل من الصلحت وھو مؤمن جملہ "وھو مومن" حال اور حال بمنزلہ شرط ہوتا ہے
آیت پاک نے وضاحت فرمادی کہ صاحب ایمان ہی کا عمل صالح مقبول ہے اور ایمان ہی منجی اور
ضامن نجات ہے سورہ عصر میں فرمایا گیا والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنو
وعملوا الصلحت۔ اس سے بھی صاف ظاہر کہ ایمان کو عمل پر تقدم حاصل ہے پھر
قرآن عظیم میں کہیں بھی کفار و مشرکین سے اعمال کا مطالبہ نہیں بلکہ ایماندار ہوں سے ہے

یا یھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام۔ یا یھا الذین امنوا کتب علیکم
القصاص اسی طرح کثیر آیات جن سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن کہ ایمان عمل
پر مقدم ہے واللہ الھادی وھو تعالیٰ اعلم۔

حضرت مولانا محمد قدرت اللہ صاحب رضوی بستوی

حیاتُ النّبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ — اِن سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں — ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

خالق کائنات نے تخلیقِ انسانی کا سلسلہ شروع فرماکر جہاں انسانوں پر اور بیشمار انعام واکرام فرمائے ہیں وہیں ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انھیں میں سے اپنے مخصوص بندوں کو منتخب فرماکر ارشاد و ہدایت اور تبلیغ رسالت پر مامور فرمایا ـــــ اور ان میں سے بعض نفوس قدسیہ کو منتخب فرماکر انھیں اپنی جانب سے آسمانی کتابیں اور صحیفے دیکر ان کی افضلیت و برتری کا اعلان فرمایا ـــــ

جمہور علماء و فقہاء کی اصطلاح میں پیغام خداوندی کو بندوں تک پہونچانے اور انھیں راہ حق کی طرف بلانے والی مقدس جماعت کے ان علی مرتبت نفوس قدسیہ کو جو نئی کتاب اور نئی شریعت کے ساتھ مبعوث ـــ فرمائے گئے "رسول" کہا جاتا ہے ـــ اور ـــ وہ گرامی مرتبت ہستیاں جنھیں اللہ تعالیٰ نے وحی سے سرفراز فرماکر اپنے احکام و پیغام بندوں تک پہونچانے کے لئے انسانوں ہی میں سے منتخب فرمایا لیکن انھیں جدید شریعت اور کتاب نہیں ملی "نبی" کہتے ہیں۔

خلاقِ عالم نے انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی اس نورانی جماعت کو مبعوث فرمانے سے پہلے ہی گروہِ ملائکہ میں "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" ارشاد فرماکر

اس مقدس جماعت کو اپنی خلافت و نیابت کے لئے منتخب کرکے گروہ ملائکہ پر بھی انکی فوقیت و برتری کا اعلان فرمادیا تھا۔

پھر انھیں مبعوث فرمانے کے بعد "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ" فرماکر تمام دنیا والوں پر واضح فرمادیا کہ باِذنِ اللہ وہ تمھارے حاکم و مطاع اور تم ان کے محکوم و مطیع ہو۔

پھر ان میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت دی اور نبی آخر الزماں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ" فرماکر سب سے افضل و اعلیٰ بتایا۔ اور آپ کے فرقِ اقدس پر "لولاک لما" کا تاج عزت رکھ کر باعث ایجاد عالم قرار دیا ـــ کیا ہی خوب فرمایا ہے استاذِ زمن مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمۃ نے ؎

نہ کیوں کرتا خدا آرائشیں دنیا کے ساماں میں
تمھیں دولھا بناکر بھیجنا تھا بزمِ امکاں میں

اور حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے تو یہ فرمایا کہ ؎

تو اصلِ وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرعِ تست

حدیث لولاک بیانگِ دہل یہ اعلان کر رہی ہے کہ حشر و نشر بھی آپ ہی کے کرم کا صدقہ ہے۔ کیونکہ اگر دنیا نہ ہوتی تو آخرت بھی نہ ہوتی اگر خیر و شر نہ ہوتے تو ان کی جزا و سزا کا سوال ہی کیا تھا؟ ـــــ اور جب حدیث لولاک کے مطابق دنیا آپ ہی کے لئے پیدا فرمائی گئی تو صاف ظاہر ہے کہ آخرت بھی آپ ہی کے لئے ہے چنانچہ احادیث شفاعت گواہ ہیں کہ میدان محشر میں بھی آپ ہی کی عزت و وقار کا ڈنکا بج رہا ہوگا۔

استاذ زمن مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
کہ ان کی شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

"وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" ارشاد فرما کر خالقِ عالم جل وعلا نے اطاعتِ رسول کو اپنی ہی اطاعت قرار دیکر تمام مخلوق پر اُن کی فضیلت و برتری کا کھلے بندوں اعلان فرما دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے لفظوں میں اپنی ہی اطاعتِ رسول کو بھی سب پر واجب اور ضروری قرار دیکر انھیں سب کا حاکم و مطاع قرار دیا ہے اور "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" فرما کر یہ واضح فرما دیا کہ دہانِ رسول سے نکلے ہوئے کلماتِ وحیِ ربانی کے ترجمان ہوا کرتے ہیں۔ مرزا غالب نے کیا خوب کہا ہے ؎

حق جلوہ گرز طرزِ بیانِ محمد است صلی اللہ علیہ وسلم
آرے کلامِ حق بزبانِ محمد است۔ صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے مرتبے کی وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے "النَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ" نبی ایمان والوں کی جان سے بھی زیادہ ان کے مالک ہیں دوسرے مقام پر تو "مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا" فرما کر ان کے فرقِ اقدس پر حکومتِ مطلقہ کا تاجِ شرف رکھ کر دنیا والوں کو صاف صاف سنا دیا کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تمھاری جانوں اور مالوں کے مالک ہیں ایسے ہی وہ مختارِ شریعت بھی ہیں۔ چنانچہ ان کا ہر ہر حکم خواہ امر ہو یا نہی قانونِ شریعت ہے۔ لہٰذا "رسولِ معظم تمھیں جس چیز کا بھی حکم دیں اس پر کاربند ہو جاؤ اور جس چیز سے بھی منع فرما دیں اس سے باز آجاؤ۔"

حدیثِ قدسی میں ان کی محبوبیتِ کبریٰ کا بیان اس طرح فرمایا جاتا ہے "کُلُّھُمْ یَطْلُبُوْنَ رِضَائِیْ وَاَنَا اَطْلُبُ رِضَاکَ یَا مُحَمَّدُ صلی اللہ علیہ وسلم" ـــ یعنی ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جبھی تو محبوب کی باتیں بھی ایسی محبوب ہیں کہ "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" فرما کر زبانِ محبوب سے اپنی وحدانیت کا اعلان کرایا جا رہا ہے اور ان کی رسالت کا اعلان اس طرح فرمایا جاتا ہے کہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" گویا ؎

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سُنی
اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

اسی پر بس نہیں بلکہ اپنے ذکر کے ساتھ ذکرِ محبوب کو کچھ اس طرح مربوط فرمایا ہے کہ بیساختہ کہنا پڑتا ہے کہ ؎

تکبیر میں، خطبوں میں، نمازوں میں، اذاں میں
ہے نامِ الٰہی سے ملا نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اذان تو اذان، خطبہ تو خطبہ، تکبیر تو تکبیر، نماز کو بھی ذکرِ محبوب سے خالی نہ رکھا گیا بلکہ ذکرِ محبوب کو عین نماز میں جو خالص خدا کی بندگی اور اس کی عبادت ہے اس میں بھی واجب اور ضروری قرار دیدیا کہ بغیر نبیِ معظم کی بارگاہ میں سلام پیش کئے ہوئے اور وحدانیتِ الٰہی کی شہادت کے ساتھ ہی ساتھ بغیر رسولِ مکرم کی رسالت و عبدیت کی شہادت دیئے ہوئے نماز ہرگز مکمل نہیں ہو سکتی۔ جبھی تو اعلیٰحضرت فاضلِ بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ؎

ذکرِ خدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو!
واللہ! ذکرِ حق نہیں، کنجی سقر کی ہے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ اپنی محبت کے دعویداروں اور خواستگاروں کے لئے فرمایا

جاتا ہے کہ "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" اے محبوب! اللہ کی محبت کے دعویدارو اور خواستگاروں سے فرمادو کہ میری اتباع کرو تو اللہ تمھیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

اور خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔ تم میں سے کسی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کے دل میں میری محبت اس کے والدین و اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔ سچ ہے کہ ؎

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

رب العالمین نے "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" فرما کر ان کی محبت کے اصلِ ایمان ہونے کے اسباب و علل بھی بیان فرمادیئے ہیں کہ میں نے اپنے محبوب کو ہر عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے وہ عالمِ دنیا میں بھی تمھارے کام آنے والے ہیں عالمِ برزخ میں بھی ہر جگہ تمھارے کام آنے والے، ہر جگہ تمھاری دستگیری اور مدد فرمانے والے ہیں صرف تمھارے لئے ہی نہیں بلکہ فرشتگانِ الٰہی، جن و انس، بحر و بر، خشک و تر غرضیکہ مخلوقات کی تینوں قسموں، حیوانات، نباتات اور جمادات سب کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے ہیں۔ جو قبر میں بھی کام آئیں گے اور حشر و نشر میں بھی دستگیری فرمائیں گے ان کی محبت کیوں نہ جانِ ایمان قرار پائے؟ ان کی محبت کو سوادِ قلب کی وہ جگہ کیوں نہ ملے جہاں دنیا کی کسی شے کا بھی ذکر نہ ہو۔

وہ تو خود ارشاد فرماتے ہیں "انما انا قاسم واللہ یعطی" ۔۔ جو نعمت بھی جب ملتی ہے، جیسے ملتی ہے اور جتنی ملتی ہے دیتا تو اللہ ہی ہے مگر بانٹتا میں ہوں

ہر چیز اسی کی ہے لیکن تقسیم میرے ہاتھوں سے ہوتی ہے گویا خالقِ نعم وہ ہے اور مالکِ نعم میں ہوں ۔۔ مرزا غالب نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است
لیکن کشادِ آں بزبانِ محمد است

اس خداداد قدرت و اختیار پر اہلِ ایمان کیوں نہ مرمٹیں۔ کیوں نہ ایسے نبی محترم کی محبت کو سرمایۂ حیات بنائیں جو مالکِ نعم الٰہیہ ہیں ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

وہ وصول الی اللہ کا وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ وہ بارگاہ خداوندی تک پہنچنے کا دروازہ ہیں۔ جو دنیا و آخرت ہر جگہ کام آنے والے ہیں۔ جو دنیا میں بھی ہمارے شفیع ہیں اور آخرت میں بھی شفاعتِ کبریٰ سے سرفراز ہوں گے پھر پروردگارِ عالم نے "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" فرما کر اس بات پر مہر لگادی ہے کہ ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

انھیں تو ان کے پروردگار نے جتنی ساری خوبیاں کسی بندے میں ہوسکتی تھیں سب عطا فرمادیں، اتنی نعمتیں عطا فرمائیں جن کا ہم تصور نہیں کرسکتے۔ سبحان اللہ کیا خوب فرمایا ہے امام اہلسنت نے کہ ؎

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

حق تو یہ ہے کہ ان کے پروردگار نے کوئی نعمت کبھی ایسی نہ چھوڑی جو انھیں عطا نہ فرمادی ہو۔ شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں ع ہر نعمتیکہ داشت خدا شد بروتمام

بارگاہِ رسالت کے فیض یافتہ اور دربار ی شاعر حضرت سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں نغمہ سرا ہیں ؎

وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِی وَاَکْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءًا مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

یا حبیب اللہ! آپ سے زیادہ حسن و جمال والا میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا (دیکھیں بھی تو کیسے جبکہ حضرت جبریل امین علیہ السلام تک شاہد ہیں کہ) آپ جیسا فضل و کمال والا کسی عورت کے بطن سے پیدا ہی نہیں ہوا۔ آپ تو تمام عیوب و نقائص سے صاف ستھرے کرکے پیدا فرمائے گئے ہیں۔ گویا آپ کی تخلیق آپ کی عین منشا کے مطابق ہوئی ہے۔ امام اہلسنت فرماتے ہیں ؎

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور فارسی کے مشہور و معروف شاعر نظیری نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ ؎

بحسن تو نقاشش نقطے نیارد
کہ صنعت گری ختم شد بہ کمالت

حق تو یہ ہے کہ آپ کے اوصافِ کمال کے بیان سے زبان و قلم عاجز ہیں۔ ہر واصف نے اپنی بساطِ علمی کے مطابق فضل و کمال کے گن گائے لیکن آخر میں اعترافِ عجز کرتے ہوئے کسی نے یہ کہا کہ ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

اور کسی نے یوں کہا کہ ؎

اے رضا خود صاحبِ قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

کہاں تک کسی سے آپ کے فضائل و کمال کا بیان ہو سکے جبکہ آپ کی عظمتِ خداداد کا یہ عالم ہے کہ علامہ بوصیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَكِمْ

شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے مدارج النبوۃ میں اور بھی واضح الفاظ میں یوں فرمایا کہ ؎

مخواں اورا خدا، از بہرِ حفظ شرع و پاسِ دیں
دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش املا کن

عاشقوں کی سرمستی کا تو یہ عالم ہے کہ عالمِ کیف و مستی میں بالکل کھلے لفظوں میں یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ ؎

خدا گر نا ہوتا ہو تحتِ مشیّت
خدا ہو کے آتا وہ بندہ خدا کا

یہ تو ان کی اتباع و محبت کا مثبت پہلو تھا گو ان کی اتباع و فرمانبرداری کو مقصدِ حیات بنا لو بس خدا کے محبوب بندے ہو جاؤ گے۔" اور حضور کا ارشاد گرامی کہ "جب تک تمھارے دلوں میں میری محبت تمھارے سبھی متعلقین سے بڑھ چڑھ کر نہ ہوگی تم کامل الایمان نہیں ہو سکتے۔ نیز ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اسے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

ان تمام باتوں سے صاف واضح ہوتا ہے کہ تمہارے ایمان کا کمال عشق و محبت رسول میں مضمر ہے۔ حبِ رسول کی نورانی شمع نہاں خانۂ دل میں روشن کرلو اور اس کی لو کو تیز کرتے جاؤ پھر اپنی جیتی جاگتی آنکھوں سے کمال ایمان کے جلووں کا نظارہ کروگے۔

اب آیئے ذرا منفی پہلو پر بھی نظر ڈالتے چلیں ــــ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

اے محبوب! فرمادو کہ اے لوگو! تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہاری پسند کے مکان ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اللہ کے رسول اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا عذاب اتارے۔

صاف ظاہر ہوگیا کہ جہاں حُبِّ رسول کے مقابل اعزاء و اقرباء اور مال و دولت

وغیرہ کی محبت غالب نظر آئی رحمت خداوندی نے کس طرح رُخ موڑا اور عذاب کی وعید سنائی جانے لگی۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ العزیز نے سچ فرمایا ہے کہ ؎

نہیں وہ میٹھی نگاہ والا خدا کی رحمت ہے جلوہ فرما
غضب سے ان کے خدا بچائے جلالِ باری عتاب میں ہے

اور یہ بھی حقیقت ہی ہے کہ ؎

نگاہ پھیرلیں تو دو جہاں میں کچھ نہ رہے
اٹھادیں آنکھ تو ہر شئی کو زندگی مل جائے

کیوں نہ ہو کہ جب رب کریم نے "وخاتم النبیین" فرماکر سلسلۂ نبوت و رسالت کو آپ ہی کی ذاتِ مقدس پر ختم فرمادیا ہے اور آپ ہی کو نبی آخر الزماں بناکر مبعوث فرمایا ہے تو فضائل و کمالات کسی پر ختم فرماتا؟ اب کون باقی تھا جسے اپنے اوصافِ کمالیہ کا آئینہ دار بناتا؟ اب کون رہ گیا تھا جسے اپنی ذات و صفات کا مظہرِ اتم بناکر اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرماتا؟ ـــ انھیں تو ان کے پروردگار نے اس کام کے لئے اسی وقت منتخب فرمالیا تھا جب زمین و آسمان، زمان و مکان، این و آن غرضیکہ کچھ بھی نہ تھا صرف ان کا پروردگار تھا اور وہ تھے۔ تیسری کسی بھی شئی کا وجود نہ تھا۔ انبیاء رسل یقیناً ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر فضل و کمال والے ہوتے چلے آئے تھے۔ اب جبکہ سردار جملہ انبیاء تشریف لانے والے تھے نہیں بلکہ بفحوائے "بُعِثْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً"، جمیع خلائق تمامی جن و انس اور جملہ ملکوت السمٰوات والارض ہی کے نہیں بلکہ جمیع انبیاء و رسل کے بھی رسول مبعوث فرمائے جانے والے تھے، سلسلۂ نبوت و رسالت ختم ہونے والا تھا اور اب کسی نبی و رسول کی تشریف آوری کے امکان ہی کا دروازہ بند ہونے والا تھا ضرورت تھی کہ وہ ایسے فضل و کمال والے رسول بناکر بھیجے جائیں جو ممتنع النظیر ہوں بے مثل و مثیل

ہوں۔ نہ آپ کی نظیر آپ سے پہلے رہی ہو اور نہ ہی آپ کا نظیر و مثیل آپ کے بعد ممکن ہو۔ جتنے فضائل و کمالات آپ سے پہلے انبیاء و رسل عظام اپنے ساتھ لائے تھے سب تو آپ میں موجود ہی ہوں اور پھر ان کے علاوہ اتنے فضائل و کمالات آپ کی ذاتِ عالی صفات میں موجود ہوں جن سے زیادہ کا تصور کسی بندے میں محال و ممتنع ہو۔ انھیں جو کتاب دی جائے وہ بھی سب سے افضل و اعلیٰ اور بے مثال ہو ـــ ورنہ انسانیت کی پیاس نہ بجھتی۔ اس کی طبیعت کو آسودگی نہ ہوتی۔ اس سے زیادہ کی تشنگی باقی رہ جاتی اور پھر وہ اپنی اس حسرت کو دل ہی دل میں لیے سسکتی رہ جاتی۔ حق تو یہ ہے کہ قدرتِ خداوندی کا کما حقہ ظہور ہی نہ ہوتا ـــ چنانچہ خالقِ کائنات نے اپنے محبوب کو جو کتاب عطا فرمائی وہ سابقہ تمام آسمانی کتب و صحائف سے افضل و اعلیٰ، جس دین کے ساتھ مبعوث فرمایا وہ سابقہ سبھی ادیان سے بالا، ناسخِ جملہ ادیان اور سب سے اکمل و اعلیٰ ـــ اور خود محبوب کو بھی ان کی ذات و صفات میں ہر اعتبار سے ایسا ہی بے مثل بے مثال بنایا جیسا کہ چاہیے تھا۔ اور انھیں مبعوث فرمانے کے بعد صاف صاف اعلان فرما دیا کہ ـــ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (اے ایمان والو! تمھارے پاس قرآن جیسی بے مثال کتاب بھیج کر) تمھارے لیے تمھارا دین مکمل فرما دیا اور (رحمۃ للعٰلمین جیسا فخرِ رسل، شفیع المذنبین جیسا ہادیٔ سُبُل، اپنے محبوب جیسا خاتم الانبیاء والرسل جسے میں نے اپنی ذات و صفات کا مظہرِ اتم بنایا ہے تمھارے اندر مبعوث فرما کر) تم پر اپنی نعمت پوری فرما دی۔ اور تمھارے لیے اسلام (جیسا بے مثل و بے مثال اور ناسخِ جملہ ادیان) دین پسند فرمایا ـــ اب دین کے مکمل ہو جانے، نعمت پوری ہو جانے اور حضور کی خاتمیت کے بعد کہاں گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ آپ کے نظیر اور مثیل کے امکان کا تصور بھی ہو سکے ـــ اس مشکل مسئلہ کو مرزا غالب نے جتنے عمدہ پیرائے میں حل فرمایا ہے یہ

انھیں کا حصہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں ؎

اے کہ ختم المرسلینش خواندہ / دائم از روئے یقینش خواندہ
این الف لامے کہ استغراق راست / حکم ناطق مفتیٔ اطلاق راست
منشأ ایجاد ہر عالم یکے ست / گر دو صد عالم بود خاتم یکے ست
منفرد اندر کمالِ ذاتی است / لاجرم مثلش "محالِ ذاتی" ست

وہ رسولِ معظم جن کی محبت و رسالت کا آفتاب آسمانِ رسالت پہ تا قیامت تاباں و درخشاں رہنے والا ہے اور رہتی دنیا تک آسمانِ رسالت کے اس نورانی آفتاب کو نہ تو زوال ہے نہ ہی اس میں گہن کا اندیشہ ہے بلکہ ارشادِ ربانی "وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی" کے بموجب اس کی نورانی شعاعیں ہر آنے والی ساعت میں تیز تر ہوتی جائیں گی وہ نبی مکرم جو صحابہ و تابعین ہی کے نہیں بلکہ رہتی دنیا تک کے لیے سب کے رسول بنکر تشریف لائے ضروری تھا کہ وہ اپنی ساری امت کے احوال و افعال، کردار و اعمال اور نیات و خطرات سے باخبر ہوں۔ اپنی نورانی کرنوں سے قلوبِ عالم کو منور و مستفیض بھی فرماتے رہیں اور جملہ عالم کے لیے رحمتِ عامہ ہونے کے باعث ان پر اپنی رحمتوں کی پھوار بھی کرتے رہیں اور یہ سب کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ حیاتِ حقیقی جسمانی کے ساتھ زندۂ حیات بھی ہوں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہماری ظاہری نگاہوں سے روپوش ہو جائیں لیکن یہ بات ایسے عظیم و جلیل اور بین الاقوامی رسول کی ہمہ گیر رسالت و نبوت کے قطعی منافی تھی کہ وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں۔ اور بقولِ اعدائے لعین "مر کر مٹی میں مل جائیں" ـــ معاذ اللہ ـــ ان کا ہماری ظاہر بین نگاہوں میں پوشیدہ ہو جانا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ (معاذ اللہ) وہ مر کر مٹی میں مل گئے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جن و ملک زندہ ہیں، موجود ہیں مگر ہماری نگاہوں سے

پوشیدہ ہیں ـــــ کون مسلمان نہیں جانتا کہ حضرات خضر و الیاس علیہما السلام حیاتِ دنیاوی جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں لیکن عوام الناس میں سے کوئی تو بتائے کہ اس نے کبھی ان دونوں حضرات یا ان میں سے کسی ایک ہی صاحب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور دیکھا تو پہچانا بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ حیاتِ جسمانی کے ساتھ موجود ہونے کے لئے سب لوگوں کا انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا ضروری نہیں۔

لہٰذا اب سنیئے! نسائی، ابن ماجہ، ابو داؤد، مسند امام احمد اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ کی احادیث شاہد ہیں کہ جب سرکار رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے جمعہ کے روز درود و سلام کی کثرت کرنے کے متعلق فرمایا تو بعض حضرات نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ! ابھی تو آپ ہمارا درود و سلام سنتے ہیں لیکن بعد وصال کیسے سنیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللّٰہ حی یرزق۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے لہٰذا اللہ کا ہر نبی زندہ ہے اور انھیں روزی ملتی ہے۔

حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی موقع پہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد اول میں فرماتے ہیں کہ

حیاتِ انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلافے نیست حیاتِ جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات روحانی معنوی چنانکہ شہدا راست

حیاتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام پہ سب کا اتفاق ہے اسمیں کسی کا کوئی اختلاف ہی نہیں کہ انکی زندگی حیاتِ جسمانی دنیاوی حقیقی کے ساتھ ہے شہدائے کرام کی طرح انکی حیات حیاتِ روحانی معنوی نہیں

حضرت علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رسالہ فضائلِ محمدیہ میں اسی سلسلے

میں بحث فرماتے ہوئے ایک مقام پہ لکھتے ہیں کہ

قال الامام السیوطی فی آخرہ محصل من مجموع ھٰذا المنقول والاحادیث ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم حی بجسدہ و روحہ وانہ یتصرف ویسیر حیث شاء فی اقطار الارض فی الملکوت وھو بھیئتہ التی کان علیھا قبل وفاتہ لم یتبدل منہ شیئ وانہ مغیب عن الابصار کما غیبت الملائکۃ مع کونھم احیاء باجسادھم فاذا اراد اللّٰہ رفع الحجاب عمن اراد اکرامہ برویتہ راٰہ علی ھیئتہ التی ھو علیھا لامانع من ذالک ہ

امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب (انباء الاذکیا فی حیاۃ الانبیاء) کے آخر میں لکھا ہے کہ ان تمام نقول و احادیث کا نچوڑ یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم و روح دونوں کے ساتھ زندہ ہیں۔ دنیا بھر میں جہاں اور جیسے چاہتے ہیں تصرف فرماتے اور تشریف لیجاتے ہیں اور آپ اپنی اسی شکل و صورت پر ہیں جو قبل وفات تھی اسمیں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی البتہ حضور ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں جیسا کہ فرشتے اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود پوشیدہ ہیں۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کسی کو حضور کے دیدار دیدار سے مشرف فرمانے کے ارادے سے پردہ اٹھا دیتا ہے تو وہ حضور کو سابقہ ہیئت پہ دیکھتا ہے۔ اس سے کوئی چیز بھی روکنے والی نہیں ہوتی۔

فقہ کی مشہور و معروف کتاب مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں مزید توضیح کے ساتھ صاحبِ کتاب حضرت شیخ حسن بن عمار شرنبلالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

ومما ھو مقرر عند المحققین انہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم حی یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات

یہ بات محققین علماء کے نزدیک پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (حقیقی جسمانی زندگی کے ساتھ) زندہ ہیں

غیر انہ محجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات ہ

انکے حضور روزی پیش ہوتی ہے۔ بھی لذت والی چیزوں کا مزہ اور عبادتوں کا سرور پاتے ہیں لیکن بلند درجات تک جنکی رسائی نہیں ہے ان کی نگاہوں سے آپ اوجھل ہیں ۔

اب اس سلسلے میں سیدنا اعلیحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بالکل صاف اور واضح فیصلہ کر کے مضمون ختم کرتا ہوں۔ اگر تعصب و تنگ نظری سے کنارہ کشی کرتے ہوئے چشم بصیرت سے اس فیصلے کو پڑھا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس سلسلے کے تمام اعتراضات باد ہوا نظر آئیں گے اور حق و انصاف واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔

امام اہلسنت اس مشکل مسئلے کو بالکل سادہ اور عام فہم طریقے پر حل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ؂

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے — مگر اتنی کہ فقط آنی ہے

پھر اسی آن کے بعد انکی حیات — مثل سابق وہی جسمانی ہے

روح تو سب کی ہے زندہ انکا — جسم پُر نور بھی روحانی ہے

اور وں کی روح ہو کتنی ہی لطیف — انکے اجسام کی کب ثانی ہے

پاؤں جس خاک پہ رکھدیں وہ بھی — روح ہے پاک ہے نورانی ہے

انکی ازواج کو جائز ہے نکاح — اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے

یہ ہیں حیِ ابدی ان کو رضا — صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

حضرت علامہ مولانا جلال الدین احمد صاحب براؤں

کنز الایمان اور تراجم دیوبندی کا موازنہ

کسی بھی زبان کے مفہوم و معنی کو دوسری زبان میں منتقل کرنا جتنا مشکل کام ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں خصوصاً قرآن مجید کا ترجمہ تو اس لحاظ سے اور بھی زیادہ مشکل ہے کہ ایمان و اسلام کی تفصیلات اور شریعت کے احکام کا وہ اصل ماخذ بھی ہے اس لئے ترجمہ میں ذرا بھی لغزش ہوئی تو نہ صرف یہ کہ قرآن مجید کا مدعا فوت ہو کر رہ جائے گا بلکہ بسا اوقات اسلام کے بجائے کفر ہوگا۔ اس لئے قرآن مجید کے ترجمہ کے سلسلے میں صرف اردو اور عربی زبان کی واقفیت کافی نہیں بلکہ مفہوم کی صحیح تعبیر پہ قدرت ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن فہمی کی دینی بصیرت تفاسیر کا گہرا مطالعہ، ذات باری تعالیٰ کے بارے میں صحیح تصور اور ذات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ غایت عشق و عقیدت اور والہانہ جذبہ و احترام کا تعلق بھی نہایت ضروری ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز جن کا قلب عشق مصطفےٰ کا مدینہ اور جن کا ذہن بصیرت دینیہ کا خزینہ ہے ان کے ترجمۂ قرآن یعنی کنز الایمان کے ایک ایک لفظ سے ایمان و ایقان کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں جو تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے بالکل مطابق ہے۔ جس میں خدائے ذو الجلال کی عزت و جلال کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حرمت و عظمت کی پوری پوری رعایت کی گئی ہے بخلاف

اس کے دیوبندی مولوی جن کے قلوب ایمان سے خالی ہیں جو خدائے ذوالجلال کی ردائے عزت وجلال میں نقص وعیب کا دھبّہ لگاتے ہیں اور جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں کھلم کھلا گستاخی و بے ادبی کرتے ہیں وہ زبان اردو کے محقق اور عربی ادب کے بھر کچھ جاننے کے باوجود قرآن مجید کے ترجمہ میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے ہیں اور وہ کتاب الٰہی جس کی ایک ایک آیت ایمان واسلام کا درس دیتی ہے اس کے ترجمہ میں بیشمار کفریات بکتے چلے گئے ہیں۔ ثبوت کے لئے مندرجہ ذیل مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

پارہ ۲ رکوع اول میں ہے وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ط

(تھانوی ترجمہ) دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی اس آیت کریمہ کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں: "اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس کے لئے تھا کہ ہم کو (یعنی اللہ کو) معلوم ہو جائے کہ کون رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے۔"

مولوی اشرف علی تھانوی نے عربی اردو ڈکشنری میں العلم کا ترجمہ "جاننا اور معلوم ہونا" پڑھا تھا بس اس کے مطابق آیت کریمہ میں لنعلم کا ترجمہ ہم کو یعنی اللہ کو معلوم ہو جائے لکھ دیا اتنا نہ سوچ سکے کہ "معلوم ہو جائے" کا محاورہ اسکے لئے استعمال کیا جائیگا جسکو پہلے معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا ازلی، ابدی طور پر جاننے والا ہے پھر اس کے بارے میں معلوم ہو جانے کا کیا مطلب ہے۔ اور کنزالایمان میں آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ یوں ہے۔ "اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے"۔ یعنی کنزالایمان میں لِنَعْلَمَ کا ترجمہ دیکھیں لکھا گیا ہے۔

اب رضوی اور تھانوی ترجمہ کا موازنہ کرنے سے ہر انصاف پسند پر بالکل عیاں ہو گیا کہ دیوبندیوں کے حکیم الامت نے قرآن کی ترجمانی نہیں کی ہے بلکہ عربی کی اردو بنائی ہے جس سے خدائے تعالیٰ کا نہ جاننا یعنی جاہل ہونا لازم آتا ہے۔ اور اعلیٰحضرت نے کنزالایمان میں قرآن مجید کی صحیح طور پر ترجمانی کی ہے۔

پارہ ۴ رکوع ۵ میں ہے وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ شیخ دیوبند مولوی محمود حسن نے اس طرح لکھا ہے "اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو"۔ اور کنزالایمان میں اعلیٰحضرت نے یوں ترجمہ فرمایا ہے: "اور ابھی اللہ نے تمھارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی"۔

یعنی شیخ دیوبند نے اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں یہ لکھدیا کہ "خدائے تعالیٰ کو لڑنے والوں اور ثابت رہنے والوں کا علم نہیں"۔ جو قرآن کی منشا کے خلاف ہونیکے سبب کفر بھی ہے اور اعلیٰحضرت کا ترجمہ قرآن کی منشا کے عین مطابق ہے کہ خدائے تعالیٰ کو غازیوں اور صبر والوں کا علم تو ہے لیکن ابھی ان کا امتحان اور آزمائش باقی ہے۔

پارہ ۹ رکوع ۲ میں ہے فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ۔ ابوالاعلیٰ مودودی جو ائمۂ کرام اور مجتہدین عظام کو اپنے آگے طفل مکتب سمجھتے ہیں اس آیت کریمہ کا ترجمہ اپنی کتاب تفہیمات حصہ اول صـ۱۳۴ میں یوں لکھا ہے: "سو اللہ کی چال سے تو وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جن کو برباد ہونا ہے"۔

اس ترجمہ میں مودودی نے خدائے قدوس کے بارے میں "چال" کا لفظ استعمال کیا ہے جو اردو زبان کے بہت بڑے ادیب کہے جاتے ہیں اور جنھوں نے بزعم خویش اسلام اور مسلمانوں کی فلاح وبہبودی کے لئے بہت کتابیں لکھی ہیں۔ اس سلسلے میں

ہمیں صرف اتنا کہنا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے مصنفین کی "چال" سے ہمیں محفوظ رکھے آمین
اب کنزالایمان کا ترجمہ پڑھئے اور اس کی خوبی کی داد دیجئے۔ اعلیحضرت نے آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ اس طرح فرمایا ہے "تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔" ——— (کاکوروی ترجمہ) مولوی عبدالشکور کاکوروی نے ماہنامہ النجم مورخہ ۱۱ جون ۱۹۳۶ء میں یوں رقمطراز ہیں کہ نبی کریم نے فرمایا إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (پارہ ۱۶ رکوع ۳) یعنی میں تمہاری طرح ایک "معمولی انسان" ہوں اگر تم میں اور مجھ میں کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ میں تمہارے پاس خدائے تعالیٰ کا پیام لایا ہوں۔"

اس ترجمہ میں کاکوروی نے افضل الخلق سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کو عام لوگوں کی طرح "ایک معمولی انسان" لکھ اپنی رسول دشمنی کو آشکارا کیا ہے اور قرآن کریم کی کھلم کھلا تحریف معنوی بھی کی ہے اس لئے کہ آیت کریمہ میں ہرگز کوئی ایسا لفظ نہیں ہے کہ جس کا ترجمہ "ایک معمولی انسان" کیا جائے۔ اب کنزالایمان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے "ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے" اس ترجمہ میں اللہ کے پیارے نبی کی عظمت کا لحاظ کرنے کے ساتھ قرآن کے ہر لفظ کی بھی پوری رعایت کی گئی ہے جیسا کہ واضح ہے۔

پارہ ۱۶ رکوع ۱۶ میں ہے وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ مولوی عاشق الٰہی دیوبندی نے اس طرح لکھا ہے۔ "اور آدم سے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے" اس ترجمہ میں عاشق الٰہی دیوبندی نے حضرت آدم علیہ السلام کو گمراہ ٹھہرایا حالانکہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بعثت سے پہلے بھی گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں جیسا کہ تفسیر عزیزی پارہ عم ص ۲۲۱ میں ہے۔ "انبیا قبل از بعثت

نیز از ضلال و کفر اصلی و طبعی معصوم و محفوظ اند"۔ لیکن دیوبندی مترجم نے بلا کھٹک حضرت آدم علیہ السلام کو گمراہ لکھ دیا۔ اب کنزالایمان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔
"اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی"
اس ترجمہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے علوئے مرتبت کا لحاظ کرنے کے ساتھ لفظ "فَغَوَىٰ" کا صحیح ترجمہ کیا گیا ہے جس کی تائید تفسیر کی مشہور کتاب جمل کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ قولہ فَغَوَىٰ ای ضل عن مطلوبہ وھو الخلود فی الجنۃ ا ہ

پارہ ۱۷ رکوع ۶ میں ہے فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ شیخ دیوبند مولوی محمود حسن نے اس طرح لکھا ہے۔ "پھر (یونس نے) سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔" ——— (جالندھری ترجمہ) اور فتح محمد جالندھری نے یوں لکھا ہے ———
"اور (یونس نے) خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پا سکیں گے۔"
اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں شیخ دیوبند اور جالندھری نے حضرت یونس علیہ السلام پر یہ اتہام لگایا کہ ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر قابو نہیں پا سکتا اور نہ میری پکڑ کی طاقت رکھتا ہے یعنی ان مترجمین کے نزدیک حضرت یونس علیہ السلام خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

اصل میں شیخ دیوبند اور جالندھری نے یہ سمجھا کہ آیت کریمہ کا لفظ "نقدر" القدرۃ سے مشتق ہے بس بغیر سوچے سمجھے قرآن کی منشا کے خلاف اس کی اردو بنا دی۔ حالانکہ یہ "نقدر" القدر سے مشتق ہے اسی لئے کنزالایمان میں آیت مذکورہ کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے: "تو گمان کیا (یونس علیہ السلام نے) کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے" ——— (رضوی بریلوی ترجمہ) اعلیٰ حضرت کا یہ ترجمہ قرآن کی منشا کے عین مطابق ہے اور حضرت یونس علیہ السلام کسی قسم کے اتہام سے پاک ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے "آپ کہہ دیجئے اے کافرو!" اور اعلیحضرت نے کنزالایمان میں اُس طرح ترجمہ فرمایا ہے "تم فرماؤ اے کافرو!"

ان دونوں ترجموں پر غور کرنے سے اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ تھانوی صاحب کے ترجمہ سے نہ تو اللہ رب العزت کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر برتری ظاہر ہوتی ہے اور نہ حضور کے مخاطبین پر حضور کی عظمت واضح ہوتی ہے برخلاف اس کے کنزالایمان کے ترجمہ میں دونوں پہلو کی پوری رعایت کی گئی ہے اس لئے کہ آمر یعنی حکم فرمانے والا خدائے تعالیٰ ہے اور مامور یعنی جن کو حکم دیا جارہا ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں تو صرف ترجمہ کا لفظ "تم" بتارہا ہے کہ آمر مامور سے برتر و اعلیٰ ہے اور لفظ "فرماؤ" بتا رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام مخاطبین کے لئے فرمانروا بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اسے کہتے ہیں ترجمہ۔ اور تھانوی صاحب نے ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ عربی کی اردو بنائی ہے۔

سورۂ فاتحہ میں ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ یعنی خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اس طرح دعا مانگتے رہو۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے اس دعائیہ جملہ کا ترجمہ یوں لکھا ہے۔ "بتلا دیجئے ہم کو سیدھا راستہ" اور اعلیحضرت نے اس طرح ترجمہ فرمایا ہے: "ہم کو سیدھا راستہ چلا"

یعنی مولوی اشرف علی تھانوی گویا اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کررہے ہیں کہ اب تک ہم کو سیدھا راستہ نہیں معلوم ہوسکا۔ لہٰذا اے اللہ! ہم کو سیدھا راستہ بتلا دیجئے۔ اور اعلیحضرت بارگاہ خداوندی میں اس طرح دعا مانگ رہے ہیں کہ اے ربّ کریم! ہم تیرے فضل و کرم سے سیدھا راستہ پاچکے ہیں اب تو ہم کو سیدھا راستہ چلا۔" اور

مسلمان کے لئے یہی دعا لائق و مناسب ہے اور تھانوی صاحب کی دعا تو کافرونکی دعا ہے۔

دیوبندی تراجم اور کنزالایمان کی مذکورہ بالا چند مثالوں سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ دیوبندی ترجمے قرآن کی منشا کے خلاف ہیں اور اغلاط سے پُر ہیں بلکہ اسلام کے بجائے کفر کا درس دیتے ہیں۔ اور اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کا ترجمہ جو کنزالایمان کے نام سے شائع ہے قرآن کی منشا کے عین مطابق ہے جس میں خدائے قدوس اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عزت و عظمت کا لحاظ کرنیکے ساتھ قرآن کے ہر ہر لفظ کی پوری رعایت کی گئی ہے۔ فللّٰہ الحمد۔

حضرت علامہ مولانا محمد ایوب صاحب مظاہر پورنوی

ختم نبوّت

موجودہ دور میں جتنے فتنوں نے جنم لیا ہے ان میں عظیم فتنہ نئی نبوت کا ہے جس کا دروانہ دیوبند میں کھلا اور ڈرامہ قادیان میں اسٹیج کیا گیا۔ ملت اسلامیہ کا کتنا المناک سانحہ ہے کہ جس فتنہ کو اپنی موت مرجانا چاہیئے وہ پروان چڑھتا رہا۔ پھلتا پھولتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک زندہ تحریک کا روپ دھار لیا یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ مسلمان اپنے مذہب سے بیگانہ اور دین سے ناآشنا ہیں۔ بیگانگی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہ فتنہ اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ زندہ ہے اور قرآن و سنت کے نام پر الحاد و بیدینی کا زہر دے رہا ہے اور وہ طبقہ جس نے دین مغرب سے لیا ہے اس زہر کو شیریں گھونٹ سمجھ کر حلق سے نیچے اتارتا جا رہا ہے یہ سمجھے بغیر کہ ایمان کو زندگی مل رہی ہے یا اسے موت سے قریب کیا جا رہا ہے ——

وقت کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ دینی فکر و شعور رسول و صحابہ کے اسوہ سے نہیں مغربی ذہنوں سے حاصل کیا جا رہا ہے اور عقیدہ قرآن و سنت سے نہیں لیا جاتا بلکہ اپنے اپنے عقیدہ اور ذہن و فکر کے مطابق قرآن و سنت کو ڈھالا جا رہا ہے۔ ناداں یہ بھی نہیں جانتے کہ دین مغرب میں نہیں رسول کی سیرت میں ملتا ہے اور عقیدہ ذہنی پیداوار نہیں بلکہ وحی الٰہی کا نقش ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماً

سلف نے (خدا ان کی قبروں پر رحمت و نور کی بارش برسائے) دین و مذہب کا پاکیزہ شعور پیدا کرنے کے لئے اصول تفسیر کی ترتیب دی تاکہ قرآنی آیات تفسیر و تاویل کی موشگافیوں سے محفوظ رہیں۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں

"تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے ہو کیونکہ قرآن میں اگر کسی جگہ اجمال ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل موجود ہے اگر قرآن میں تفسیر نہ پائی جا سکے تو سنت رسول سے لی جائے اس لئے کہ سنت قرآن کا بیان اور اس کی تفسیر ہے امام شافعی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام قرآن سے سمجھے ہوئے ہیں —— اور جب کسی آیت کی تفسیر قرآن و سنت میں نہ مل سکے تو صحابۂ کرام کے اقوال کی جانب رجوع کرنا چاہیئے وہ قرآن کی بہتر تفسیر جانتے تھے جونکہ نزول آیات کے وقت جو قرائن اور حالات تھے ان سے وہ باخبر تھے اور انھیں کامل سوجھ بوجھ، علم صحیح اور نیک عمل حاصل تھا خصوصًا ان کو جو کہ وہ صحابہ میں ذی مرتبت اور زبردست عالم تھے جیسے خلفاء اربعہ، آئمہ مہتدین اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم —— اور جب کسی آیت کی تفسیر قرآن و سنت اور اقوال صحابہ میں بھی نہ مل سکے تو تابعین عظام کے اقوال لئے جائیں۔" (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳)

اور علامہ سیوطی ابن تیمیہ کا قول معتمد ہونے کی بنا پر نقل فرماتے ہیں — "جو شخص صحابہ اور تابعین کے مذہب اور ان کی تفسیر سے عدول کر کے کوئی دوسرا قول اختیار کرے وہ خاطی بلکہ مبتدع ہے اس لئے کہ صحابہ قرآن کی مراد اور اس کی تفسیر ویسے ہی جانتے تھے جیسا کہ وہ اس دین حق کو جانتے تھے جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے۔" (اتقان ج ۲ ص ۱۷)

علامہ نسفی اور علامہ تفتازانی فرماتے ہیں ـــــــ

"آیات ظاہر معنیٰ پر محمول رکھے جائیں ظاہر معنیٰ سے ایسے معنیٰ کی جانب عدول جن کا فرقہ باطنیہ دعویٰ کرتے ہیں الحاد و بے دینی ہے" (شرح عقائد ص ۱۱۵)

یہ سارے حوالہ جات صرف اس لئے دیئے گئے تاکہ پہلی صدی سے لیکر موجودہ صدی تک کے تمام فتنوں کے بارے میں آسانی سے فیصلہ کیا جاسکے کہ یہ سارے فتنے انھیں اصول و ضابطے سے فرار کا نتیجہ ہیں ـــــــ

موجودہ صدی میں انکار ختم نبوت کا فتنہ بھی سلف بیزاری مغرب نوازی اور جدت پسندی کی پیداوار ہے ختم نبوت کی نص صریح مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ کے ظاہری معنیٰ کو نظر انداز کرکے مختلف معنیٰ پیدا کئے گئے اور طرح طرح کی موشگافیاں کی گئیں اور اس طرح اُمت میں افتراق و انتشار کا دروازہ کھولدیا گیا۔

آیت کی مراد معنیٰ اور صحیح تفسیر جاننے سے پہلے شان نزول اور آیت کے جملوں میں مناسبت ذہن نشین ہو جائے تو بہتر ہے۔

شان نزول

عرب میں متبنّیٰ (منہ بولے بیٹے) کو نسبی بیٹے کی حیثیت حاصل تھی بیٹے کی منکوحہ کی طرح متبنّیٰ کی منکوحہ سے بھی نکاح حرام سمجھتے تھے جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنّیٰ حضرت زید بن حارثہ کی منکوحہ سے نکاح فرمالیا تو کفار و مشرکین عرب طعن و تشنیع اور اعتراضات کا طوفان اٹھانے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ بولے بیٹے کی منکوحہ کو نکاح میں لے لیا اللہ تعالیٰ نے عرب کے اس جاہلانہ اور معاندانہ اعتراض کا جواب ارشاد فرمایا۔

"محمد تمھارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب

نبیوں میں پچھلے" ـــــــ

یہاں ذہن کو ایک جھٹکا لگتا ہے کہ سرکار نے متعدد مقامات پر حسنین کریمین کو اپنا بیٹا فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ حضور کے حقیقی فرزند حضرت طاہر، طیب، قاسم اور ابراہیم تھے پھر آیت میں یہ فرمایا کہ محمد تمھارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں کیا معنیٰ رکھتا ہے اس ذہنی اُلجھن کو یوں دور کیا گیا ہے ـــــــ

والمراد من رجالكم البالغين والحسين والحسين لم يكونا بالغين حينئذ والطاهر والطيب والقاسم وابراهيم توفوا صبيانا

مدارک ج ۳ ص ۳۰۵

رجالکم سے مراد بالغین ہیں اور حضرت حسنین نزول آیت کے وقت بالغ نہیں تھے اور طاہر طیب قاسم ابراہیم بچپن ہی ہی میں وفات پا چکے تھے۔

تاریخی شواہد سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نزول آیت کے وقت حضرت طاہر طیب قاسم باحیات نہیں تھے اور حضرت ابراہیم اس وقت تک پیدا نہیں ہوئے تھے۔

آیت کے جملوں میں مناسبت

آئمہ تفسیر نے متعدد طریقوں سے جملوں میں مناسبت بتائی ہے۔

امام رازی[1] فرماتے ہیں ـــــــ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ فرمانے سے ہر قسم کی ابوت اور شفقت و محبت کی نفی کا شبہ پیدا ہوتا تھا اس لئے شبہ کے ازالہ کے لئے ارشاد فرمایا گیا

---

[1] (حاشیہ) آیت میں ربط و تعلق اور مناسبت سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے مولانا قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں بھی نبوت بالذات، نبوت بالعرض اور ختم ذاتی و زمانی کی شاخیں نکالی ہیں اور پوری امت کے خلاف خاتم النبیین کا معنیٰ ختم زمانی کے بجائے ختم ذاتی لیا ہے ملاحظہ ہو

﴿ولکن رسول اللہ﴾ یعنی روحانی طور پر تمھارے باپ ہیں جس طرح باپ شفیق و ناصح واجب التعظیم اور لازم الاطاعت ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ تم پر شفیق و مہربان اور تمھارے لئے واجب التعظیم ہیں بلکہ باپ سے بھی زیادہ یہ اوصاف ان میں پائے جاتے ہیں پھر فرمایا گیا ﴿وخاتم النبیین﴾ اور یہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا شفقت و رحمت ہیں

(بقیہ حاشیہ)

"سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ﴿ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین﴾ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ـــــ چند سطر بعد ـــــ باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل کو جھوٹے دعوی کرکے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے پر جملہ ﴿ما کان محمد ابا احد من رجالکم﴾ اور جملہ ﴿ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین﴾ میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لئے اور بیسیوں مواقع تھے بلکہ بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔" تحذیر الناس ص ۳ و ۴ مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی

اور پوری امت سے الگ راستہ نکالنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے آنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں محسوس ہوئی۔ لکھتے ہیں۔ "بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی

اس لئے کہ یہ آخری نبی ہیں جن کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں (ایسے نبی امت پر بہت شفیق ہوتے ہیں کیونکہ ان کی مثال اس باپ کی طرح ہوتی ہے جو یہ جانتا ہے کہ اس کے بعد اس کی اولاد کا کوئی مربی یا اتالیق نہیں ہے" (ایسے باپ کے دل میں شفقت و محبت کی جو دنیا آباد ہوتی ہے وہ سب پر ظاہر ہے) (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۵۲۸)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں۔

"محمد تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں ـــــ ـــــ ہاں اللہ کے رسول ہیں اور رسول کی طرح رحمت و شفقت اور آداب و حقوق میں اپنی امت کے باپ ہیں ـــــ مگر حقیقی باپ نہیں اس لئے کہ اگر ان کا کوئی حقیقی بالغ لڑکا ہوتو یہ آخری نبی نہ ہوں بلکہ ان کے بعد ان کے فرزند کو نبوت ملے حالانکہ یہ آخری نبی ہیں۔ کشاف ج ۳ ص ۲۶۴

بعینہ یہی مفہوم تفسیر ابو السعود اور تفسیر صاوی میں لکھا ہے کشاف کے الفاظ یہ ہیں ـــــ (خاتم النبیین) یعنی انہ لو کان لہ ولد بالغ مبلغ الرجال لکان نبیا ولم یکن ھو خاتم النبیین ـــــ

(بقیہ حاشیہ) میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" تحذیر الناس ص ۲۵

امت پر فتنہ کا دروازہ کھولنے کے باوجود نانوتوی صاحب اپنے اختراعی معنی کی صحت پر کس قدر شاداں و فرحاں ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔ "اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہونچا تو ان کی شان میں کیا نقصان اور کسی نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا ؎

گاہ باشد کہ کودکے ناداں — بغلط بر ہدف زند تیرے

(تحذیر الناس ص ۲۶۰)

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیٹا ماننے پر کیوں ضروری ہے کہ ان کا (سرکار کے بیٹے کا) منصب منصب نبوت مانا جائے جبکہ بہت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو نبوت تو نبوت ایمان تک نصیب نہ ہوا جیسا کہ قرآن کریم خود شاہد ہے۔ اس کے جواب میں علامہ صادی فرماتے ہیں۔

" اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کی اولاد کو نبوت دے کر ان کی عزت افزائی فرمائی ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور ہمارے رسول تو سب رسولوں میں اکرم و افضل ہیں اس لئے اگر آپ کی اولاد (نرینہ) ہوتی تو آپ کی عزت افزائی کے لئے انھیں ضرور نبوت دی جاتی کیونکہ آپ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کے مصداق ہیں۔" صادی ج ۳ ص ۲۳۲

علامہ صادی نے یہ جواب صرف عقیدت ومحبت میں ڈوب کر نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تائید و توثیق میں اجلۂ صحابہ کے اقوال و آثار موجود ہیں۔

رأس المفسرین حضرت ابن عباس فرماتے ہیں

یرید لو لم اختم به النبیین لجعلت له ابنا یکون بعده نبیا۔
خازن ج ۳ ص ۴۹۵

(اللہ تعالیٰ کے فرمان خاتم النبیین سے) مراد یہ ہے کہ اگر میں ان پر نبوت ختم نہ کرتا تو ان کو بیٹا عطا کرتا جو بعد میں نبی ہوتے۔

حضرت ابن عباس کا دوسرا فرمان خازن میں اسی جگہ ہے۔

ان اللہ لما حکم ان لا نبی بعدہ لم یعطہ ولد ذکرا یصیر رجلا

اللہ تعالیٰ نے جب مقدر فرما دیا کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں تو انھیں کوئی بیٹا جو مرد کہا جا سکے عطا نہ فرمایا۔

حضرت ابن ابی اوفی کا فرمان بخاری شریف میں ہے۔

لو قدر ان یکون بعدہ نبی لعاش ابراھیم | اگر حضور کے بعد نبی ہونا مقدر ہوتا تو حضرت

ابراہیم (فرزند رسول) زندہ رہتے۔

حضرت انس صحابی رسول سے سدی نے پوچھا حضرت ابراہیم فرزند رسول کی عمر وفات کے وقت کیا تھی آپ نے جواب میں فرمایا۔

ما ملأ مهده ولو بقي لكان نبيا لكن لم يبق لان نبيكم آخر الانبياء
تلخیص التاریخ لابن عساکر ج ۱ ص ۲۹۵

وہ گہوارہ کی مدت بھی پوری نہ کر سکے (بچپن ہی میں وفات پا گئے) اگر زندہ رہتے نبی ہوتے لیکن زندہ نہیں رہے اس لئے کہ سرکار آخری نبی ہیں۔

بعضوں نے آیت کے جملوں میں یوں مناسبت بتائی ہے ——

"کفار و مشرکین عرب کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ حضور نے اپنے بیٹے کی منکوحہ کو نکاح میں لیا ہے اس کے جواب میں فرمایا گیا "محمد تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں" دوسرا اعتراض یہ تھا کہ حقیقی بیٹے کی منکوحہ نہ سہی منہ بولے بیٹے ہی کی سہی مگر اس سے نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ولکن رسول اللہ ہاں اللہ کے رسول ہیں جن کے فرائض میں ہے کہ وہ حلال چیز جس کو سماج کی بندشوں نے حرام کر رکھا ہے اسے رسم و رواج کی بیجا جکڑبندیوں سے آزاد کرائیں اور اس کی حلت خوب اچھی طرح ثابت کر دیں تاکہ اس کے جواز و حلت میں شک شبہ کی گنجائش کبھی باقی نہ رہے پھر تاکیداً فرمایا و خاتم النبیین اور سب نبیوں میں پچھلے نبی ہیں یعنی ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے جو معاشرہ کی جاہلیت اور برائیوں کو دور کر سکے اس لئے اور شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ عملاً اس جاہلانہ رسم کو مٹا کر جائیں تاکہ امت میں منہ بولے بیٹے کی منکوحہ سے نکاح کرنے میں نفرت باقی نہ رہے۔"

خاتم کے لغوی معنیٰ

عام گفتگو بھی صرف لغت سے نہیں سمجھی جا سکتی جب تک کہ متکلم مخاطب اور گفتگو کا پس منظر ذہن میں نہ ہو تو قرآن جو عقائد و مسائل اور شریعت کی بنیاد ہے اُسے کیسے سمجھا جا سکتا ہے پھر بھی چند حوالے دیئے جا رہے ہیں تاکہ ذہن کا یہ

تو جبہ بھی ہلکا ہو جائے۔ مفردات راغب لغات قرآن میں ایک وقیع تصنیف ہے خاتم النبیین سے متعلق اس کے الفاظ یہ ہیں۔

(خاتم النبیین) لانہ ختم النبوۃ ای تممہا بمجیئہ
مفردات راغب ص۱۴۲

خاتم النبیین ہیں اس لئے کہ حضور نے نبوت ختم کردی یعنی آپ نے اپنی تشریف آوری سے نبوت تمام کردی

اسی طرح نزہۃ القلوب لغات قرآن میں اہم تصنیف ہے اس میں ہے۔

قولہ (خاتم النبیین) آخر النبیین

خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہے۔

(نزہۃ القلوب بر حاشیہ تبصیر الرحمٰن ص۲۴۷)

مجمع البحار لغات حدیث میں نہایت جامع کتاب ہے اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

خاتم النبوۃ بکسر التاء ای فاعل الختم وھو الاتمام وبفتحہا بمعنی الطابع ای شیٔ یدل علی انہ لا نبی بعدہٗ

خاتم نبوت (تا کے زیر کے ساتھ) ختم کرنیوالا تمام کرنیوالا اور تا کے زبر کے ساتھ یعنی مہر (دونوں ہی صورت) خاتم النبوۃ وہ ذات ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

قاموس میں ہے

والخاتم آخر القوم کالخاتم ومنہ قولہ تعالیٰ وخاتم النبیین ای آخرہم
(قاموس کی شرح تاج العروس میں ہے)

اور خاتم (تا کے زبر کے ساتھ) قوم کے سب سے آخری آدمی کو کہا جاتا ہے جیسا کہ خاتم (تا کے زیر کے ساتھ) کے معنی ہیں اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان وخاتم النبیین ہے یعنی حضور سب نبیوں میں آخری نبی ہیں۔

ومن اسمائہ علیہ السلام الخاتِم والخاتَم وھو الذی ختم النبوۃ بمجیئہ

اور سرکار کے اسماء گرامی میں خاتم اور خاتم بھی ہے اور اس کے معنی ہیں وہ ذات جن کی جلوہ فرمائی نے نبوت ختم کردی۔

ختم نبوت سے متعلق احادیث

ختم نبوت سے متعلق سرکار کے تمام اقوال کو حیطۂ تحریر میں لانے کی صلاحیت مجھ میں نہیں۔ چند احادیث لکھے جا رہے ہے تفصیل کے لئے سیدنا سرکار اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی تصنیف جزاء اللہ عدوہ باباءہٖ ختم النبوۃ کا مطالعہ کریں۔

پہلی حدیث) "سرکار نے ارشاد فرمایا میری اور دوسرے انبیاء کی مثال اس عمارت کی سی ہے جو نہایت خوبصورت او دیدہ زیب ہو لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو جو لوگ اس کے ارد گرد گھومتے پھرتے اور عمارت کی خوبصورتی اور حسن پر خوش ہوتے ہوں لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی دیکھ کر حیرت زدہ ہوں تو میں اس اینٹ کی جگہ پر کرنے والا ہوں اور اس عمارت (نبوت کی عمارت) کو تمام کرنے والا ہوں اور میں ہی آخری نبی ہوں اور ایک روایت میں ہے تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنیوالا ہوں"

(رواہ البخاری ومسلم) مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۱

(دوسری حدیث) "سرکار نے فرمایا میرے بہت سے نام ہیں میں محمد ہوں احمد ہوں ماحی ہوں یعنی مجھ سے خداوند قدوس کفر کو مٹاتا ہے میں حاشر ہوں یعنی قیامت کے دن لوگ میرے قدموں میں جمع کئے جائیں گے میں عاقب ہوں اور عاقب وہ نبی جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو" (رواہ البخاری ومسلم) مشکوٰۃ شریف باب اسماء النبی، صفحہ ۵۱۵

(تیسری حدیث)

کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء

كلما هلك نبي خلفه نبي وانه لا نبي بعدی و سيكون خلفاء فيكثر (بخاری ج ۱ ص۴۹۱ مسلم ج ۲ ص۱۲۶)

فرمایا کرتے تھے جب کسی نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہوتا ہے لیکن میرے بعد نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔

(چوتھی حدیث)

انی عند الله مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینته (شرح السنہ مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳)

میں عند اللہ اس وقت آخری نبی لکھا ہوا ہوں جب حضرت آدم اپنی خمیر میں تھے یعنی ان کا سراپا بھی تیار نہ ہوا تھا۔

(پانچویں حدیث) "سرکار نے فرمایا دوسرے انبیاء پر مجھے چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی (یعنی یہ چھ چیزیں میرے علاوہ دوسرے نبی کو نہیں دی گئیں) ۱۔ مجھے جوامع کلم دیا گیا ۲۔ لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال کر میری نصرت فرمائی گئی ۳۔ مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا ۴۔ ساری زمین میرے لئے مسجد اور پاک بنائی گئی ۵۔ جمیع مخلوقات کے لئے میں مبعوث کیا گیا ۶۔ انبیاء کا سلسلہ مجھ پر ختم کیا گیا" (رواہ مسلم) مشکوٰۃ شریف ص۵۱۲

(چھٹی حدیث)

انا قائد المرسلین ولا فخر وانا خاتم النبیین ولا فخر (دارمی) مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳

میں رسولوں کا پیشوا ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں اور میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور اس پر مجھے فخر نہیں۔

(ساتویں حدیث)

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت

بیشک رسالت اور نبوت ختم ہو چکی تو میرے

فلا رسول بعدی ولا نبی

بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ نبی۔

(ترمذی، مسند امام احمد، مستدرک حاکم) جامع صغیر ج ۱ ص۷۷)

خاتم النبیین کا معنی تفاسیر کی روشنی میں

وہ آئمہ دین جن کی علمی اور فکری کاوشوں پر علم و فن نازاں ہے ان کی چند توضیحات نذر قرطاس ہیں ان توضیحات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی پوری امت کا اجماعی معنی ہیں۔

امام رازی فرماتے ہیں

(وکان الله بکل شئ علیما) یعنی علمه بکل شئ دخل فیه ان لا نبی بعده (کبیر جلد ۶ ص۵۲۸)

اللہ کو ہر چیز کا علم ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں۔

صاحب تفسیر ابو السعود فرماتے ہیں

(وخاتم النبیین) ای کان آخرهم الذی ختموا به وقرئ بکسر التاء ای کان خاتمهم ویؤیده قراءة ابن مسعود ولکن نبیاً ختم النبیین

ابو السعود علی هامش الکبیر ج ۷ ص۳۴۹

یعنی حضور تمام نبیوں میں پچھلے نبی ہیں اور ایک قرأت تا کے زیر کے ساتھ خاتِم ہے (جس کے معنی آخر الانبیاء ظاہر ہیں) اور حضرت ابن مسعود کی قرأت ولکن نبیاً ختم النبیین خاتِم بکسر التاء ہی کی تائید کرتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ چاہے خاتِم تا کے زیر کے ساتھ پڑھا جائے چاہے خاتَم تا کے زبر کے ساتھ پڑھا جائے۔ دونوں ہی قرأت کی بنا پر معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

علامہ زمخشری فرماتے ہیں

وخاتم بفتح التاء بمعنی الطابع وبکسرھا بمعنی الطابع وفاعل الختم وتقویہ قرأۃ ابن مسعود ولکن نبیاً ختم النبیین (کشاف ج ۳ صـ۲۶۴)

اور خاتَم تا کے زبر کے ساتھ بمعنی آلۂ مہر اور تا کے زیر کے ساتھ بمعنی مہر کرنیوالا اور بعد کی قرأت کی تقویت حضرت ابن مسعود کی قرأت ولکن نبیاً ختم النبیین سے ہوتی ہے۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

فھذہ الآیۃ نص فی انہ لا نبی بعدہ واذا کان لا نبی بعدہ فلا رسول بعدہ بالطریق الاولیٰ والاحریٰ لان مقام الرسالۃ اخص من مقام النبوۃ فان کل رسول نبی ولا ینعکس (تفسیر ابن کثیر ج ۳ صـ۴۹۳)

یہ آیت اس امر پر نص ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں جب نبی نہیں تو رسول کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ درجۂ رسالت درجۂ نبوت سے خاص ہے۔ ہر رسول نبی ہیں مگر ہر نبی رسول نہیں۔

علامہ فیروز آبادی صاحب قاموس فرماتے ہیں۔

(وخاتم النبیین) ختم اللہ بہ النبیین قبلہ فلا یکون نبی بعدہ

اللہ تعالیٰ نے حضور کو تمام انبیاء سابقہ کا خاتم بنایا تو آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

تنویر المقباس صـ۲۶۳

علامہ علی بن احمد واحدی فرماتے ہیں۔

(وخاتم النبیین) ای لا نبی بعدہ الوجیز فی تفسیر القرآن العزیز برحاشیہ مراح لبید ج ۲ صـ۱۸۵

یعنی حضور کے بعد کوئی نبی نہیں

شیخ محمد نووی جاوی فرماتے ہیں

(وخاتم النبیین) ای وکان آخرھم الذین ختموا بہ

مراح لبید جلد ۲ صـ۱۸۵

یعنی حضور تمام نبیوں میں آخری نبی ہیں۔

صاحب خازن فرماتے ہیں

(وخاتم النبیین) ختم اللہ بہ النبوۃ فلا نبوۃ بعدہ (خازن ج ۳ صـ۴۹۵)

اللہ نے حضور پر نبوت ختم کر دی اب انکے بعد کسی کے لئے نبوت نہیں۔

علامہ عبداللہ نسفی فرماتے ہیں۔

(وخاتم النبیین) بفتح التاء عاصم بمعنی الطابع ای آخرھم وغیرہ بکسر التاء بمعنی الطابع وفاعل الختم وتقویہ قرأۃ ابن مسعود ولکن نبیاً ختم النبیین

مدارک جلد ۳ صـ۳۰۶

تا کے زبر کے ساتھ عاصم کی قرأت ہے بمعنی آلۂ مہر یعنی آخری نبی اور دوسروں کی قرأت تا کے زیر کے ساتھ ہے بمعنی مہر کرنیوالا اور اسکی تقویت حضرت ابن مسعود کی قرأت ولکن نبیاً ختم النبیین سے ہوتی ہے

حضرت ملا جیون فرماتے ہیں

ھذہ الآیۃ تدل علی ختم النبوۃ علی نبینا صریحاً ——— والمقصود انہ یفھم من الآیۃ ختم النبوۃ علی نبینا علیہ السلام

تفسیرات احمدیہ صـ۲۴۴

یہ آیت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے ختم ہونیکی کھلی دلیل ہے ——— اور آیت کا مقصود ومفہوم یہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہے۔

علامہ جلال الدین محلی فرماتے ہیں

(وکان اللّٰہ بکل شیئٍ علیما) منہ بان لا نبی بعدہ (جلالین شریف ص ۳۵۵)

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں

اب اخیر میں گھر کے بھیدی کی بھی ایک شہادت سماعت فرمایئے۔ مولوی محمد علی لاہوری[2]

---

[2] قادیانی جماعت کے نبی مرزا غلام احمد نے اپنی امت کے لئے مختلف تاثرات اپنی کتابوں میں چھوڑے ہیں یہی وجہ ہے کہ مرزا کے مرنے کے بعد اس کی امت تین فرقوں میں بٹ گئی ایک اروپی فرقہ یہ فرقہ مرزا کو تشریعی (صاحب شریعت) نبی مانتا ہے یہ فرقہ اسلام سے بہ راست ٹکرانے کی وجہ سے زندہ نہیں رہ سکا دوسرا فرقہ جو اپنے آپ کو مرزا کا سچا جانشین کہتا ہے اس کی قیادت مرزا کے صاحبزادہ کے ہاتھوں میں ہے یہ فرقہ مرزا کو غیر تشریعی نبی مانتا ہے۔ آج کل یہی فرقہ قادیانی جماعت سے موسوم ہے تیسرا فرقہ لاہوری جماعت کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے سربراہ مولوی محمد علی لاہوری ہیں اس فرقہ کا موقف یہ ہے کہ مرزا مسیح موعود ہیں نبی نہیں۔ مرزا نے کہیں بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ہے جہاں کہیں نبوت وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں وہاں اصطلاحی معنی نہیں بلکہ مجاز و استعارات و صوفیانہ اصطلاحات مراد ہیں۔ مولوی محمد علی نے قرآن شریف کی تفسیر پہلے انگریزی میں ترجمۃ القرآن کے نام سے مشہور ہے تفسیر بیان القرآن سرسید علی گڑھی کے ذہن و فکر کی آئینہ دار ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر لکھتے وقت سرسید کی روح مولوی محمد علی میں حلول کر گئی تھی معجزات اور خوارق کی تشریح و تفسیر اس طرح کی گئی ہے کہ جدید نظریات و افکار قبول کر سکیں اور اس قسم کی تفسیر و تشریح کے لئے عرف و استعمال، زبان و محاورہ علماء سلف کی کاوشوں، سیاق و سباق سب کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اپنی مشہور و معروف تالیف تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں۔

"انبیاء علیہم السلام ایک قوم ہیں اور کسی قوم کا خاتَم یا خاتِم ہونا صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے یعنی ان میں سے آخری ہونا پس نبیوں کے خاتم کے معنی نبیوں کی مہر نہیں بلکہ آخری نبی ہیں یہاں ان سب احادیث کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں جن میں خاتم النبیین کی تشریح کی گئی ہے یا جن میں آنحضرت صلعم کے بعد نبی نہ آنا بیان کیا گیا ہے اور یہ احادیث متواترہ ہیں جو صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں اور لغت کا اس پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی نہیں۔ چند سطر بعد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس قدر زبردست شہادت کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کا آنحضرت صلعم کے آخری نبی ہونے سے انکار کرنا بینات اور اصول دین سے انکار ہے" (بیان القرآن جلد سوم ص ۱۵۱۵، ۱۵۱۶ تفسیری ص ۲۶۵۹)

منکرین ختم نبوت کے شکوک و شبہات

نئی نبوت کے پرچار کرنے والے مختلف شکوک و شبہات سے ذہنوں کو ہموار کرتے ہیں ان میں دو شبہے جو منکرین کے نزدیک نہایت اہم ہیں وہ پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ ان کے شبہات کی حقیقت کھل جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں وزن کتنا ہے؟

ان کا سب سے اہم شبہ یہ ہے کہ حضور کو آخری نبی تسلیم کر لینے سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانہ میں نزول صحیح نہ مانا جائے جو بالاتفاق نبی ہیں حالانکہ کثرت سے احادیث ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کے نزول کی خبر دی ہے۔

اس شبہ کا اگر تفصیلی جواب دیا جائے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لئے مختصراً چند جوابات دیئے جا رہے ہیں۔

عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے۔

فان قیل قد ورد فی الحدیث نزول عیسیٰ بعدہٗ قلنا نعم لکنہ یتابع محمدا علیہ السلام لان شریعتہٗ قد نسخت فلا یکون الیہ وحی ونصب الاحکام بل یکون خلیفۃ رسول اللہ علیہ السلام

شرح عقائد نسفی ص۹۷

اگر کہا جائے کہ حدیث میں آیا ہے کہ سرکار کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے (پھر سرکار کو آخری نبی کیسے مانا جائے) تو ہم کہیں گے کہ حضرت عیسیٰ نازل تو ہونگے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہونگے اس لئے کہ انکی شریعت منسوخ ہو چکی ہے تو نہ انکی جانب وحی ہوگی نہ وہ احکام مقرر فرمائیں گے بلکہ حضور کے نائب ہوں گے۔

علامہ عبداللہ نسفی فرماتے ہیں۔

فان قلت کیف کان آخر الانبیاء؟ وعیسیٰ ینزل فی آخر الزمان قلت! معنی کونہ آخر الانبیاء انہ لا ینبأ احد بعدہٗ وعیسیٰ ممن نبئ قبلہ وحین ینزل ینزل عاملا علی شریعۃ محمد مصلیا الی قبلتہ کانہٗ بعض امتہ

کشاف ج ۳ ص ۲۶۵

اگر تم کہو حضور آخری نبی کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا؟ میں کہونگا حضور کے آخری نبی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد کسی کو نبوت نہ دیجائیگی اور حضرت عیسیٰ کو نبوت پہلے دیجا چکی ہے اور وہ جب نازل ہوں گے تو شریعت مصطفویہ پر عامل ہوں گے اور کعبہ کیجانب رخ کرکے نماز پڑھیں گے (بیت المقدس کی جانب نہیں) گویا کہ حضرت عیسیٰ سرکار کے بعض امتی ہیں۔

بعض حدیثوں میں یہاں تک ہے کہ وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہی نہیں ہونگے بلکہ حضور کے امتی حضرت امام مہدی کے پیچھے نماز بھی پڑھیں گے۔

قال کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم واما مکم منکم (بخاری شریف باب نزول عیسیٰ)

سرکار نے فرمایا کیسے ہوگے تم جب تم میں ابن مریم اتریں گے اور تمھارا امام تمھیں میں سے ہوگا۔

(البتہ ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ احکام مقرر فرمائیں گے نہ ان کی جانب وحی آئے گی تو پھر ان کے نبی ہو کر آنے کا مقصد کیا ہے یہ تو عملاً عہدہ نبوت سے معزولی ہے حالانکہ نبی نبوت سے معزول نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے اس کے باوجود ان کیجانب وحی نہ آئے گی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت دنیا والوں پر ظاہر ہو جائے کہ یہ وہ عظیم المرتبت رسول ہیں جن کی اتباع کرنے میں حضرت عیسیٰ جیسے اولو العزم نبی فخر محسوس کرتے ہیں ———

ان کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا ہے قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لانبی بعدہ خاتم النبیین کہو مگر یہ نہ کہو کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں حضرت عائشہ کے اس فرمان سے صاف ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کا معنی آخری نبی نہیں بلکہ کچھ اور ہے اگر یہی معنی ہوتے تو حضرت عائشہ لانبی بعدہ کہنے سے کیوں روکتیں۔ حضرت عائشہ کا یہ فرمان دُرِّ منثور، تکملۂ مجمع البحار اور تاویل الاحادیث میں ہے ———

اس شبہ کے جواب میں میرے کچھ کہنے سے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاکٹ بازو (لاہوری جماعت) کے قائد و سربراہ مولوی محمد علی لاہوری نے جو کچھ کہا ہے اسے نقل کر دیا جائے۔

"ایک قول حضرت عائشہ کا پیش کیا جاتا ہے جسکی سند کوئی نہیں قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لانبی بعدہ خاتم النبیین کہو اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور اس کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی کچھ

اور تھے کاش وہ معنی بھی کہیں مذکور ہوتے حضرت عائشہ کے اپنے قول میں ہوتے کسی صحابی کے قول میں ہوتے نبی کریم صلعم کی حدیث میں ہوتے مگر وہ معنی در لطن قائل ہیں اور اس قدر حدیثوں کی شہادت جن میں خاتم النبیین کے معنی لا نبی بعدی کئے گئے ہیں ایک بے سند قول پر پس پشت پھینکی جاتی ہیں یہ غرض پرستی ہے خدا پرستی نہیں کہ رسول اللہ صلعم کی تیس حدیثوں کی شہادت ایک بے سند قول کے سامنے رد کی جاتی ہے۔ اگر اس قول کو صحیح مانا جائے تو کیوں اس کے معنی یہ نہ کئے جائیں کہ حضرت عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ دونوں باتیں اکٹھی کہنے کی ضرورت نہیں۔ خاتم النبیین کافی ہے جیسا کہ مغیرہ بن شعبہ کا قول ہے کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے کہا خاتم الانبیاء و لا نبی بعدہ تو آپ نے کہا خاتم الانبیاء کہنا تجھے بس ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا مطلب ہو کہ جب اصل الفاظ خاتم النبیین واضح ہیں تو وہی استعمال کرو۔ یعنی الفاظ قرآنی کو الفاظ حدیث پر ترجیح دو اس سے یہ کہاں نکلا کہ آپ الفاظ حدیث کو صحیح نہ سمجھتی تھیں اور اتنی حدیثوں کے مقابل اگر ایک حدیث ہوتی تو وہ بھی قابل قبول نہ ہوتی چہ جائے کہ صحابی کا قول جو شرعاً حجت نہیں۔"

(بیان القرآن ج ۳ ص ۱۵۱۶ و ۱۵۱۷ تفسیری ۲۶۵۹)

منکرین ختم نبوت کے متعلق شرعی احکام

مسئلہ ختم نبوت دین کے اساسی اور بنیادی مسائل میں سے ہے اس لئے آئمہ شریعت نے صاف اور صریح لفظوں میں فرما دیا ہے کہ جو اس مسئلہ میں سواد اعظم کے خلاف ہو وہ خارج از اسلام اور کافر ہے

اذا لم یعرف ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء فلیس بمسلم

جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ جانے وہ مسلمان نہیں اس لئے کہ سرکار کو آخری

لانہ من الضروریات

نبی جاننا ضروریات دین میں سے ہے

الاشباہ والنظائر مطبع مظہری ص ۱۳۸

عالمگیری میں ہے

اذا لم یعرف الرجل ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء علیہم وعلی نبینا السلام فلیس بمسلم

جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ جانے وہ مسلمان نہیں

عالمگیری ج ۲ ص ۲۸۲ (مکتبہ رحیمیہ)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں

وکونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مما نطق بہ الکتاب وصدعت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر ــــــــ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے تو جو اس کے خلاف دعویٰ کرے اس کی تکفیر کی جائیگی اور اصرار کرنے پر قتل کر دیا جائے گا۔

روح المعانی ج ۷ ص ۶۵

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں

وقد اخبر اللہ تبارک وتعالیٰ فی کتابہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السنۃ المتواترۃ عنہ انہ لا نبی بعدہ لیعلموا ان کل من ادعی ھذا المقام فھو کذاب افاک

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث متواترہ میں خبر دیدی کہ سرکار کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ لوگ جان لیں کہ جو شخص نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا مفتری دجال گمراہ اور

دجالٌ ضالٌ مُضل ولو مخرق وشعبد واتی بانواع السحر والطلاسم والنیر مجیات فکلها محال وضلال عند اولی الالباب

تفسیر ابن کثیر ج ۳ صـ۴۹۴

گمراہ گر ہے اگرچہ اس سے خرق عادت ہو اور وہ شعبدے دکھائے اور طرح طرح کے جادو طلسمات اور نیرنگیاں پیش کرے عقلمند جانتے ہیں کہ یہ سب دھوکہ اور فریب ہے۔

علامہ توریشتی فرماتے ہیں

وآں کس کہ گوید کہ بعد از وے نبی دیگر بود یا ہست یا خواہد بود وآں کس کہ گوید کہ امکان دارد کہ باشد کافر است

جو شخص کہے کہ سرکار کے بعد نبی ہوا تھا یا ہے یا ہوگا اور وہ شخص جو کہے کہ امکان ہے کہ سرکار کے بعد نبی ہو وہ کافر ہے

المعتمد فی المعتقد بحوالہ التبشیر القاری بشرح صحیح البخاری صـ۲۲۷

سخت اذیت ہوتی ہے جب یہ سوچتا ہوں کہ ایسا فرقہ جو قرآن وسنت، آثار صحابہ اقوال سلف اور پوری امت کے خلاف موقف لیکر اٹھا ہو نہ صرف جی رہا ہے بلکہ اپنی بھرپور توانائی کے ساتھ کھیلتا جا رہا ہے پھر یوں تسلی ہوتی ہے کہ ایسا ہونا ناگزیر اور لابدی ہے۔ سرکار نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔

لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریبا من ثلثین کلهم یزعم انه رسول الله

بخاری شریف

قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تیس ایسے دجال کذاب نہ پیدا ہوں گے جو سب کے سب اپنے کو اللہ کا رسول سمجھینگے۔

حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولیس المراد بالحدیث من ادعی النبوة مطلقا فانهم لا یحصون کثرة لکون غالبهم ینشأ لهم ذلك عن جنون وسوداء وانما المراد من قامت له شوكة

فتح الباری ج ۶ صـ۴۵۵

اس حدیث سے ہر قسم کے مدعیان نبوت کی تعداد بتانا مقصود نہیں اس لئے کہ مدعیان نبوت کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار نہیں کیا جاسکتا یہ مرض (دعوی نبوت) علی العموم جنون اور سودا سے پیدا ہوتا ہے بلکہ مقصود ان دجالوں کی تعداد بیان کرنا ہے جنکی شوکت قائم ہوجائے یعنی ماننے والے کثرت سے ہوجائیں

یہ حقیقت ہے کہ جب تک جنون نہ ہو اس وقت تک سر میں دعوی نبوت کا سودا پیدا نہیں ہوتا خود مرزا غلام احمد قادیانی کو دیکھئے۔ قادیانی جماعت کا رسالہ ریویو لکھتا ہے۔ "مراق کا مرض حضرت مرزا صاحب کو موروثی نہ تھا بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا۔ اور اس کا باعث سخت دماغی محنت، تفکرات، غم اور سوء ہضم تھا۔ جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دوران سر کے ذریعہ ہوتا تھا" (رسالہ ریویو قادیان صـ۱۰ اگست ۱۹۲۶ء بحوالہ قادیانی مذہب تھا ایڈیشن)

اور مراق کیا مرض ہے یہ اطبا کی زبانی سنیئے۔

"مالیخولیا کی ایک قسم ہے جس کو مراق کہتے ہیں یہ مرض تیز سودا سے جو معدہ میں جمع ہوتا ہے پیدا ہوتا ہے۔" (شرح الاسباب والعلامات امراض راس بحوالہ قادیانی مذہب صـ۱۰۵)

اور اس مرض کے آثار ونتائج کیا ہوتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

"مریض کے اکثر اوہام اس کام سے متعلق ہوتے ہیں جس میں مریض زمانہ صحت میں مشغول رہا ہو مثلاً۔ . . . . . . مریض صاحب علم ہو تو پیغمبری اور معجزات وکرامات کا دعوی کردیتا ہے خدائی کی باتیں کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تبلیغ کرتا ہے۔"

اکسیر اعظم جلد اول صـ۱۸۸ بحوالہ قادیانی مذہب صـ۱۰۸

پھر کیا ایسا شخص اپنے دعوئ نبوت میں سچا ہوسکتا ہے اور اس کی باتیں لائق اعتنا ہوسکتی ہیں اس کا فیصلہ خود ایک قادیانی کے قلم سے ملاحظہ کیجیے۔

"ایک مدعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو ہسٹریا، مالیخولیا یا مرگی کا مرض تھا تو اس کے دعوی کی تردید کے لئے کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ یہ ایک ایسی چوٹ ہے جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ دیتی ہے۔"

مضمون ڈاکٹر شاہنواز صاحب قادیانی

بحوالہ قادیانی مذہب ص ۱۰۸ و ۱۰۹

مولفہ پروفیسر الیاس برنی مرحوم

حضرت علامہ مولانا عنایت احمد صاحب نعیمی گونڈوی

اسلاف کرام اور جذبۂ احترام رسول

دنیا میں جتنی قومیں ہیں اگر وہ کسی دین و مذہب اور کسی آئین و اصول کی پابند ہیں تو یقیناً انھوں نے اپنے دین و مذہب لانے والے اور آئین و اصول کے بانی کو عام انسانی مقام سے اونچا مقام دیا ہے اور اسی کی عظمت و برتری کے اظہار کے لئے اپنے دینی رہنماؤں، مذہبی پیشواؤں اور قومی ریفارمروں کی اپنے اصول و انداز اور رسم و رواج کے مطابق بے پناہ تعظیم و توقیر کی، انکے احترام و ادب کو اپنا شعار بنایا۔ فروتنی اور خاکساری کے جتنے جذبات تھے سب اپنے مقتدا کے قدموں پر قربان کردیئے۔ اسی لئے بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر قوم نے اپنے رہنما اور رہبر کی تعظیم و توقیر کو حاصلِ ایمان اور مدار اعتقاد سمجھا ہے اور اسی احترام و ادب کو اپنے لئے باعثِ نجات خیال کیا ہے۔ یہ ایک بات ہے کہ ان کا یہ خیال واقعہ کے مطابق نہ ہو۔ ایسا کوئی شخص آپ کو نہ ملے گا جو اپنے کو کسی مذہب کا ماننے والا اور اس کا پابند بتائے اور پھر اس مذہب کے لانے والے یا بانی والے کو برا بھی کہتا جائے۔ البتہ کچھ لوگ ایسے ضرور ملیں گے جنھوں نے اپنے رہنماؤں کی کمزوریوں اور خامیوں پر خیر و صلاح نیکی اور بھلائی کا لیبل چسپاں کرنیکی کوشش کی ہے۔ ان کے گناہوں اور جرائم کو ان کا فضل و کمال ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے کیونکہ کسی دینی رہنما کسی قومی مصلح اور کسی مذہبی پیشوا کی دینی و مذہبی حیثیت اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک اس کے ماننے والوں میں اس کا بے پناہ جذبۂ احترام کارفرما ہو۔ اسکی عظمت و برتری کا سکہ ان کے دلوں پر نہ مٹنے کی حد تک جم چکا ہو۔ ذرا آپ مختلف مذاہب کے

پیروکاروں پر ایک گہری نظر ڈالیں تو آپ کو ان کا پورا مذہبی سرمایہ ان کے بزرگوں کے چند
فرضی کرامات۔ کچھ مافوق الفطرت کاموں کی بہتات، کچھ غیر معقول قصے اور کہانیاں ہی نظر
آئیں گی انھیں چند کمزور بنیادوں پر ان کے ایمان و اعتقاد کی پوری عمارت کھڑی ہوئی نظر آئے گی
مگر بایں ہمہ وجوہ وہ اپنے پیشوا کی جس طرح تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور جس طرح ان کے احترام و ادب کا
مظاہرہ کرتے ہیں کسی پر مخفی نہیں شاید ہی کوئی بد قسمت انسان ہو جو اپنے مذہبی رہنما کو قابل تعظیم
سزاوار عزت اور لائق حرمت نہ یقین کرتا ہو۔ اپنے مصلحین اور پیشوایان دین پر اپنا سب کچھ قربان
کرنے کا بلند آہنگ نعرہ کس مذہب کے پیروکار نہیں لگاتے۔ لیکن یہ زبانی دعوے شاہدہ اور تجربہ
عمل و کردار کی دنیا میں خس و خاشاک سے زیادہ کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ آئیے ہم ان زبانی
دعویداروں سے پرے چل کر کچھ ایسے لوگوں کی تلاش و جستجو کریں جو قول سے زیادہ عمل کے
عادی ہوں۔ جن کے یہاں دعوے سے پہلے دلیل کے سامان فراہم ہوں۔ جنھوں نے اپنے رہبر
و رہنما کی تعظیم و تکریم اور اس کا ادب و احترام صرف زبان کی حد تک نہ کیا ہو۔ بلکہ عملی طور سے
یہ ثابت مبرہن کر دیا ہو کہ ہمارا معاملہ دوسرے مذاہب کے پرستاروں سے بالکل جداگانہ
ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ "کبریت احمر" سے زیادہ قیمتی کون لوگ ہیں۔ یہی وہ فرزندان اسلام
ہیں۔ جن پر اسلام کو بجا طور پر ہمیشہ فخر رہے گا۔ کیا یہ آفتاب سے زیادہ واضح اور روشن
حقیقت نہیں کہ ہمارے اسلاف کرام نے جس انداز میں اپنے رہبر اور اپنے محبوب صلی اللہ
علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کی ہے نہ کوئی قوم۔ اپنے رہبر کی ویسی تعظیم و تکریم کر سکی نہ رہتی دنیا تک
کر سکے گی۔ شمع رسالت کے پروانوں کا احترام و ادب اور رسول کی بارگاہ میں ان کی تعظیم و توقیر کا
اگر آپ جائزہ لینا چاہیں تو کسی مخلص دوست کی نہیں بلکہ دشمن کی گواہی کا اعتبار کیجئے۔ دوست
کے لئے دوست کی گواہی تو یوں کہہ کر بھی رد کی جا سکتی ہے کہ عقیدت و محبت کی فراوانی میں
مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے لیکن اس گواہ کے بارے میں آپ کیا کہہ سکیں گے جس کے دل

میں مشہود کے لئے ذرا سا بھی جذبہ عقیدت محبت نہ ہو بلکہ مشہود کی عداوت و دشمنی ہی اس کی
زندگی کا نصب العین ہو یقیناً ایسے شاہد کی شہادت ناقابل انکار شہادت ہوگی اور ایسی
ٹھوس حقیقت ہوگی جس میں کذب و دروغ کا کوئی ہلکا سا بھی شائبہ نہ ہوگا۔ اسلام کا
ابتدائی دور ہے۔ رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ کو اپنے
قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔ کفار مکہ نے عروہ بن مسعود جیسے جہاندیدہ اور آزمودہ
کار کو خدمت نبوی میں بھیجا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی قوت کا اندازہ اور ان کی اجتماعی
شوکت کا نظارہ کر سکیں۔ عروہ نے بارگاہ نبوی میں پہونچ کر اپنی کھلی آنکھوں سے غلامانِ
مصطفےٰ علیہ السلام کا جو ادب و احترام اور جس جاں نثاری اور پروانہ واری کا منظر
دیکھا اس نے انھیں عالم حیرت میں ڈال دیا۔ اپنی قوم میں واپس آکر عروہ نے جو رپورٹ پیش کی
ہے یقین جانیے اتنی نادر انوکھی اور حقیقت آمیز رپورٹ شاید کسی دشمن نے اپنے دشمن کے
لئے کبھی پیش نہ کی ہوگی۔ عروہ کہتے ہیں اے مکہ والو میں نے بہت کر و فر والے شاہنشاہوں
کو دیکھا۔ قیصر و کسریٰ کی پر عظمت و پر جلال بارگاہیں دیکھیں مگر احترام و ادب کا جو جلوۂ زیبا
محمد کی بارگاہ میں نظر آیا وہ کہیں دیکھنے میں نہ آیا۔ محمد اور اصحاب محمد کا معاملہ ہی کچھ اور ہے
ان دونوں میں حاکم و محکوم آقا و غلام سے بڑھ کر شمع اور پروانے کا رشتہ ہے۔ گل و بلبل کا رشتہ ہے
جسم و روح کا تعلق ہے۔ زندگی اور سانس کا ربط ہے۔ کیا یہ رشتے ایک دوسرے سے کبھی جُدا
ہو سکتے ہیں۔ کیا کوئی طاقت ان مضبوط و پائیدار رشتوں کو کاٹ سکتی ہے۔

محمد پر اصحاب محمد کی وارفتگی کا جو منظر میں نے دیکھا ہے وہ حد بیان سے باہر ہے میں
نے دیکھا ہے "اَنَّہٗ لَا یَتَوَضَّأُ اِلَّا ابْتَدَرُوْا وَضُوْءَہٗ وَکَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلَیْہِ
وَلَا یَبْصُقُ بُصَاقًا وَلَا یَتَنَخَّمُ نُخَامَۃً اِلَّا تَلَقَّوْھَا بِاَکُفِّھِمْ فَدَلَکُوْا بِھَا وُجُوْھَھُمْ
وَاَجْسَادَھُمْ وَلَا تَسْقُطُ مِنْہُ شَعْرَۃٌ اِلَّا ابْتَدَرُوْھَا وَمَا یُحِدُّوْنَ اِلَیْہِ النَّظَرَ

تعظیمًا لهٗ (الشفا للقاضی عیاض ص۴۲ ج۲) یعنی جب وہ وضو کرتے ہیں تو ان کے ماننے والے
ان کے غسالہ پر ایسے گرتے ہیں جیسے پروانے شمع پر جب وہ تھوکتے یا ناک صاف کرتے ہیں تو
یہ رطوبتیں زمین پر نہیں گرنے پاتیں بلکہ ہاتھوں میں پہونچ کر کسی کے چہرے اور بدن کی زیب
و زینت بن جاتی ہیں۔ اور کیا مجال ہے کہ ان کا ایک بال زمین پر گر جائے تعظیم و احترام کی بنا
پر ان کی طرف تیز نظروں سے دیکھتے تک نہیں۔ احترام و ادب کا یہ جذبہ کیا دوسرے مذاہب اپنے
کسی ایک ہی فرد میں دکھانے کی جرأت کر سکیں گے جس نے اپنے رہبر کے اعضا کے دھوون کو
آب حیات سے زیادہ حیات بخش و جانفزا سمجھا ہو اس کے بدن کے پسینہ کو مشک و عنبر سے زیادہ
خوشبودار یقین کیا ہو۔ جس نے اپنے محبوب کے آئینۂ رخسار پر تیز نگاہوں کی ہلکی ٹھیس بھی گوارہ
نہ کی ہو یہ فخر تو صرف غلامانِ مصطفےٰ علیہ السلام کو حاصل ہے جنھوں نے اپنے نبی کے تلوؤں سے
لگ جانے والے پانی کو کوثر و سلسبیل سے زیادہ متبرک سمجھا اور ان کے مبارک بال کو بھی کونین کا عظیم
سرمایہ یقین کیا حتیٰ کہ جسم پاک کے فضلات مبارکہ کو بھی نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر استعمال کیا اور ان سے
فیوض و برکات حاصل کئے بات آ ہی گئی ہے تو اس سلسلے میں چند واقعات ملاحظہ فرماتے چلیں۔

۱۔ ایک مرتبہ سرکار نے اپنی خادمہ حضرت ام ایمن سے فرمایا پیالے میں پیشاب ہے اسے
پھینک آؤ۔ وہ پیالے کو وہاں سے اٹھا لے گئیں اور پھینکنے کے بجائے پیشاب کو پی لیا واپس آنے
پر فرمایا پیشاب کیا ہوا؟ عرض کیا پیاس لگی تھی اس لئے پی لیا آپ نے یہ نہ فرمایا کہ ہمارا
پیشاب ناپاک ہوتا ہے ناپاک چیز کیوں پیا جاؤ منھ کو پاک کرو۔ آئندہ خبردار ایسا نہ کرنا
بلکہ مسکرائے اور فرمایا کہ اَمَا وَاللّٰہِ لَا یَیْجَعَنَّ بَطْنُکِ اَبَدًا قسم خدا کی تیرے پیٹ
میں کبھی درد نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ تا زیست انھیں پیٹ کے درد کی شکایت
نہ ہوئی۔ (سیرت حلبیہ ص۵۱۵ ج۲) ۲۔ حضرت سلمیٰ ام رافع کہتی ہیں کہ حضور پرنور علیہ السلام
نے غسل فرمایا تو میں نے آپ کے غسل شریف کا پانی پی لیا اور آپ کو اطلاع دی آپ نے ارشاد

فرمایا اذهبی فقد حرّم اللّٰهُ بدنكِ على النار۔ (عینی ص۴۸ ج۱ خصائص کبری
ص۲۵۲ ج۲) جا اللہ تعالیٰ نے تیرے بدن پر آتش دوزخ حرام کر دی ۳۔ حضرت مالک بن سنان
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احد میں حضور کے جسد پاک سے نکلے ہوئے خون کو پی لیا۔ جب حضور کو
اطلاع ہوئی تو فرمایا مَنْ سرّهٗ ان ینظر الی مَن لا تَمَسّهُ النار فلینظر الی مالک
بن سنان۔ جو کسی ایسے کو دیکھنا چاہے جسے نار جہنم نہیں جلا سکتی وہ مالک بن سنان کو دیکھ
لے (سیرۃ حلبیہ ص۵۱۵ ج۲) ان چند واقعات سے ثابت ہوا کہ سرکار علیہ السلام کے فضلات شریفہ
(مثلاً بول و براز خون وغیرہ) امت کے لئے طیب و طاہر اور ان کا استعمال امتی کے لئے باعث
برکت، آزادیٔ جہنم کا سبب، و ذریعۂ دفع بلیات و مصائب ہے۔ درمختار ص۲۲۳ ج۱ میں ہے
صحح بعض ائمة الشافعیة طهارة بوله صلی الله علیه وسلم و سائر فضلاته
وبه قال ابوحنیفة کما نقله فی المواهب اللدنیة عن شرح البخاری للعینی
وقال الحافظ ابن حجر تظافرت الادلة علی ذالک وعدّ الائمة من خصائصه
صلی الله علیه وسلم۔ یعنی سرکار علیہ السلام کے بول مبارک بلکہ تمام فضلات شریفہ
کی طہارت کی تصحیح بعض ائمہ شافعیہ نے کی۔ اور یہی امام اعظم کا بھی قول ہے جیسا کہ عینی
کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں نقل کیا گیا ہے اور حضرت علامہ ابن حجر نے ارشاد فرمایا
کہ دلائل اس پر قوی و کثیر ہیں۔ نیز ائمہ دین نے اسے خصوصیات نبویہ میں شمار کیا ہے
البتہ یہ سوال آپ کے ذہن کے پردوں پر ضرور ابھر گیا کہ اگر یہ چیزیں طیب و طاہر ہیں تو
پھر خود حضور علیہ السلام نے ان اشیاء کے ظاہر ہونے پر وضو غسل تیمم وغیرہ کیوں کیا؟
اس کا سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں سرکار علیہ السلام کے علو مرتبت اور رفعت
درجت کے سبب خود حضور کے حق میں نجس و ناپاک ہیں بحقیقت یہ ہے کہ جو ہم کھاتے ہیں وہ گندگی
اور نجاست بن جاتی ہے اور حضور علیہ السلام چونکہ نور ہیں اس لئے آپ جو تناول فرماتے ہیں

وہ نور بن جاتا ہے۔ اکابرینِ ملت اور بزرگانِ دین اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے
کہ نور کے قرب میں رہنے اور بسنے والی چیز خود بھی نور ہو جاتی ہے بنا بریں یہ حضرات دل میں
آرزو رکھتے اور تمنا کرتے کہ کاش ہمیں بھی حضور کے فضلاتِ شریفہ مل جائیں اور ہماری بھی
قسمت سنور جائے۔ چنانچہ حضرت عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب الیواقیت والجواہر کے ص۴۲ج۲
میں تحریر فرماتے ہیں قال شیخ الاسلام السراج البلقینی واللہ لو وجدت شیئًا
من بول النبی صلی اللہ وغائطہ لاکلتہ وشربتہ یعنی شیخ الاسلام سراج البلقینی
نے فرمایا قسم بخدا اگر مجھے حضور علیہ السلام کے بول و براز مبارک مل جائیں تو میں انھیں
ضرور کھاؤں اور پیوں۔ ان احادیث و اقوال سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ حضور
علیہ السلام کے فضلات مبارکہ طیب و طاہر، باعث برکت، فلاح دارین کے
ضامن ہیں یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ تعظیم و تکریم احترام و ادب کا
وہ طریقہ جس سے شارع نے منع نہ فرمایا قطعاً یقیناً جائز ہے خواہ اس کے کرنے کا
حکم بھی صراحت سے نہ ملتا ہو۔ تھوڑی دیر کے لئے آپ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے
مذکورہ بالا افعال پر نظر ڈالیں اور غور فرمائیں کہ کیا حضور علیہ السلام نے کبھی کسی
صحابی سے یہ فرمایا ہو کہ میرا غسالہ زمین پر گرنے میں اس کی بے ادبی ہے لہٰذا اکی
تعظیم کرو اور گرنے سے بچاؤ۔ یا جسم پاک کے دیگر فضلات و رطوبات کے بارے میں
کبھی یہ فرمایا ہو کہ انھیں ہاتھوں میں لے لینا۔ چہرے پر مل لینا۔ اور استعمال کر لینا۔
ایسا کبھی نہ فرمایا مگر پھر بھی صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے اظہارِ تعظیم و توقیر اور
حصولِ برکت کے لئے یہ سب کچھ کیا۔ لیکن نہ تو خود حضور علیہ السلام نے ان افعال کو
حرام و ممنوع فرمایا اور نہ حضرات صحابہ معاذ اللہ مرتکب حرام کہلائے علاوہ بریں
یہ سب افعال تعظیم فضائل صحابہ میں شمار کئے گئے معلوم ہوا کہ شریعت و شارع کا

کسی شئی کی صراحتًا حرمت و حلت نہ بتانا بھی دلیل جواز ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اظہار
تعظیم کے وہی طریقے ممنوع و ناجائز ہوں گے جن سے صراحتًا شارع علیہ السلام
نے منع فرمادیا مثلاً سجدۂ تعظیمی اس کے سوا اور دوسرے افعال جو اظہارِ تعظیم کے لیے
کئے جائیں جن سے نہ شارع نے کبھی منع اور نہ کرنے ہی کا حکم دیا۔ وہ افعال بلا شبہ
جائز ہوں گے بلکہ کرنے والے لائق اجر و ثواب ہیں۔ آیئے دیکھئے کہ صحابہ کرام اور معتمدین
ملت نے ہر اس شئی کی تعظیم و توقیر کی ہے یا نہیں جس کو حضور علیہ السلام سے ادنیٰ سی بھی
نسبت حاصل ہو گئی ہو حالانکہ ان کی تعظیم کرنے کا حکم کہیں صراحتًا موجود نہیں۔ حضرت سیدنا
عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ولا وضعت یمینی علی فرجی منذ بایعت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم (تاریخ الخلفاء ص۱۱۲) میں نے اپنے داہنے ہاتھ کو اپنی شرمگاہ پر اس
وقت سے نہ رکھا جب سے اس ہاتھ کو بیعت کے لئے حضور کے ہاتھ میں دیا۔ سبحان اللہ ذرا
جذبۂ ایمانی کی جلوہ گری تو دیکھئے کہ سیدنا ذوالنورین رضی اللہ عنہ اس ہاتھ کو قابلِ تعظیم
و تکریم سمجھتے ہیں جو ہاتھ ایک مرتبہ دستِ پاک مصطفےٰ سے لگ گیا ہے حضرت سیدنا ابومحذورہ
رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کے کچھ بال اتنے لمبے تھے کہ جب کھلتے تو زمین پر آجاتے لوگوں نے
عرض کیا آپ یہ بال اتروا کیوں نہیں دیتے تو آپ نے فرمایا ان بالوں کو اپنے سر سے کس طرح
جدا کر دوں جن کو مصطفےٰ نے چھوا ہے۔ پوچھنے پر واقعہ بیان فرمایا کہ عالم طفولیت میں تھا
مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر بچوں کے پاس ہوا۔ میں بھی انھیں بچوں میں کھیل
رہا تھا۔ مصطفےٰ علیہ السلام نے بربنائے رحمت و شفقت اپنا دست مبارک میرے سر پر
پھیر دیا تھا اسی لئے والدہ محترمہ نے وہ بال ہمارے سر سے جدا نہ کرائے۔ حضرت احمد بن فضلویہ
بڑے ماہر تیر انداز اور مشہور غازیانِ اسلام میں ایسا فرماتے ہیں۔ ما مسست القوس بیدی بغیر وضوء

منذ بلغني ان النبي صلى الله عليه وسلم اخذ القوس بيده۔ میں نے یہ کمان
بے وضو نہ چھوا جب سے مجھے خبر ملی کہ حضور علیہ السلام نے اسے اپنے مبارک ہاتھوں سے
چھوا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جو اتباع سنت رسول میں شہرۂ آفاق ہیں ان کا حال
صاحب شفا نقل فرماتے ہیں رُوِیَ ابن عمر واضعا یدہ علی مقعد النبی صلی اللہ
علیہ وسلم من المنبر ثم وضعہا علی وجہہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بارہا
دیکھا گیا آپ منبر رسول کے اس خاص مقام پہ جہاں مصطفٰے علیہ السلام بیٹھا کرتے تھے اپنا
ہاتھ رکھ کر اسے چوم رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضور کے ہمراہ
رکاب ہیں، حضور قبیلۂ انصار میں کسی غرض سے تشریف لائے ہیں سواری میں گدھا پیش
خدمت ہے اتفاق سے گدھے نے پیشاب کردیا عبداللہ بن ابی منافق جو اس مجلس میں تھا
رومال سے اپنی ناک بند کرلیتا ہے اور کہتا ہے اسے جلد ہٹاؤ اس کی بدبو سے ہمیں سخت
تکلیف پہونچی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ واللہِ انّ بَوْل
حمارہ لَاَطْیَبُ مِنْ مِسْکِکَ (مدارک شریف ج ۴ ص ۱۶۹) خدا کی قسم سرکار جس گدھے
کو اپنی سواری میں قبول فرمائیں اس گدھے کا پیشاب تیرے مشک و عنبر سے زیادہ خوشبودار
ہے۔ سبحان اللہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اس سواری کی توہین بھی گوارہ
نہ ہوئی جسے مصطفٰے علیہ السلام سے بہت دور کی نسبت ہے۔ اور واقعی تقاضائے ایمان یہی
ہے کہ مصطفٰے علیہ السلام کی بارگاہ عالی سے نسبت رکھنے والی شیٔ کو سرمایۂ کونین سمجھا جائے
آخر میں دعا ہے مولیٰ تعالیٰ مصطفٰے علیہ السلام کی بارگاہ کے ان نیازمندوں پہ رحم وکرم
کے پھول برسائے جن سے آج بھی روئے ایمان پر تازگی اور نکھار ہے۔ عشق مصطفٰے
کے متوالے آج بھی انھیں یاد کرکے اپنے قلب و جگر کو ضیا بار اور پُر نور بناتے ہیں۔

حضرت علامہ مولانا محمد دانش علی صاحب فریدی

عقائد ذریعۂ نجات ہیں یا اعمال؟

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

دنیا و آخرۃ کا کوئی بھی کام ہو کسی نہ کسی عقیدے کی پیداوار ہوتا ہے۔ ہر دلیل کی بنیاد کسی
نہ کسی عقیدے پر ہوتی ہے۔ اگر عقائد مسلوب ہوجائیں تو دنیا میں نہ تو کسی دلیل کا وجود ہوگا
اور نہ کسی عمل کا۔ کیونکہ ہر عمل سے پہلے اس کی غرض و غایت متعین ہوتی ہے جس کی کڑیاں عقائد
سے جاملتی ہے انسانی زندگی کو خاطر خواہ صحیح نتائج سے ہمکنار کرنے کے لئے کشتیٔ حیات کو
ساحل نجات تک پہونچانے کے لئے فوز و فلاح کی معراج کا منتہائے عروج متعین کرنے کے
لئے کسی معاشرے کو سماجی و اصلاحی ارتقاء سے دوچار کرنے کے لئے عقائد کا درست اور
غیر متزلزل ہونا نہایت ضروری ہے کہ اسی سے تحریکیں مضبوط و متحد ہوتی ہیں۔ اور کام کرنے
کی حقیقی لگن جنم لیتی ہے جو ایک نہ ایک دن اسے لیلائے کامیابی سے ہم آغوش کردیتی ہے عقائد
جیسے ہوں گے اسی طرح کے نتائج منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوں گے۔ عقائد غلط ہیں اعمال ضائع
ہوں گے، حیات انسانیہ کو منزل نجات تک پہونچانے سے قاصر رہیں گے۔ درحقیقت عقائد روح
ہیں اور اعمال جسم۔ عقائد اصل ہیں اعمال اس کی شاخیں جس طرح شاخیں بلا جڑوں کے
تر و تازہ نہیں رہ سکتیں نشو و نما کے لئے غذا نہیں حاصل کرسکتیں بالکل اسی طرح نجات و کامیابی
کا حسین چہرہ پردۂ عدم میں مخفی رہتا ہے فوز و فلاح مفقود و غیر مربوط رہتی ہے جب تک عقائد

درست و مستحکم نہ ہوں۔ عقائد روح ہیں اور اعمال جسم۔ عقائد کے بغیر اعمال کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اسلام نے اسی اصول پر اپنی عمارت تعمیر کی۔ توحید باری عظمت رسالت بنیادی عقائد ہیں جن کے بغیر اعمال ناقص نامکمل اور بے بنیاد ہوتے ہیں۔ ایمان کے معنی ہیں تصدیق بالجنان صدق دل سے یقین کرنا۔ زبانی اقرار اور عمل بالارکان اس کے لوازمات ہیں قرآن نے اعمال کو دوسرا درجہ دیا ہے اور ایمان کے ساتھ مربوط و مشروط قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ " بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ○

ترجمہ :- بیشک ہم نے آپ کو شہادت دینے والا۔ خوشخبری سنانے والا۔ ڈرانے والا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اس پہ ایمان لاؤ۔ یعنی اس کی عزت و توقیر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔" (نمازیں پڑھو) رسول کی عزت و توقیر کے بغیر نہ ایمان ہی مکمل ہے اور نہ اعمال ہی مقبول کوئی خواہ کتنا ہی پرہیزگار کیوں نہ ہو کلمہ طیبہ کا کتنا ہی ورد کیوں نہ کرتا ہو کیسی ہی لچھے دار تقریر کرتا ہو لیکن اگر اس کی تقریر تحریر اعمال و افعال گفتار و کردار سے توقیر رسالت نہیں ظاہر ہوتی تو ہین کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ کھلا ہوا بے دین ہے۔ ایمان کی اسکو ہوا بھی نہ لگے گی۔ درحقیقت وہ اسلام کے بنیادی عقیدے ہی سے منحرف ہو گیا ہے۔ اسے باغیوں کی صف میں جگہ ملے گی۔ عاشقان رسول کی صفیں کبھی بھی اسے قبول نہ کریں گی معلوم ہوا کہ ایمان توحید رباری عظمت رسالت کا نام ہے۔ اعمال بغیر ایمان کے ناقابل اعتبار ہیں۔ عقیدے میں خامی بے دینی اور بد کرداری پیدا کرتی ہے۔

ایمان کے لئے سب سے مہلک مرض شک و شبہات ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ یقین کامل کے بغیر طمانیت قلبی نہیں حاصل ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے (سورہ فاتحہ کے بعد)

قرآن کی سب سے پہلی سورۃ میں اس کی طرف تنبیہ بلیغ فرمائی۔ ارشاد فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ ○ یہ کتاب اس میں کچھ بھی شک و شبہ نہیں ہے۔ جہاں شکوک و شبہات ہیں وہیں تذبذب و اضطراب ہے۔ جب تک اضطراب ہے عزم بالجزم پیدا ہی نہ ہوگا اور نہ عقیدہ ہی پختہ ہوگا۔ اسی بنا پر رب العزت جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ عقیدے اور ایمان کی پختگی کے ساتھ شکوک و شبہات سے بالاتر ہو کر اس کتاب کی صداقت پر ایمان لاؤ۔ کوئی کتاب اس وقت تک سرچشمہ ہدایت نہیں بن سکتی جب تک کہ شبہات کو شہر بدر کر کے والہانہ عقیدت اور شیفتگی کے ساتھ اس کو تسلیم نہ کر لیا جائے۔ کیونکہ ہر قسم کی کامیابی اور نجات کا راز عقیدوں کی پختگی میں پوشیدہ ہے۔ سرکار دو عالم روحی لہ الفداء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ من قبل منی الکلمۃ التی عوضت علی عمی فابی فھی لہ نجاۃ ترجمہ۔ جس نے مجھ سے وہ کلمہ قبول کر لیا جس کو میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تھا۔ انھوں نے انکار کر دیا تو وہی کلمہ اسی کے لئے باعث نجات ہے۔"

جس نے خالص عقیدت کیساتھ کلمہ قبول کیا۔ نجات صرف اسی کے لئے ہے کیونکہ عقائد ہی سے اعمال کی صحت بنتی ہے۔ عقائد میں ریب و شبہات کا رخنہ ہوتا ہو اعمال میں دراڑ پڑ جاتی ہے۔ تحریر و تقریر کے انداز بدل جاتے ہیں عشق و محبت کی روح اعمال و کردار سے پرواز کر جاتی ہے۔

منافقین کے اعمال متزلزل تھے۔ انھوں نے اپنے ریب و اضطراب کو عیاری مکاری کے ذریعہ چھپانے کی کوشش کی۔ مگر جیسا کہ آپ نے دیکھا وہ سعی لاحاصل ہی رہی۔ عقائد کی خرابی گفتار و کردار کے دریچے سے باہر جھانکتی رہی۔ بدر۔ احد۔ تبوک وغیرہ غزوات کے واقعات شاہد ہیں اور اس کے بین ثبوت ہیں۔ انتشار پیدا کرنے کی مختلف سازشیں نفاق ہوئیں۔ جنھوں نے عقائد کے خراب ہونے کی غمازی کی۔ اور بعض سے مقامات پر عقائد کی

بے راہ روی۔ اعمال کی خرابی بن کر طشت از بام ہوگئی جس سے سارے معاشرے کو نقصان
پہونچا۔ مبادا یہ مرض متعدی بن کر صحت مند عناصر کی صحت پر اثر انداز ہو جائے۔ طبیب
امت نے بروقت فیاضی کی۔ اور انھیں باہر نکال پھینکنے کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔ ان کے
عذر لنگ نامقبول قرار دیئے گئے۔

غزوہ تبوک میں منافقین شریک نہ ہوئے۔ مقابلہ رومیوں کی جابر حکومت سے تھا
دور دراز کا سفر۔ گرمی کا زمانہ۔ اخراجات کی قلت۔ انہوں نے یہ مشہور کرنا چاہا کہ اس غزوہ
میں ہلاکت و تباہی کے علاوہ کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ زبان رسالت کی عظمت و صداقت کا انکار ہی
اس قسم کے ناشائستہ اعمال کا بانی ہو سکتا تھا۔ مومنین صادقین نے صدائے رسالت پر
لبیک کہا۔ ادہر رومیوں پر رعب طاری ہوگیا۔ مقابلہ کو نہ آئے۔ سرحدی زمینداروں اور
حاکموں سے معاہدہ اور تاوان جنگ وغیرہ بہت سامان لیکر فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ
شمع رسالت مع پروانے کے وطن واپس آئے۔ نکتہ چینیوں اور عظمت رسالت میں شک
و شبہات کے مرتکب منافقین کے دلوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مال غنیمت میں حقدار اور حصہ دار
بنجانے کی لالچ میں دربار رسالت میں حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئے۔ اعمال کی کوتاہی تو
قابل درگذر ہے مگر عقائد کے بنیادی فساد کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ
قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ
إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (سورہ توبہ پ۱۱)

"منافقین معذرت کرنے آپ کی واپسی پر آئے۔ فرمائیے کہ تم عذر نہ کرو۔ ہم تمہاری
بات ہرگز نہ مانیں گے۔ بیشک اللہ نے تمہاری تمام خبریں ہم کو بتادی ہیں۔ اللہ اور
اس کا رسول تمہارے تمام اعمال دیکھے گا۔ پھر تم مرنے کے بعد غیب و شہادت جاننے والے

خدا کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے۔ جو تم کو تمہاری کرتوتوں سے باخبر کر دے گا۔"

اپنی منافقت پر دوبارہ پردہ ڈالنے کے لئے معذرت خواہی کا خدائے وحدہٗ
لاشریک نے کیا جواب دیا۔ بات اگر عملی کوتاہیوں تک ہوتی تو حضرت کعب وغیرہ کی طرح
توبہ مقبول ہو سکتی تھی۔ مگر یہاں بنیادی عقیدوں کی خرابی تھی۔ نجات کا دروازہ بھی بند ہو چکا
تھا کسی طرح بھی توبہ قبول کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ کیونکہ اس طرح سارا معاشرہ متاثر
ہو سکتا تھا۔ حالانکہ وہ کلمہ پڑھتے۔ روزہ۔ نماز حج زکوٰۃ ادا کرتے۔ مسلمانوں کی طرح صورت
و لباس اختیار کرتے لیکن صرف اعمال ہی نجات کا ذریعہ نہ بن سکے۔ اور رسالتمآب صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد خداوندی کے مطابق ان کی توبہ نامقبول ہونے کا اعلان کر دیا۔ ان کا
باقاعدہ مقاطعہ کر دیا گیا۔ چونکہ انہوں نے انسانیت کی بنیاد کھوکھلی کرنے کی کوشش کر کے
نہ صرف اپنا نقصان کیا تھا بلکہ دنیائے انسانیت سے غداری بھی کی تھی لہٰذا ان سے
تمام انسانی رشتے بھی منقطع کر دیئے گئے اور حکم نازل ہوگیا کہ:۔ لَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ
مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ۔ "ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو اگر
ان میں کوئی مرجائے اور نہ اس کی قبر پہ کھڑے ہو۔"

حضرت علامہ مولانا عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی

توحید و رسالت قرآن و حدیث کی روشنی میں

"شریعۃ اسلامیہ" کے مسائل کی دو قسمیں ہیں ایک وہ مسائل جن کا تعلق صرف تصدیق قلب اور اعتقاد سے ہے دوسرے وہ مسائل جن کا تعلق تصدیق کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی ہے۔ پہلی قسم کا نام "عقائدِ اسلام" اور دوسری قسم کو "اعمالِ اسلام" کہتے ہیں ـــــ دینِ اسلام میں عقائد کو اعمال سے وہی تعلق ہے جو درخت کی جڑ کو اس کی شاخوں سے اور مکان کو اس کی بنیادوں سے ہوا کرتا ہے جس طرح کسی درخت کی جڑ کٹ جانے کے بعد شاخوں کی سرسبزی و شادابی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور جس طرح کسی مکان کی بنیادوں کے متزلزل یا منہدم ہو جانے کے بعد مکان کے قیام و استحکام کو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ بالکل ٹھیک اسی طرح اسلامی عقائد کے بغیر اسلامی اعمال کو "نقش برآب" یا "ہوائی محل" کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا!

یوں تو اعمالِ اسلام کی طرح عقائدِ اسلام کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے مگر عقائدِ اسلام کے وہ بنیادی اصول جو تمام عقائدِ اسلامیہ کا محور اور دینِ اسلام کی پوری عمارت کے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں وہ صرف تین ہیں۔ توحید، رسالت، قیامت عقائدِ اسلامیہ کے یہی وہ تین عنوان ہیں۔ جو تمام عقائدِ اسلام کی اصل الاصول ہیں۔ اور قرآن و حدیث سے مستنبط ہونے والے تمام اعتقادی احکام کا محور اور دارومدار ہیں۔ اور علم العقائد کے تمام مسائل انہی تین اصول کی فروع اور شاخیں ہیں! ان میں

سے صرف اول الذکر دو عنوانوں پر مجھے انتہائی اختصار کے ساتھ کچھ روشنی ڈالنی ہے جو حسب ذیل ہے۔

اسلامی توحید

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ خدا کو ایک مان لینا بس یہی "توحید" ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلامی توحید یعنی دین اسلام نے جس توحید کے عقیدہ و اعتقاد کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کے لئے فقط اتنی ہی بات کافی نہیں ہے کہ خالقِ کائنات کو "واحدِ حقیقی" مان لیا جائے۔ کیونکہ اس معنی میں تو "فلاسفۂ یونان" بھی توحید کے قائل ہیں۔ حالانکہ ان کی بے تکی توحید کو اسلامی توحید سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ فلاسفۂ یونان کو تو اپنی خیالی توحید واجب الوجود کا اتنا بڑا خبط ہے کہ ان لوگوں نے اپنی اس من گھڑت توحید کے چکر میں پڑ کر یہ گوارا کر لیا کہ خدا کو جاہلِ مطلق جان لینا گوارا کر لیا۔ چنانچہ آپ یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ حکمائے یونان میں ایسے ایسے جاہل اور خبطی ہو چکے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معاذ اللہ خدا جاہلِ مطلق ہے اور اس کو کسی چیز کا بھی علم نہیں۔ یہاں تک کہ اس کو اپنی ذات کا بھی کوئی علم نہیں ہے۔ چنانچہ وہ بر بنائے اس کافرانہ و جاہلانہ عقیدے پر اس طرح دلیل پیش کرتے ہیں کہ خدا خود اپنی ذات کو نہیں جان سکتا۔ کیونکہ اگر وہ اپنے کو جان لے گا تو وہ خود ہی عالم (جاننے والا) بھی ہوگا۔ اور خود ہی معلوم (جانا ہوا) بھی ہوگا۔ تو پھر خدا کا عالم و معلوم ہونا لازم آئے گا۔ اور ظاہر ہے کہ عالم اور معلوم میں غیریت اور تغائر ہوا کرتا ہے۔ عالم اور معلوم دونوں ایک ہی نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا خدا اگر اپنی ذات کو جان لے گا تو پھر خدا کی ذات میں اثنینیت اور اس کا دو ہونا لازم آئے گا جو اس کی توحیدِ حقیقی کے منافی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا اپنے کو نہیں جان سکتا۔ و من لم یعرف نفسہٗ فکیف یعرف غیرہٗ یعنی جو اپنے آپ کو نہیں جانتا وہ بھلا اپنے غیر کو کیونکر اور کیسے جان سکتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا نہ اپنے آپ کو جانتا ہے نہ اپنے غیر کو وہ بالکل

بھی جاہلِ مطلق ہے (معاذ اللہ)

غور فرمایئے کہ فلاسفۂ یونان جو واجب الوجود (خدا) کو واحد حقیقی مانتے ہوئے یہ کافرانہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ معاذ اللہ خدا جاہلِ مطلق ہے۔ ان کافروں کو بھلا کون ہے جو اسلامی موحد کہہ سکتا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے فقط خدا کو واحد حقیقی تسلیم کر لینا ہی یہ اسلامی توحید نہیں ہے بلکہ اسلام نے جس توحید کا تصور پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کو تمام صفات ذاتیہ مثلاً حیات، قدرت، سننا، دیکھنا، کلام، علم، ارادہ وغیرہ کے ساتھ متصف مانتے ہوئے اور تمام ان اوصاف کو جو اُس کی شان الوہیت کے منافی اور عیوب و نقائص ہیں مثلاً تمثیل، تعطیل، تولید، ظلم، جہل، کذب وغیرہ کو اس کی ذات میں محال جانتے ہوئے۔ بلکہ ان اوصاف کو بھی اس کی ذات میں محال تسلیم کرتے ہوئے جو نہ کمال ہیں نہ نقصان یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ذات میں، نہ صفات میں نہ احکام میں نہ اسماء میں۔

یہ ہے وہ اسلامی توحید جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا مفہوم ہے چنانچہ مسلمان کا بچہ بچہ ایمان مجمل میں اس مفہوم کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ آمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ یعنی میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ ہے اور میں نے اس کے تمام احکام کو قبول کیا۔

غرض قرآن مجید اور احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ اسلامی توحید ہے جو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا نچوڑ اور عطر ہے۔

کون نہیں جانتا کہ سورۂ اخلاص میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ فرما کر توحید الٰہی کا

ذکر فرماتے ہوئے ارشاد ربانی ہوا کہ اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے اللہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے نہ اسکو کسی نے جنا ہے۔ اور اس کا کوئی جوڑا ہے۔

غور فرمایئے کہ خدا کی وحدانیت کے ساتھ تمام ان عیوب و نقائص سے خدا کی برأت کا اعلان بھی ہے جو شان الوہیت کے منافی

اسی طرح سورۂ حشر میں ارشاد ہوا کہ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ۚ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۚ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۚ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یعنی اللہ وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غیب اور شہادت جاننے والا۔ وہ بڑا مہربان بہت ہی رحم والا ہے۔ اللہ وہی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ، پاک، سلامتی دینے والا، امن دینے والا۔ غالب، عزت والا، وہی اللہ ہے جو سب کا پیدا کرنے والا سب کو وجود بخشنے والا، صورت بنانے والا، اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں

ملاحظہ فرمایئے کہ ان آیات اور اس قسم کی سینکڑوں آیتوں میں خدا کو اس کی صفات کمالیہ ذاتیہ کے ساتھ متصف مان کر اور تمام منافی الوہیت اوصاف سے بری و منزہ تسلیم کرتے ہوئے اس کے واحد حقیقی کا اعلان کیا گیا ہے۔

لہٰذا اب اس اسلامی توحید کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسائل روز روشن کی طرح عیاں ہو گئے کہ (۱) اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے اس کا مثل ممکن مانے۔ یا اس کے لئے بیٹا بیٹی، بیوی ثابت کرے یا اس کے لئے زمان و مکان اور جہت ثابت کرے تو وہ اسلامی

موحد نہیں ہوسکتا!

(۲) اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے یہ عقیدہ رکھے کہ وہ کوئی کام ہی نہیں کرتا بلکہ وہ معطل محض ہے جیسے فلاسفۂ یونان کا یہی عقیدہ ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا اہل اسلام کے نزدیک موحد نہیں ہوسکتا (۲) اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے اس کے علم کا انکار کرے جیسے یونانی حکماء کا ایک گروہ تو وہ بھی اسلامی موحد نہیں۔

(۳) اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے اس کی ذات میں عیوب و نقائص مثلاً ظلم، جھوٹ وغیرہ کو محال نہ مانے بلکہ امکان کذب باری کا قائل ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اسلامی موحد کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا —— (۴) اگر کوئی خدا کو ایک مانتے ہوئے خدا کی صفات ذاتیہ کا انکار کرے تو وہ بھی اسلامی موحد نہیں —— (۵) لاکھوں بار خدا کے واحد حقیقی ہونے کا اعلان کرنے کے باوجود اگر کوئی خدا کی صفات کمالیہ میں سے کسی ایک صفت کا بھی انکار کرے یا منافی الوہیت کسی ایک صفت کو بھی خدا کے لئے ثابت کرے تو وہ اسلامی توحید کا ماننے والا نہیں کہلا سکتا۔

رسالت

خداوند تعالیٰ کے وہ خاص برگزیدہ اور منتخب بندے جن کو وہ اپنے فضل و کرم سے چُن کر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اُن کے پاس بذریعہ "وحی" اپنا پیغام بھیجتا ہے وہ نبی کہلاتے ہیں ان میں سے بہت سے نبیوں کو "رسول" کہتے ہیں مسلمانوں کو جس طرح خدا کی توحید پر ایمان لانا ضروری ہے اس طرح خداوند قدوس کے تمام نبیوں اور رسولوں کی صداقت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ کسی ایک نبی یا رسول کا انکار کفر ہے۔ اسی طرح کسی غیر نبی کو نبی مان لینا بھی کفر ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ لا نفرق بین احد من رسلہ۔

اسلام میں رسالت کا تصوّر

اسلام نے نبوت و رسالت کا جو تصوّر پیش کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اور رسول خداوند تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں چونکہ بندے حادث، فانی، عاجز ہیں اس لئے وہ براہ راست خداوند واجب الوجود قدیم و قادر مطلق کی ذات سے اکتساب فیض نہیں کر سکتے۔ اس لئے خداوند کریم اپنے فضل و کرم سے اپنے کچھ بندوں کو عام بندوں سے زیادہ قدرت و توانائی اور قسم قسم کے کمالات عطا فرما کر اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان فیض رسانی کے لئے واسطہ بنا دیتا ہے۔ چنانچہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی خاص صلاحیتوں کی بنا پر خداوند تعالیٰ سے براہ راست فیض حاصل کرکے عام بندوں تک فیضان خداوندی کا افاضہ فرماتے رہتے ہیں اور خداوند قدوس کا پیغام بندگانِ خدا تک پہونچاتے رہے ہیں۔

ایک مثال

عام طبعیات میں تفہیم کے لئے اس کی یہ مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ مثلاً پانی میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ براہ راست آگ سے گرمی حاصل کرکے گرم ہوجائے۔ اس لئے پانی کو آگ سے گرم کرنے کے لئے پانی اور آگ کے درمیان ایک برتن کا واسطہ ضروری ہے کہ برتن کو آگ پر رکھ دیا جائے اور برتن میں پانی ڈال دیا جائے تو برتن آگ سے حرارت حاصل کرکے پانی تک آگ کی حرارت کو پہونچا دے گا۔ اور پانی گرم ہوجائے گا۔ بلاتشبیہ اسی طرح عام بندوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ خود بخود براہ راست خداوند قدوس سے فیض حاصل کرسکیں۔ اس لئے عام بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان انبیاء کرام ایک واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہ اپنی کامل صلاحیتوں کی وجہ سے خود بخود براہ راست خداوند تعالیٰ سے فیض حاصل کرکے عام بندوں تک پہونچاتے ہیں۔

ناظرین کرام! جب اسلام نے نبی و رسول کا یہ تصور پیش کیا ہے کہ انبیاء کرام خدا
اور عام بندوں کے درمیان حصول فیض کے لئے واسطہ کی حیثیت رکھتے ہیں تو مندرجہ
ذیل دو مسائل انتہائی وضاحت کے ساتھ حل ہو گئے۔

(۱) کوئی نبی نہ خدا ہو سکتا ہے نہ بالکل عام انسان جیسا ہو سکتا ہے!

(۲) جو نبی کو بالکل عام انسانوں جیسا ایک انسان بتائے اور فضل و کمال میں نبی کو
تمام انسانوں سے ممتاز اور افضل و اعلیٰ نہ مانے وہ رسالت پر ایمان لانے والا نہیں کہلا سکتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ زمانۂ حال کے بعض تجدد پسند اور مغرب زدہ لوگوں
نے اپنی زبان و قلم سے اس غلط عقیدہ کا بہت زیادہ پروپیگنڈہ کیا ہے اور کر رہے
ہیں۔ کہ نبی اور رسول کی حیثیت بس ایک قاصد اور ایلچی کی ہوا کرتی ہے اور نبی ایک
ڈاکیہ اور پوسٹ مین سے زیادہ کوئی مقام نہیں رکھتا۔ جس طرح ڈاکیہ کسی کا خط تم کو لا کر
دے دیتا ہے اور چلا جاتا ہے اسی طرح انبیاء کرام خدا کا پیغام بندوں تک پہونچا کر
چلے جاتے ہیں (معاذ اللہ)

برادران ملت! یہ مقام نبوت و رسالت کا اتنا غلط تصور ہے جس نے قلوب
مومنین سے عظمت انبیاء کا جنازہ نکال دیا اور امت مسلمہ کا ایک طبقہ تنقیص و توہین
انبیاء علیہم السلام کے جرم عظیم کا مرتکب ہو کر عذاب دارین کی لعنتوں میں گرفتار
ہو گیا اور اصول اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا۔ فیا اسفاہ و یا حسرتاہ

برادران ملت! حق یہ ہے کہ اسلام میں نبی اور رسول کا مقام بہت ہی بلند اور ارفع و
اعلیٰ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام خدا کے پیغامبر اور اس کے احکام کو
خدا کے بندوں تک پہونچانے کے لئے آتے ہیں۔ مگر حاشا ماشا یہ بالکل غلط ہے کہ وہ
پوسٹ مین اور ڈاکیہ کی حیثیت رکھتے۔ توبہ توبہ نعوذ باللہ۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ خدا کی

طرف پیغمبر اور شارع بن کر تشریف لاتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ تمام بندوں پر ان
کی اطاعت و فرماں برداری کو لازم اور ضروری قرار دیتا ہے۔ نبی و رسول خدا کے
خلیفہ اس کے نائب، اس کے دیے ہوئے اختیارات سے آمر۔ ناہی۔ مُحلِّل۔ مُحرِّم
ہوا کرتے ہیں۔ اس مضمون کی سیکڑوں آیتیں اور حدیثیں ہیں جن کو اگر جمع کر دیا جائے
تو ایک ضخیم دفتر تیار ہو جائے گا۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ
یعنی ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا ہے تاکہ لوگ اس کی اللہ کے حکم کی اطاعت کریں۔ کہیں فرمایا
کہ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ یعنی اے لوگو! تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ کہیں
ارشاد فرمایا کہ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی
رسول جو کچھ تمھیں دیں اس کو لے لو اور جن چیزوں سے منع کریں ان سے باز رہو۔ کہیں
یہ فرمایا کہ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یعنی اللہ اور رسول کی نافرمانی ممنوع اور حرام
ہے۔ اسی طرح حدیثوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے اپنی
امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا فرض
قرار دے دیتا۔ اور عشا کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کر دینے کا حکم دے دیتا۔
ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر میں کہہ دیتا کہ ہر سال حج کرنا فرض ہے تو ہر سال حج کرنا فرض
ہو جاتا۔ وغیرہ وغیرہ بہت سی حدیثوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نبی و رسول کو خداوند عالم نے
احکام تشریعیہ کے بارے میں خصوصی اختیارات عطا فرمائے ہیں۔ وہ جس کے لئے جو چاہیں
حلال و حرام فرما دیں۔ اور جس کے لئے چاہیں فرض و واجب قرار دیدیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے
انھیں شارع، آمر، ناہی، مطاع، اور مقتدیٰ بنا کر بھیجا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ڈاکیہ اور پوسٹ مین
ایسے اور اتنے اختیارات کا مالک نہیں ہوا کرتا۔ پھر بھلا یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ

نبی اور رسول کی حیثیت تو ایک قاصد اور ایلچی سے زیادہ نہیں ہوا کرتی؟

بہرکیف مقام نبوت و رسالت کی اس مختصر توضیح و تشریح اور حضرت انبیاء علیہ السلام کے مناسب جلیلہ اور ان کی باعظمت حیثیت واضح ہوجانے کی روشنی میں مندرجہ ذیل عقائد ضروریات دین میں سے ہیں۔

(۱) وحیِ نبوت انبیاء کے لئے خاص ہے۔ اس وحی کو غیر نبی کے لئے مانے وہ کافر ہے؟

(۲) ہر نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے یعنی ان کے لئے خداوند تعالیٰ نے گناہوں سے حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ جس کے سبب ان سے کسی گناہ کا صادر ہونا شرعاً محال ہے!

(۳) جو کسی نبی سے نبوت کا زوال جائز ٹھہرائے وہ کافر ہے!

(۴) احکام خداوندی کے پہونچانے میں انبیاء سے سہو و نسیان محال ہے!

(۵) انبیاء علیہم السلام کا تمام گناہوں سے اور تمام اُن خصائل رذیلہ سے جو مخلوق کے لئے باعث عزت ہوں جیسے جھوٹ، خیانت، جہالت، بخل، وغیرہ بلکہ ایسے تمام اعمال وافعال سے جو وجاہت اور شانداری کے خلاف ہیں قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت معصوم ہونا ضروری بلکہ انکے جسم کا ان تمام امراض سے بھی پاک ہونا ضروری ہے جو مخلوق کے لئے باعث متنفر ہوں۔ جیسے برص، جذام، گنجاپن وغیرہ!

(۶) ہر نبی کی تعظیم و توقیر فرض عین ہے بلکہ تمام فرائض کی اصل ہے کسی نبی و رسول کی ادنیٰ سی توہین یا تکذیب کفر ہے (والعیاذ باللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب اعظمی

مولوی اسمٰعیل دہلوی کی کتابوں کے متعلق چند اشارات

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی جن کی کتابیں تقویۃ الایمان، صراط مستقیم اور رسالہ یکروزی وغیرہ ان کے موافقین اور مخالفین میں اس طرح مشہور ہیں کہ ایک طرف مولوی اسمعیل اور ان کی کتابیں ان کے موافقین سے خراج تحسین و آفرین وصول کررہی ہیں تو دوسری طرف ان کے مخالفین جو حدو شمار سے باہر ہیں ان کی طرف سے مولوی اسمعیل اور ان کی کتابیں لعن وطعن بلکہ کفر کے فتوے سن رہی ہیں۔

موافقین میں ہندوستان کی دو جماعتیں ہیں، ایک دیوبندی دوسری غیر مقلد یہ دونوں جماعتیں مولوی اسمعیل صاحب دہلوی کی مدح سرائی میں ان کی کتابوں کی حقانیت نوازی کا عجیب انداز میں ذکر کرتی ہیں۔ دیوبندی جماعت جو حنفیت اور تقلید کی مدعی ہے وہ مولوی اسمٰعیل کو حنفی اور مقلد ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہے جب کہ غیر مقلدین مولوی اسمٰعیل کو تقلید شخصی کا منکر اور اپنی طرح غیر مقلد و اہل حدیث ثابت کرنے میں زمین و آسمان ایک کئے دیتے ہیں یعنی موافقین میں ایک جماعت مولوی اسمٰعیل کو مقلد اور حنفی ثابت کرکے حنفیوں میں ان کو مقبول بنا کر ان کی کتابوں کو حنفی مسلک کی کتابیں باور کرا رہی ہے۔ اور غیر مقلدین اس کوشش میں ہیں کہ مولوی اسمٰعیل کی حق پرستی

اور ان کی کتابوں کی حقانیت نوازی اس جہت سے ثابت ہو کہ وہ اصل میں غیر مقلد تھے
بہر حال یہ دونوں جماعتیں مولوی اسمٰعیل کو اپنے اپنے مسلک کا ثابت کرتے ہوئے ایک
متفقہ بات پر ثابت کرنے میں لگی ہوئی ہیں کہ مولوی اسمٰعیل حق پرست تھے اور ان کی کتابوں
ہر جہت سے حق پرستی پر مبنی ہیں۔

مخالفین میں مسلمانوں کی ایک مشہور جماعت جو میلاد و قیام اور نیاز و فاتحہ وغیرہ
کے جواز کی قائل ہے۔ وہ مولوی اسمٰعیل اور ان کی مذکورہ بالا کتابوں سے سخت بیزار ہے۔
کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کتابوں میں ایسی دلخراش باتیں پاتے ہیں جن کو کوئی مسلمان ایک لمحہ
کے لئے برداشت نہیں کر سکتا۔

موافقین جب مولوی اسمٰعیل صاحب کی کتابوں کی طرف سے صفائی دیتے ہیں تو
ان کی زبان و قلم سے کچھ ایسی باتیں بھی نکلتی ہیں جن سے کم از کم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے
کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی یہ کتابیں موافقین ہی کے بیان کے مطابق سقم سے خالی نہیں
مثلاً تقویۃ الایمان کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے ایک صاحب نے یوں تحریر فرمایا
ہے کہ اصل میں تقویۃ الایمان وغیرہ کتابوں کے لب و لہجہ میں اس وجہ سے تھوڑی سختی
آگئی ہے کہ جس وقت مولوی اسمٰعیل صاحب نے یہ کتابیں لکھی ہیں اس وقت دلی اور اطراف
دلی کے مسلمان شرک و بدعت میں مبتلا تھے۔ اور اولیاء و انبیاء کے بارے میں اپنے
عقیدوں میں بہت غلو کر گئے تھے۔ چنانچہ لوگ ولیوں کو بڑھا کر نبی بنا دیتے تھے اور
نبیوں کو بڑھا کر خدا تک پہنچا دیتے تھے۔ لہٰذا ایسے غالی اور بدعقیدہ مسلمانوں کی اصلاح
ہدایت کے لئے مولوی اسمٰعیل صاحب اپنی کتابوں میں تلخ کلامی کے شکار ہو گئے۔ یعنی
ان کے قلم سے نامناسب الفاظ نکل گئے۔ اس قسم کا اعتراف بکثرت آپ موافقین کی
زبان و قلم سے پائیں گے۔ اس سلسلہ میں میں آپ کی توجہ ماہنامہ تجلی دیوبند کے
پرانے فائلوں کی طرف مبذول کراؤں گا۔

بہر حال تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارتیں حد کفر تک نہ بھی پہنچی ہوں تو کم از کم
کتابوں کے موافقین یعنی ان کتابوں کو حقانیت نواز ثابت کرنے والے اتنا تو ضرور تسلیم
کرتے ہیں کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی یہ کتابیں روح فرسا حد تک سخت بیانی سے ملوث ہیں

میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض مولوی اسمٰعیل صاحب نے دہلی کے بدعتیوں کی بدعات
اور غالی مسلمانوں کی گمراہیوں سے گڑھ کر یہ کتابیں لکھیں اور سخت لب و لہجہ اختیار کیا
تو انھوں نے یہ ظلم کیوں کیا کہ بجائے اس کے کہ وہ مجرموں کو سزا دیتے بے خطاؤں کو
سزا دینے لگے۔ میری مراد اس سے یہ ہے کہ جو مسلمان بقول دیوبندی و غیر مقلدین
حضرات انبیاء کو بڑھا کر خدا تک پہنچاتے تھے اور ولیوں کو اٹھا کر نبیوں کے مقام پر
بٹھاتے تھے۔ تو مجرم یہ مسلمان تھے یا انبیاء و اولیاء؟ ظاہر ہے کہ مجرم یہ گمراہ مسلمان تھے
نہ کہ انبیاء و اولیاء۔ سزا گمراہ مسلمانوں کو ملنی چاہیئے نہ انبیاء و اولیاء کو ——————
لیکن آپ تقویۃ الایمان وغیرہ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے
گی کہ مولوی اسمٰعیل نے گمراہ مسلمانوں کی گردنیں نہیں ماری ہے بلکہ اولیاء و انبیاء کی گردن
ماری ہے۔

دراصل مولوی اسمٰعیل اپنے اصلاحی قدم کے اٹھانے میں اپنے سخت قسم کے
غصہ کے شکار تھے۔ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کی اصلاح اس میں سمجھی کہ یہ گمراہ
مسلمان انبیاء و اولیاء کو جتنا حد سے بڑھا کر گمراہ ہو رہے ہیں تو انبیاء و اولیاء کو
اتنا ہی ان کے مرتبہ سے گراؤ۔ تاکہ یہ گمراہ مسلمان حد اعتدال پر آ جائیں۔ دراصل
مولوی اسمٰعیل کی یہی ناپاک ذہنیت تھی جس نے اپنی کتابوں کے ذریعہ گمراہی کے ایسے
ایسے فتنے اٹھائے کہ الامان والحفیظ۔

بعض موافقین نے تقویۃ الایمان کی طرف سے صفائی دیتے ہوئے یہ بات بھی
لکھی ہے کہ دراصل کتاب تقویۃ الایمان فارسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ بعد میں کسی نے اس

کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس صفائی کا مقصد یہ ہے کہ اصل میں مولوی اسمٰعیل قصوروار نہیں ہیں بلکہ تقویۃ الایمان کا ترجمہ کرنے والا مجرم ہے۔ یہ بات مولوی عبدالشکور صاحب مرزاپوری نے تقویۃ الایمان کی طرف سے صفائی دینے میں کہی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ بات مان لی جائے کہ اصل کتاب تقویۃ الایمان فارسی میں ہے۔ تو یہ فارسی زبان والی تقویۃ الایمان ہندوستان کے کسی بھی گھر میں کوئی بھی ایک نسخہ موجود نہیں ہے اگر ہے تو نکال کر دکھاؤ۔

دوسرے یہ کہ اگر بالفرض یہ تقویۃ الایمان کی بے ہودگیاں اردو ترجمہ کرنیوالے کی بے ہودگیاں ہیں تو مولوی عبدالشکور صاحب صاحب مرزاپوری کی طرح سب کے سب صفائی دینے والے اس بات کو کیوں نہ اک زبان ہو کر تسلیم کرلیں کہ یہ اردو تقویۃ الایمان کی بے ہودگیاں ترجمہ کرنے والے کی بے ہودگیاں ہیں نہ کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی

مولوی اسمٰعیل صاحب نے جہاں اپنی کتابوں کے سلسلہ میں بہت سے ظلم ڈھائے ہیں وہاں ایک بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ وہ آیات قرآنی جو یہودیوں اور نصاریٰ یا بت پرستوں کی مذمت میں نازل ہوئیں ان آیتوں کو مسلمانوں کے کچھ اعمال میں کھینچ تان کر گمراہی کا ہیولہ لاالہ بھر بے دھڑک یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں کے حق میں نازل شدہ آیات مسلمانوں کے حق میں اپنی کتابوں میں لکھ کر اور نہایت بے باکی کے ساتھ وہ سارے احکام جو یہودیوں وغیرہ کے حق میں ہیں مسلمانوں پر چسپاں کر دیں۔ اس طرح کے وہ مظالم ہیں جن کے تحت مولوی اسمٰعیل صاحب کی کتابیں مسلمانوں کے حق میں بلاکو جالی بن کر رہ گئیں ہیں۔

حضرت منظر قدیری پورنوی

ایمان بالقدر

اندرون قعر دریا تختہ بند م کردہ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

ایمان بالقدر کا مسئلہ بڑا باریک، اہم اور نازک ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ قدرت خداوندی کے ان سربستہ رازوں میں ہے جہاں تک پہونچنے میں فکر و فہم کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور لغزشوں، ٹھوکروں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اس حقیقت کی اتھاہ گہرائی تک پہونچنے کے لئے جتنی کرید ہوتی ہے الجھنوں کا دامن اور وسیع تر ہوتا جاتا ہے اسی کثرت تجسس کا بھیانک نتیجہ ہے کہ لوگ گمراہی کے تپتے ہوئے صحراؤں میں بھٹکتے نظر آتے ہیں۔ اور انھیں ہدایت کی چھاؤں نہیں ملتی جب ہی اللہ کے برگزیدہ رسول نے اس پر بحث تمحیص کرنے سے سخت منع فرمایا ہے میر انقطۂ نظر شاید غلط نہ ہوگا کہ مسئلہ قدر کے پیچ و خم میں الجھنے والوں میں جدید علوم وفنون سے وابستہ حضرات زیادہ تعداد میں ہیں۔ یہ لوگ قضا و قدر کی ٹھوس حقیقت کو ایک خواب سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے گویا تقدیر کا انکار بھی کوئی فیشن ہے جس کے بغیر تہذیب یافتہ لوگوں میں ان کا شمار نہ ہوگا ہماری یہی بدقسمتی ہے کہ گناہوں کو شہد کی طرح حلق سے نیچے اتار لیتے ہیں اور ایمان کو کڑوا سٹ کا احساس تک نہیں ہوتا ہے جیسے ہمارا ذہنی شعور مفلوج ہو گیا! سائنس و ٹیکنالوجی کی دنیا میں بسنے والے حضرات کو سائنسی نظریات نے یکسر

مادہ پرست بنا دیا ہے وہ رفتہ رفتہ لادینیت کی طرف بڑھ رہے ہیں وہ روحانی قوت اور ان دیکھی حقائق پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں وہ اس پر اسرار حقیقت پر قہقہہ لگاتے ہیں کہ انسان کے وجود سے پہلے اس کی تمام حرکات و سکنات صحیفۂ ازل مرقوم ہو چکی ہیں اور اس کے لباس وجود میں آنے کے بعد اسی ازلی تحریر کے مطابق ہر چیز رونما ہوتی ہے یہ لوگ مادی پیچیدگیوں میں گم ہو کر متاع ایمان کھو رہے ہیں اور ایک ایسی نئی پگڈنڈی اختیار کر رہے ہیں جو گمراہی و بددینی کے شہر کی طرف جاتی ہے حالانکہ وہ اپنے زعم میں صحیح منزل کی طرف گامزن ہیں اب انھیں کون بتائے؟

ترسم کہ نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان ست

یہ لوگ اپنے ایمانی چہروں کے خدوخال ان احادیث کے آئینے میں دیکھ سکتے ہیں!

عن علی قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یؤمن عبد حتی یؤمن باربع یشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ بالحق ویؤمن بالموت ویؤمن بالبعث ویؤمن بالقدر۔

علی سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ چار چیزوں پر ایمان لائے بغیر مومن نہیں ہوتا شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول برحق ہوں اور موت بعث آخروی اور قدر پر ایمان لائے۔ عن جابر بن عبد اللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یؤمن عبد حتی یؤمن بالقدر خیرہ و شرہ حتی یعلم ان ما اصابہ لم یکن لیخطئہ وان ما اخطاہ لم یکن لیصیبہ۔

جابر ابن عبد اللہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ تقدیر کے خیر و شر پر ایمان رکھنے سے مومن ہوتا ہے اور اس پر ایمان ضروری ہے کہ جو کچھ زندگی کو پیش آیا ہے اس میں خطا نہیں ہے اور جس میں خطا کی ہے اس میں اصابت نہیں!

کائنات بڑی وسیع و عریض ہے۔ یہاں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں اور ہر ایک کے سوچنے کا

طریقہ علاحدہ اور نقطۂ فکر جداگانہ ہے اس لئے سب سے پہلے کائنات کی یہ اعلیٰ ترین مخلوق، گوشت و پوست کا یہ حسین و خوبصورت ڈھانچہ جس کا نام انسان ہے اس رنگ و بو سے بھری کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے اس پر غور کرنا ہے!

دنیا کے پردے پر انسانوں کی جو یہ متحرک تصویریں دکھائی دیتی ہیں کوئی سنگ تراشی کر رہا ہے کوئی علم و فن کے موتی بکھیر رہا ہے رات کے پر ہول سناٹے میں کوئی نقب زنی کر رہا ہے پولیس مجرم کی جستجو میں سرگرم ہے پادری صلیب کے سامنے کھڑا ہے اس کے لب تھرتھرا رہے ہیں مندر کا پجاری گھنٹی کی آواز پر جھوم رہا ہے مسلمان مسجد میں خدا سے راز و نیاز کی باتیں کر رہے ہیں کسان اپنے کھیت کی سرسبز و شاداب فصل پہ گنگنا رہا ہے کارواں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے کوئی پھول کی کاشت میں ہمہ تن مصروف ہے کیا ان متنوع اور رنگ برنگ مسکراتی بولتی اور چلتی پھرتی تصویروں کے بارے میں صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ فلموں کے اداکاروں کی طرح اپنا رول انجام دے رہے ہیں بالفاظ دیگر خدا نے جو کام جس شخص کے سپرد فرما دیا ہے وہ اس کی تعمیل میں مصروف ہے اس کے خلاف وہ ایک انچ بھی جنبش نہیں کرے گا۔ نہ اس کی اپنی قوت ارادی ہے نہ کوئی نظریۂ حیات! ایک زندگی ہے جو غیبی طاقت کے اشاروں پر ناچ رہی ہے پتھروں کی جامد ہے خود متحرک نہیں ہو سکتی جب تک کسی محرک کا اثر قبول نہ کرے اسے کوئی اختیار نہیں مجبور محض ہے اس کا اپنا کوئی عمل نہیں سب ارادۂ الٰہی کا نتیجہ ہے یہ عقیدہ ہے فرقہ جبریہ کا جو وجود کو مجبور محض کہلاتا ہے اور بس!

اس نادان فرقہ کے بوجھ سے اب شاید دھرتی پاک ہو چکی ہے اس نے اپنی بااختیار حقیقت کو پہچانا ہی نہیں۔ ورنہ خود گر پتھروں کی دنیا سے مد البتہ یہ کرتا ایک کتا بھی اس سے زیادہ سوجھ بوجھ رکھتا ہے جب ہم اس کی طرف کوئی پتھر اچھالتے ہیں تو وہ پتھر کی طرف نہیں بلکہ ہماری طرف حملہ آور ہوتا ہے دراصل اس فرقہ نے بالغ النظری سے اپنی حرکات

وسکنات کا جائزہ نہیں لیا کسی چیز کی گرفت کی حرکت میں انسان کا اپنا اختیار ہوتا ہے لیکن رعشہ
کی حرکت میں اس کا اپنا اختیار نہیں. پانی سے لبریز کٹورے کو ایک تندرست آدمی حرکت
دیتا ہے اور پانی زمین پر ڈال دیتا ہے اس فعل میں اس کا اپنا اختیار ہے لیکن رعشہ کے
مریض کی حرکت سے کٹورے کا پانی گرتا ہے اس میں اس کا اپنا اختیار نہیں شرح عقائد
میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے.

إنا نفرق بالضرورة بين حركة البطش وحركة الارتعاش
ونعلم ان الاول باختياره دون الثاني ولو لم يكن للعبد فعل اصلا
لما صح تكليفه ولا يترتب استحقاق الثواب والعقاب

انسان کی دوسری حیثیت اس کے بالکل برعکس ہے یعنی انسان پتھروں کی طرح
ساکت وجامد نہیں بلکہ وہ قدرت واختیار کا سرچشمہ ہے کوئی شے اس کی دسترس سے
باہر نہیں ہر چیز پر اسے تسلط حاصل ہے. زمین پر مضبوط گرفت ہے یہ انسان ہی طاقت
ہے کہ وہ بے گناہوں کے خون سے دامن سرخ کرتا ہے کبھی حسن عمل سے زندگی کے سادہ
خاکوں میں رنگ بھرتا ہے امتحان کی کڑی منزل سے گذرتا ہے عیش ونشاط کی ٹھنڈی
چھاؤں میں ہنستا بولتا ہے علم وفن سے آراستہ ہوتا ہے جہالت کو اپنا شیوہ بنا لیتا ہے
چاند کی حسین منزل کی طرف قدم بڑھاتا ہے کبھی تحت الثریٰ کی اتھاہ گہرائی میں ڈوب جاتا ہے
پھولوں سے دامن بھرتا ہے کانٹوں سے رفو کرتا ہے برائی کا خوگر بنتا ہے بھلائی کے قالب
میں ڈھلتا ہے گناہوں میں لذت ڈھونڈھتا ہے کبھی حسن کردار میں تلخی محسوس کرتا ہے غرض
کہ وقت کے اسٹیج پر انسان جو کچھ کرتا ہے خود اپنے اختیار سے کرتا ہے اسے عملی زندگی
میں اختیار کلی حاصل ہے اس پر کسی خارجی قوت کا دباؤ نہیں. وہ اپنے افعال کا خود خالق
ہے یہ عقیدہ ہے فرقہ قدریہ کا جو قضا وقدر کا منکر ہے!

دو ذہنوں نے انسان کو دو نقطۂ نگاہ سے دیکھا اور پرکھا اور دونوں گمراہ کن

نتیجے پر پہونچے ایک نے اس کی کڑی سنگ وحجر سے ملا دی دوسرے نے تمام اختیارات
اس کے دامن میں ڈال دئے یہ دونوں فرقے باطل اور ان کے نظریات بھی ظلمات سے لبریز
ہیں ان کے بارے میں بارگاہ رسالت سے جو فرمان نافذ ہوا ہے ملاحظہ فرمائیے.

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
صنفان من امتي ليس لهما في الاسلام نصيب المرجئة والقدرية رواه الترمذي

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا میری امت کے مرجیہ وقدریہ فرقوں کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں.

عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في امتي
خسف ومسخ وذالك في المكذبين بالقدر

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا
میری امت میں خسف ومسخ (زمین کے اندر دھنسنا اور مسخ صورت ہو جانا) کے لوگ ہوں گے
اور یہ وہی لوگ جو قضا وقدر کی تکذیب کریں گے. عن یحیی بن یعمر قال کان اول
من قال في القدر بالبصرة معبد الجهني فانطلقت انا وحميد بن عبد الرحمن
الحميري حاجين او معتمرين فقلنا لو لقينا احدا من اصحاب رسول الله صلى
الله عليه وسلم فسألناه عما يقول هؤلاء في القدر فوفق لنا عبد الله
بن عمر بن الخطاب داخل المسجد فاكتنفته انا وصاحبي احدنا عن
يمينه والآخر عن شماله وظننت ان صاحبي سيكل الكلام الي
يا ابا عبد الرحمن انه قد ظهر قبلنا ناس يقرءون القرآن
ويتقفرون العلم وذكر من شأنهم وانهم يزعمون ان لا قدر
الامر انف اذا لقيت هؤلاء فاخبرهم اني برئ منهم وانهم براء مني والذي يحلف به
عبد الله بن عمر لو ان لاحدهم مثل احد ذهبا فانفقه ما قبل الله منه حتى يؤمن بالقدر

یحیٰی ابن یعمر سے مروی کہ سب سے پہلے بصرہ کے اندر معبد جہنی نامی ایک شخص نے
قدر کا سوال اٹھایا راوی کا بیان ہے میں اور حمید بن عبدالرحمان حمیری حج یا عمرہ کے
ارادے سے نکلے دل میں شوق پیدا ہوا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی
سے ملاقات ہو جاتی تو ہم ان سے اس فرقہ کے بارے میں پوچھتے جو قدر کے سلسلہ میں
ایسا عقیدہ رکھتا ہے خدا نے توفیق دی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی مسجد
میں داخل ہوتے ہوئے ملاقات ہو گئی تو ہم دونوں نے انھیں وسط میں کر لیا اور ہم ان کے دائیں
بائیں ہو گئے میں نے گمان کیا کہ میرا ساتھی مجھے بات کرنے کا موقع دیگا۔ میں نے گفتگو کا آغاز
کیا اے ابو عبدالرحمان (عبداللہ بن عمر کی کنیت) ہمارے یہاں کچھ لوگ ظاہر ہوئے ہیں جو
قرآن بھی پڑھتے ہیں اور علم کا شوق بھی رکھتے ہیں مگر وہ قدر پر یقین نہیں رکھتے ابن
عمر نے فرمایا جب تمہاری ان سے ملاقات ہو تو کہہ دینا کہ میں ان سے جدا ہوں اور وہ لوگ
مجھ سے جدا ہیں خدا کی قسم اگر ان کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور اسے خرچ کر
ڈالیں پھر بھی خدا قبول نہیں فرمائے گا جب تک قدر پر ایمان نہ لائیں۔ عن ابن عمر قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ ان مرضوا فلا تعودوھم
وان ماتوا فلا تشھدوھم ۰ (رواہ ابوداؤد)

ابن عمر رضی اللہ عنہا سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدریہ اس
امت کا مجوس ہے اگر وہ مرض میں مبتلا ہو جائے تو اس کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائے تو نہ جاؤ۔
قدریہ قضاء وقدر کا منکر، اور بندہ کو اپنے افعال کا خالق اور خود مختار ثابت کرتا ہے اس
کا نظریہ ہے کہ اشیاء ازل میں مقدر نہیں بلکہ خدا کو ان کے وقوع کے بعد علم ہوتا ہے پہلے سے
اسے کوئی علم حاصل نہیں کچھ عرصہ بعد اس فرقہ نے اپنے نظریات میں کچھ تبدیلی تو کر دی لیکن
ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ خدا کی جانب سے خیر ہے شر نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
اسے مجوس (آتش پرست) سے تشبیہ دینا اسی معنی ہے کہ مجوس کی طرح اس نے بھی دو خداؤں

بلکہ سیکڑوں خداؤں کا وجود مانا مجوس کے مذہب کی اساس نور و ظلمت پر ہے خیر فعل نور
ہے اور شر فعل ظلمت، اسی واسطے مجوس کے یہاں خالق خیر یزدان اور خالق شر اہرمن
ہے لیکن قدریہ تو ہر انسان کو اپنے افعال کا خالق مان کر سیکڑوں ہزاروں، لاکھوں اور
کروڑوں خداؤں کا وجود مان لیا۔

یہ تو تھا جبریہ وقدریہ کا نظریہ اور ان کا فاسد عقیدہ! ہمارا عقیدہ ان سے مختلف
ہے قرآن و حدیث کی رو سے یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام اشیاء کو ازل
ہی میں مقدر فرما دیا ہے اور اسی کے علم میں ان کے وقوع کا صحیح وقت بھی معین ہے اس پر
کشش کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے ماضی کے کھنڈر میں جو واقعات مدفون ہیں زمانہ
حال کی کوکھ سے جو حادثات جنم لے رہے ہیں اور مستقبل میں جو واردات رونما ہونے
والی ہے علم نے سب کچھ لوح محفوظ میں ثبت کر دیا ہے اس کے خلاف کچھ نہ ہوگا اور
یہی ہمارا عقیدہ ہے اس حقیقت کا قرآن شاہد ہے۔ وما تسقط من ورقۃ
الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمت الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین
اور جو پتا گرتا ہے وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانہ کہیں زمین کی اندھیریوں میں اور
نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔ اس آیت کریمہ کے تحت تفسیر
خازن میں ہے۔ فیہ قولان احدھما ان الکتاب المبین ھو علم اللہ الذی
لا یغیر ولا یبدل والثانی المراد بالکتاب المبین ھو اللوح المحفوظ لان
اللہ کتب فیہ علم ما یکون وقد ما کان قبل ان یخلق السموات والارض
اس آیت پاک میں دو قول ہیں کتاب مبین سے یا تو علم الٰہی مراد ہے جس میں تغیر و تبدل
نہیں یا اس سے لوح محفوظ مراد ہے جس میں خدا نے زمین و آسمان کی آفرینش سے پہلے
علم ما کان وما یکون رقم فرمایا۔ دوسری آیت ہے۔ قل لن یصیبنا الا ما کتب
اللہ لنا ------- تم فرماؤ ہمیں نہ پہونچے گا مگر وہ جو اللہ نے ہمارے

نے لکھ دیا۔ اسی آیت کے تحت اسی تفسیر میں ہے۔

قل یا محمد لھؤلاء الذین یفرحون بما یصیبک من المصائب المکروہ لن یصیبنا الا ما قدر اللہ لنا وعلینا وکتبہ فی اللوح المحفوظ لان القلم جف بما ھو کائن الی یوم القیامۃ من خیر وشر الخ

جو لوگ آپ کی مصائب و شدائد دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اے رسول آپ ان سے فرما دیجئے کہ خیر وشر میں سے جو کچھ خدا نے ہماری تقدیر لکھ دیا ہے وہی ظاہر ہو رہا ہے

حدیث شریف میں ہے۔

عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ القلم فقال لہ اکتب قال ما اکتب قال اکتب القدر فکتب ما کان وما کائن الی الابد (رواہ الترمذی)

عبادہ ابن صامت سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اس سے لکھنے کو کہا قلم نے عرض کی میں کیا لکھوں ارشاد ربانی ہوا قدر کو تحریر کر تو قلم نے ابد تک سب کچھ لکھ دیا۔

دوسری حدیث ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کتب اللہ مقادیر الخلق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ وکان عرشہ علی الماء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارض وسما کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیر تحریر فرمائی اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات واحادیث ہیں جنھیں خوف طوالت کی وجہ سے قلم انداز کرتا ہوں قرآن وحدیث کی ان تصریحات سے قضا وقدر کا ثبوت یقینی ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس کی چند قسمیں ہیں قضائے مبرم حقیقی

یہ وہ فیصلہ علم الٰہی میں کسی چیز پر معلق نہیں ہوتا ہے اس میں ترمیم وتبدیل بھی ممکن نہیں بلکہ یہ بندوں کی حد قدرت سے باہر ہے حتیٰ کہ جو لوگ وحی والہام کے مرکز ہوتے ہیں جن پر فیضان الٰہی کی بارش ہوتی ہے وہ بھی اگر اس قضا میں تبدیلی کے بارے میں لب کشائی کرتے ہیں تو انھیں اس سے باز رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کی بدکاری وشہوت پرستی پہ آنے والے بھیانک عذاب کو رد فرمانے کی کوشش کی تو زبان قدرت بول اٹھی یا ابراہیم اعرض عن ھذا انہ قد جاء امر ربک وانھم اتیھم عذاب غیر مردود

اے ابراہیم اس خیال میں نہ پڑو بے شک تیرے رب کا حکم آچکا ہے ان پر عذاب آئے گا پھیرا نہ جائے گا تو قوم لوط پر نزول عذاب مبرم حقیقی تھا جس میں تبدیلی ناممکن تھی۔ قضائے معلق۔ یہ قضا فرشتوں کے صحیفوں میں معلق ہوتی ہے اور کسی کار خیر مثلاً صدقہ وخیرات کی برکت سے اس میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اس قضا تک اولیائے کرام کی پہونچ ہو جاتی ہے اور ان کی دعاؤں کی برکت سے اس میں تبدیلی ہو جاتی ہے ع

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

معلق شبیہ بہ مبرم۔ یہ قضا علم الٰہی میں کسی چیز پر معلق ہوتی ہے لیکن فرشتوں کے دفتروں میں تعلیق مذکور نہیں ہوتی اس قضا تک خاص اکابر کی رسائی ہو جاتی ہے غوث اعظم رضی اللہ عنہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں "میں قضائے مبرم کو رد کر دیتا ہوں" اور حدیث پاک میں جو وارد ہے۔ ان الدعاء یرد القضاء بعد ما ابرم

دعا قضائے مبرم کو رد کر دیتی ہے۔ قضا وقدر کی ان تینوں قسموں کی روشنی میں قرآن پاک کی اس آیت کو یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب۔

یعنی اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے۔ دیکھا جائے تو اس کی مختلف تفسیروں سے قطع نظر اس کا تعلق آخری دو قسموں سے معلوم

ہوتا ہے ورنہ پہلی قسم میں تو ترمیم و تنسیخ کی گنجائش ہی نہیں۔

تقدیر کے سلسلہ میں یہاں ایک خلش ذہن میں پیوست ہو سکتی ہے کہ پچھلی وضاحتوں سے یہ ثابت ہوا کہ زمین و آسمان کے وجود میں آنے سے قبل تقدیر تحریر میں آچکی ہے لیکن حدیث میں اس کے خلاف اشارہ ملتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے
عن ابن مسعود قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الصادق والمصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃ ثم یکون علقۃ مثل ذالک ثم یکون مضغۃ مثل ذالک ثم یبعث اللہ ملکا باربع کلمات یکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید الخ

حضرت ابن مسعود سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ صادق و مصدوق تھے آدمی کی بناوٹ ماں کے شکم میں چالیس روز نطفہ کی صورت میں پھر اتنی مدت لوتھڑا کی شکل میں اور اتنا ہی عرصہ پارۂ گوشت کی صورت میں رہتی ہے پھر اس کی طرف اللہ تعالیٰ چار باتوں کے لئے ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کا عمل، رزق اور شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے۔ اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ تقدیر تو ازل ہی میں لکھ گئی شکم مادر میں صرف اس کا انفاذ ہوتا ہے!

قضاء و قدر کی اس وضاحت کے بعد ہر ذی شعور آدمی یہ سوال کر سکتا ہے کہ جب ازل ہی میں ہر فعل و عمل دائرۂ تحریر میں آچکا ہے اور اسی کے مطابق کائنات میں اس کا وقوع ہوتا ہے خیر و شر، شقاوت و سعادت جنم لیتی ہے یعنی جو تیر وقت کی کمان سے نکلتا ہے یہ اسی ازلی فیصلہ کا نتیجہ ہوتا ہے بلفظ دیگر انسان کو وہی کرنا پڑتا ہے جو اس کے وجود سے پیشتر صحیفۂ قدر میں ثبت ہو چکا ہے اور جو محض ایک اداکار کی طرح اپنا پارٹ انجام دے رہا ہے جیسا کہ فرقۂ جبریہ کا نظریہ گزرا یہ بڑا پیچیدہ موڑ ہے اکثر ذہن ٹھوکر کھاتا ہے اور غلط منزل کی طرف مڑ جاتا ہے۔ قضاء و قدر کا ہرگز یہ

مفہوم نہیں کہ جو کچھ نوک تحریر آچکا ہے انسان کو وہی کرنا پڑتا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ زید جو کچھ کائنات میں آکر کرنے والا تھا وہی اس کا نصیب ہے اور اسی کے بیان کا نام قدر ہے وہ کرکھنے کے مطابق زید عمل کرتا ہے اس کی ایک خارجی مثال کے ذریعہ وضاحت کی جا سکتی ہے آگرہ میں تاج محل ایک حسین و دلکش عمارت ہے شاہجہاں نے اسے تعمیر کروایا۔ جب اس کی تاریخ لکھی جاتی ہے تو مورخ کا قلم اس طرح۔ شاہجہاں برصغیر کے شہنشاہ تھے ان کا خزانہ جواہرات سے لبریز تھا اپنی جان سے زیادہ عزیز بیوی ارجمند بانو عرف ممتاز محل کی وفات پر اس کی حسین یادگار قائم کرنے کا خیال مسکرا اٹھا انھوں نے دیس بدیس سے تجربہ کار فنکاروں، سنگتراشوں اور پچی کاروں کو بلوایا بیش قیمت پتھروں گرانقدر ہیروں اور انمول موتیوں کے حصول کے لئے انھوں نے خزانہ کا منھ کھول دیا۔ چنانچہ بیس سال کی طویل مدت میں بیس ہزار مزدور کی پیہم و مسلسل محنت و عرق ریزی کے بعد ایک نادر روزگار عمارت دریائے جمنا کے کنارے کسی حسین دوشیزہ کی طرح مسکرا اٹھی فنی ماہروں نے اس عمارت کے در و دیوار میں خون کا آخری قطرہ نچوڑ کر رکھ دیا یہی عمارت ہے تاج محل کے نام سے مشہور ہوئی جو تمام دنیا سے حسن و دلکشی کا خراج حاصل کر رہی ہے۔ تاریخ نگار نے جن واقعات کو سپرد قلم کیا جو تاج محل کے سلسلے میں وقت کے سینے میں محفوظ تھے ہم کہہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو ازل ہی میں مقدر فرما دیا کہ شاہجہاں بنوائے گا

فرق اتنا ہے کہ مورخ گزشتہ واقعات کو قلم بند کرتا ہے کیونکہ مستقبل اس کی دسترس سے باہر ہوتا ہے لیکن علم الٰہی سے باہر نہیں بلکہ اس کا علم تو تینوں زمانوں پر محیط ہے اسے معلوم کہ شاہجہاں اس طرح کی عمارت تعمیر کرائے گا اب اگر اسے کوئی جبر محمول کرتا ہے تو یہ اس کی کج فہمی و نادانی ہے بلکہ بندوں کو خدائے تعالیٰ نے کچھ نہ اختیار سے بھی نوازا ہے جس پر ان کے عذاب و ثواب کا دار و مدار ہے شرح عقائد نسفی میں ہے۔ وللعباد افعال اختیاریۃ یثابون بھا ویعاقبون علیھا

یعنی بندوں کے کچھ اختیاری افعال ہیں جن پر ثواب و عقاب کی بنیاد ہے البتہ ان اختیاری فعلوں کا خالق وہ خود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ واللہ خلقکم وما تعملون) یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا، اور تمہارے اعمال کا خالق ہے شرح عقائد میں ہے۔ واللہ خالق لافعال العباد من الکفر والایمان والطاعۃ

ایمان اور طاعت سب کا خالق اللہ ہے اس کی کیفیت شرح عقائد کے الفاظ ہی کے اجالے میں ملاحظہ فرمائیے۔ فان قصد فعل الخیر خلق اللہ قدرۃ فعل الخیر فیستحق المدح والثواب وان قصد فعل الشر خلق اللہ قدرۃ فعل الشر وکان ھو المضیع لقدرۃ فعل الخیر فیستحق الذم والعقاب

انسان نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے جوارح کو حرکت دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکی پیدا فرما دیتا ہے جبھی وہ قابل تعریف اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور جب برے کاموں کا قصد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی بے نیازی سے بدی موجود فرما دیتا ہے چونکہ انسان خیر کی قدرت کو ضائع کر دیتا ہے اسی وجہ سے قابل مذمت اور لائق عقاب ہوتا ہے حالانکہ اس کے اختیار کی بات ہے کہ خدا کی پیدا کردہ قدرت و طاقت کو کار خیر کے لئے استعمال کرے شرح عقائد میں ہے۔ ان القدرۃ صالحۃ للضدین عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ حتی ان القدرۃ المصروفۃ الی الکفر بعینھا القدرۃ التی تصرف الی الایمان لا اختلاف الا فی التعلق وھو لا یوجب الاختلاف فی نفس القدرۃ فالکافر قادر علی الایمان المکلف بہ الا انہ صرف قدرتہ الی الکفر وضیع باختیارہ صرفھا الی الایمان فاستحق الذم والعقاب

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک قدرت دو متضاد چیزوں کی صلاحیت رکھتی ہے وہی قدرت جو کفر کے لئے استعمال کی گئی وہی بعینہ ایمان کے لئے بھی استعمال کی جا سکتی ہے صرف تعلق میں اختلاف ہے اور اس سے نفس قدرت کے اختلاف پر کوئی اثر نہیں پڑتا

تو کافر ایمان پر قادر اور اس کا مکلف ہے مگر اس نے اپنی قدرت کفر پر صرف کر ڈالی اور اپنے اختیار سے ایمان کی بجائے کفر پر صرف کر کے اسے ضائع کر دیا اسی بنا پر مذمت و عقاب کا مستحق ہوا!

دو پیالوں میں شہد اور زہر رکھا ہے شہد میں شفا اور زہر میں اثر ہلاکت محض قادر و حکیم کا پیدا کردہ ہے اس نے اپنے بے پناہ فضل و کرم سے بالغ نظر اور روشن دماغ حکیموں کی زبان سے اس حقیقت کا انکشاف کرایا کہ شہد میں منفعت اور زہر میں ہلاکت ہے یہ آواز موج ہوا میں ڈھل کر ساری کائنات میں پھیل گئی اب کسی نے شہد کا پیالہ اٹھایا اور کسی نے زہر کے پیالے کو منھ سے لگایا۔ جذب و حرکت اسی کی پیدا کردہ ہے شہد حلق سے نیچے پہونچا لیکن اس میں بذات خود نفع نہیں بلکہ یہ بھی دست قدرت ہی پہ منحصر ہے وہ نہ چاہے تو منوں شہد سے کچھ نہ ہوگا اور زہر کا بھی یہی حال ہے بایں ہمہ شہد کا پینے والا قابل تحسین و آفریں اور زہر کو حلق سے نیچے اتار نے والا سزاوار ملامت ہے ہر صاحب ادراک یہی کہے گا کہ اس بد بخت نے خودکشی کا ارتکاب کیا اول سے آخر تک بندہ جن جن حرکات و سکنات سے دوچار ہوا ان سب کا خالق اللہ ہے اور بندہ کاسب! قرآن عظیم میں ہے لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی اور یہ کسب اس کا اپنا اختیاری فعل ہے جس پر عذاب و ثواب کی بنیاد ہے بہر حال لا جبر ولا قدر بل الامر بینھما۔ نہ تو جبر ہے نہ قدر بلکہ معاملہ بیچ میں ہے ایک روز مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ خطبہ دے رہے تھے ایک شخص جو واقعہ جمل میں آپ کے ساتھ تھا اس نے عرض کی: "یا امیر المومنین مسئلہ قدر کی خبر دیجئے!"

"گہرا عمیق دریا ہے اس میں قدم نہ رکھ" آپ نے جواب دیا

سائل نے پھر اصرار کیا۔

"اللہ کا راز ہے زبردستی اس کا بوجھ نہ اٹھا" بارہ گر آپ نے جواب دیا

سال مطیس منہ ہوا اصرار کرتا ہی رہا۔

تو آپ نے فرمایا اگر نہیں مانتا تو سن! دو امروں کے درمیان ایک امر ہے نہ آدمی مجبور بھی ہے نہ اختیار تام اس کے سپرد ہے سائل نے عرض کی فلاں شخص کہتا ہے آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے اور وہ حضور میں حاضر بھی ہے آپ نے اسے سامنے لانے کا حکم دیا لوگوں نے اسے کھڑا کیا جب اس پر آپ کی نظر پڑی تو نیام سے تلوار چار انگل کی مقدار نکل آئی اور فرمایا کام کی قدرت کا تو خدا کے ساتھ مالک ہے یا اس سے جدا مالک ہے خبردار ان دونوں باتوں میں سے کوئی نہ کہنا کہ کافر ہو جائے گا اور میں تیری گردن مار دوں گا۔

اس نے عرض کی یا امیر المومنین پھر میں کیا کہوں؟

آپ نے ارشاد فرمایا، اس خدا کے دئے سے اختیار رکھتا ہوں اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے بغیر اس کی مشیت کے مجھے کچھ اختیار نہیں۔ شاید اسی نظریہ سے متاثر ہو کر ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے
انہی پابندیوں میں حاصل آزادی تو کر لے

قضا و قدر کا مسئلہ بڑا نازک ہے۔ اس پر الجھنے و در بحث و مباحثہ کرنے سے حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے اس لئے سکوت بہتر ہے ورنہ ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے!

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب اشرفی رضوی مظفر پوری

دیوبندیوں کا اپنے حق میں مسلمات سے گریز

نئی دنیا کی عظیم اکثریت انبیاء و اولیاء کے حق میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ پروردگار عالم نے اپنے فضل و کرم سے انہیں ایسی مخصوص قوتیں عطا فرمائی ہیں جن کے ذریعہ غیبی باتوں کا علم دلوں کے خطرات اور چھپے ہوئے حالات ان پر منکشف ہو جاتے ہیں

یونہی قادر مطلق نے کائنات میں انہیں تصرف کا بھی اختیار عطا فرمایا ہے اس خداداد قوت و اختیار سے عالم میں تصرف فرماتے ہیں۔ اہل سنت کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ سمیع و بصیر نے انبیاء و اولیاء کو ایسی قوت سماعت بخشی ہے جس سے وہ دور و نزدیک کی پکار کو سن لیتے ہیں، فریادیوں کی فریاد کو پہنچتے ہیں حاجت مندوں کی حاجت روائی فرماتے ہیں۔

علمائے دیوبند کا عقیدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے لہذا کسی مخلوق کے لئے (خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء) کسی تاویل سے (خواہ عطائی ہی کیوں نہ ہو) علم غیب ثابت کرنا خلاف نصوص قطعیہ اور صریح شرک ہے یونہی کسی مخلوق کو عالم میں متصرف ماننا یا دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ ان کو میری پکار کی خبر ہو گئی کھلا ہوا کفر و شرک ہے۔ پکارنے والا اور ابوجہل دونوں شرک میں برابر ہیں عقل و انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ علمائے دیوبند کا یہ مسلک اگر قرآن و حدیث پر مبنی ہے تو انہیں ہر حال میں ہر شخص کے لئے کفر و شرک ہی قرار دینا چاہئے۔ خواہ اپنے اور بیگانے کی رعایت نہیں برتنا تلوار کی زد میں جو کوئی آئے گا بلا امتیاز دوست و

دشمن کٹ جائے گا۔

مگر جب آپ علمائے دیوبند کی تاریخ کی ورق گردانی کریں گے تو آپ کو نہ صرف حیرت ہوگی بلکہ آپ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ توحید پرستی کے ڈھونگ رچانے والوں نے توحید کی آڑ میں کیسے کیسے صنم خانے آباد کر رکھے ہیں۔ جن چیزوں کو انبیاء و اولیاء کے حق میں شرک ٹھہراتے ہیں بعینہ وہی چیزیں اپنے گھر کے بزرگوں کے لئے عین ایمان و اسلام سمجھتے ہیں۔ جماعت کا ایک فرد جس چیز کو کفر و شرک کہتا ہے دوسرا فرد اسی کو ایمان و اسلام ٹھہراتا ہے۔

اس مضمون میں انہیں کی معتبر کتابوں سے دو متضاد اقوال جمع کئے گئے ہیں پہلے قول میں منفی پہلو اور دوسرے قول میں اثباتی پہلو پیش کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ غیر جانبدار ہو کر پڑھیں اور انصاف کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ شک و ارتیاب اور تذبذب کی تاریکیوں میں بھٹکنے والے یقین و اطمینان کا اجالا محسوس کریں گے مقصود ہے گزارش احوال واقعی   اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

اس مضمون میں علم غیب، ندائے یا رسول اللہ، اور حفظ الایمان کا سرسری تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور ہر ایک کے مثبت و منفی پہلو سے علمائے دیوبند کی تضاد بیانی اور اپنے مسلمات سے گریز ثابت کیا گیا ہے۔

علم غیب کا منفی پہلو

۱۔ اللہ صاحب نے پیغمبر صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فرمایا کہ لوگوں سے یوں کہہ دیویں کہ غیب کی بات سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا نہ فرشتہ نہ آدمی نہ جن نہ کوئی چیز۔ یعنی غیب کی بات کو جان لینا کسی کے اختیار میں نہیں۔ تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی صـ۲۲۔

۲۔ جو شخص اللہ جل شانہ کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے وہ بے شک کافر ہے اس کی امامت اور اس سے میل جول محبت و مودت سب حرام ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۳ صـ

اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو علم غیب تھا صریح شرک ہے فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب صـ۹۶

۳۔ علم غیب خاصہ حق تعالیٰ کا ہے اس لفظ کو کسی تاویل (خواہ عطائی ہی کیوں نہ ہو) سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ صـ۴۳ مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی۔

۴۔ کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ عقیدہ رکھنا کہ ہمارے سب حال کی اس کو ہر وقت خبر رہتی ہے (کفر و شرک ہے) بہشتی زیور جلد ۱ صـ۴۷ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی۔

۵۔ رسول اور امت رسول اس حد تک مشترک ہیں کہ دونوں کو علم غیب نہیں ہے فاران کا توحید نمبر صـ۱۱۱ از قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بحوالہ زلزلہ

۶۔ کتاب و سنت کو سامنے رکھ کر علم کی تقسیم یوں نہ ہوگی کہ اللہ کا علم ذاتی اور رسول کا علم عطائی۔ یعنی نوعی فرق کے ساتھ دونوں کا برابر ہے۔ گویا ایک حقیقی خدا دوسرا مجازی خدا۔ توحید نمبر صـ۱۲۱ از قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بحوالہ زلزلہ۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ غیر خدا کے لئے غیب ثابت کرنا خواہ عطائی ہی کیوں نہ ہو کفر ہے شرک ہے کتاب و سنت کے منافی ہے۔ اگر یہ امر واقعہ ہے اور علمائے دیوبند کے مسلمات میں سے ہے تو میں عرض کروں گا کہ وہ پوری دیدہ دلیری کے ساتھ کفر و شرک کا فتویٰ لگانے کیلئے تیار ہو جائیں۔

علم غیب کا اثباتی پہلو

علم غیب کا اثباتی پہلو پیش کرنے سے پہلے چند منٹ کے لئے اپنے قارئین کا لمحۂ فکریہ چاہتا ہوں۔ مذکورہ بالا حوالجات پڑھنے کے بعد ایک خالی الذہن آدمی کیا یہ کہنے پر مجبور نہ ہوگا کہ غیر خدا کے لئے علم غیب ماننا کفر ہے شرک ہے توحید پرستی کے منافی ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو میں آپ کی دیانت کو آواز دیتا ہوں۔ آپ اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔ جو غیر خدا کے لئے علم غیب ثابت کرے فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے یہ سن کر آپ حیرت میں پڑ جائیں گے کہ جو علم غیب انبیاء و اولیاء کے لئے کفر و شرک ٹھہرایا گیا ہے۔ علمائے دیوبند وہی علم غیب اپنے بزرگوں کے حق میں عین ایمان و اسلام سمجھ رہے ہیں۔ اب آپ اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر اصل واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بیان کرتے ہیں کہ جس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولوی رفیع الدین صاحب تھے بعض مدرسین کے درمیان کچھ نزاع چھڑ گئی۔ جھگڑے کی نوبت یہاں تک پہونچی کہ مدرسہ کے صدر مدرس (دیوبندیوں کے شیخ الہند) مولوی محمود الحسن دیوبندی بھی اس ہنگامے میں شریک ہو گئے۔ اور اختلافات بڑھتے چلے گئے اب اس کے بعد کا واقعہ قاری صاحب ہی کی زبانی سنئے لکھتے ہیں۔

اسی دوران میں ایک دن علی الصباح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کو کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سخت سردی کا تھا مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ

دیکھ لو مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسد عنصری (ظاہری جسم) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر بتر ہو گیا۔ اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ بس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولونگا۔ ارواح ثلثہ ص۲۴۲

اے عدل و انصاف کے حامیو۔ خدارا سوچو تو سہی جو علم غیب انبیاء و اولیاء کے لئے شرک تھا وہ علم غیب نانوتوی کے لئے عین ایمان کس طرح بن گیا داد دو انصاف کو انصاف کہاں ہے ؟

قاری طیب صاحب اگر آپ اجازت دیں تو ذہن کے چند ابھرتے ہوئے سوالات آپ کے سامنے پیش کروں۔ امید کہ آپ خود یا اپنے معتمد وکلاء کے ذریعہ اپنی دستخط سے اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائیں گے۔

نمبر ۱ جس وقت آپ نے اپنے جد کریم کا واقعہ نقل فرمایا اس وقت آپ کے ذہن میں یہ باتیں نہ تھیں۔

رسول اور امت رسول اس حد تک مشترک ہیں کہ دونوں کو علم غیب نہیں ہے فاران کا توحید نمبر ص۱۲۲ بحوالہ زلزلہ

کتاب و سنت کو سامنے رکھ کر علم کی تقسیم یوں نہ ہوگی کہ اللہ کا علم ذاتی اور رسولوں کے علم عطائی یعنی نوعی فرق کے ساتھ دونوں کا برابر ہے گویا ایک حقیقی خدا دوسرا مجازی خدا توحید نمبر ص۱۲۱ بحوالہ زلزلہ۔

نمبر ۲ اگر تھیں تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ جب رسول کو علم غیب نہیں تو آپ کے دادا جان کو کہاں سے علم غیب حاصل ہو گیا کہ ابھی مدرسہ دیوبند کے جھگڑے

اور صدر مدرس کی شرکت کا علم ہو گیا اور جسد عنصری کے ساتھ مدرسہ دیوبند میں تشریف لے آئے۔ اور خواب میں نہیں عالم بیداری میں تنبیہ فرما کر واپس تشریف لے گئے۔

نمبر۳۔ کیا آپ کے جد محترم کا مقام مقام نبوت سے آگے ہے؟۔ اگر ہے تو کس درجہ

نمبر۴۔ کیا آپ جواب دینے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ آپ کے جد مکرم حقیقی خدا ہیں یا مجازی خدا۔

نمبر۵۔ اگر اجازت ہو تو یہ بھی عرض کر دوں کہ آپ کے نزدیک قاعدہ اور قانون کا اختلاف نہیں ہے بلکہ موقع و محل کا اختلاف ہے۔ اگر ہم بھی علم غیب انبیاء و اولیاء کے لئے مانیں تو شرک ہو جائے اور آپ اپنے جد کریم کے لئے ثابت کریں تو عین و اسلام بن جائے۔

نمبر۶ جواب نہ دینے کی صورت میں کیا آپ اپنے مسلمات سے گریز نہیں کر رہے ہیں۔

ندائے یا رسول اللہ

ندائے یا رسول اللہ کا منفی پہلو

نمبر۱ اللہ تعالیٰ نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی بتوں کو اللہ کی برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اُسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کے اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا یہی اُن کا کفر و شرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔ تقویۃ الایمان صہ۶

۲۔ جب انبیاء علیہم السلام کو بھی علم غیب نہیں ہوتا تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ فتاویٰ رشیدیہ صہ۳ مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی

۳۔ کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی (کفر و شرک ہے) بہشتی زیور جلد ۱ صہ۳۷

ندائے یا رسول اللہ کا اثباتی پہلو

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خدائے ذوالجلال نے انبیاء و اولیاء کو ایسی قوت سماعت بخشی ہے جس سے وہ دور و نزدیک کی پکار کو سن لیتے ہیں اور ان کی مدد فرماتے ہیں۔ لیکن دیوبندی مکتبۂ فکر کے نزدیک غیر خدا کو پکارنا ان کو اپنا حمایتی سمجھنا ان سے مدد مانگنا کفر و شرک ہے

اگر علماء دیوبند اس اصول کو تسلیم کرتے ہیں تو انہیں پوری جرأت کے ساتھ اپنے اور بیگانے کا فرق کئے بغیر کفر و شرک کا فتویٰ صادر کر دینا چاہیئے۔ جنھوں نے غیر خدا کو پکارا ہے اور مدد مانگی ہے۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

قصائد قاسمی۔

اس شعر میں مولوی قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند نے حضور سرور کائنات کو نہ صرف پکارا ہے بلکہ مدد بھی مانگی ہے۔

جہاز اُمت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں۔
تم اب چاہے ڈبو یا اُبھارو یا رسول اللہ

اس شعر میں حاجی امداد اللہ صاحب نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا ہے

دستگیری کیجئے میرے نبی کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی

جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ   فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف   اے میرے مولیٰ خبر لیجے میری

نسیم الطیب ترجمہ شیم الحبیب۔ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی صہ ۱۴۵

ان اشعار میں مولوی اشرف علی تھانوی نے جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا ہے وہیں مدد بھی مانگی ہے۔

نانوتوی صاحب کا یہ کہنا کہ یا رسول اللہ تیرے سوا قاسم کا کوئی حامی نہیں یا تھانوی صاحب کا کہنا کہ جز تمہارے میری پناہ کہاں ہے کیا یہ لازم نہیں آتا کہ وہ توحید کو چھوڑ کر مشرکانہ بولی بول رہے ہیں۔

الحق ما شہدت بہ الاعداء   مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

علمائے دیوبند سے چند سوالات

نمبر ۱ اگر تقویۃ الایمان، بہشتی زیور، فتاویٰ رشیدیہ کا فتویٰ صحیح ہے تو حاجی امداد اللہ صاحب، مولوی قاسم نانوتوی مولوی اشرف علی تھانوی غیر خدا کے پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کے جرم میں کافر و مشرک ہوئے یا نہیں۔ اور اگر انہیں مسلمان ٹھہراتے ہیں تو ان کتابوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

نمبر ۲ ان حضرات نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سمجھ کر پکارا اور مدد مانگی ہے یا خدا کا بندہ اور اس کا مخلوق سمجھ کر۔ اگر جواب ثانی میں ہے جب بھی آپ حضرات کے لئے تقویۃ الایمان نے کسی تاویل کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔ تقریب ذہن کیلئے ایک بار پھر سے خاص خاص عبارت کا سرسری جائزہ لے لیں۔

اللہ تعالیٰ نے عالم میں کسی کو تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی۔ اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا۔ یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی ان کا کفر و شرک تھا سو جو

کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے

نمبر ۳ تقویۃ الایمان کے فتوے کو تسلیم کرنے کے بعد آپ میں یہ ہمت و جرأت ہے کہ صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیں کہ حاجی امداد اللہ صاحب مولوی قاسم نانوتوی مولوی اشرف علی تھانوی اور ابوجہل دونوں شرک میں برابر ہیں۔

نمبر ۴۔ کیا آپ حضرات کا سکوت یا بیجا تاویل اس بات کی غمازی نہیں کر رہا ہے کہ آپ اپنے مسلمات سے گریز کر رہے ہیں۔

حفظ الایمان کا سرسری تنقیدی جائزہ

دیوبندی مکتبۂ فکر کے مذہبی پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی سے کسی نے سوال کیا کہ زید علم غیب کی دو قسمیں کرتا ہے۔ ذاتی عطائی ذاتی علم غیب تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ رہا عطائی اس معنی کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے یہاں زید کا کہنا درست ہے یا نہیں جس کے جواب میں موصوف نے ایک کتاب بنام حفظ الایمان لکھی جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو جانوروں اور چوپاؤں سے تشبیہ دیکر حضور کی شان ارفع و اعلیٰ میں کھلے بندوں توہین کی کتاب کی اصل عبارت پڑھئے۔

آپ کی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد کل غیب ہے یا بعض غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر (ہر عامی انسان) بلکہ ہر صبی (بچہ) و مجنون (پاگل) بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔

اس عبارت پر علمائے عرب و عجم کا گرفت یہ ہے کہ اس میں لفظ ایسا کے ذریعہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو جانوروں اور چوپاؤں سے تشبیہ دے کر حضور کی شان ارفع و اعلیٰ میں توہین کی گئی ہے اور توہین رسول کا مرتکب بالاتفاق کافر ہے۔ اس گرفت کو اٹھانے کے لئے مصنف سے لے کر ان کے متعمد وکلاء تک نے طرح طرح کی تاویلات پیش کی ہیں۔ ہم یہاں صرف دو تاویل نقل کرتے ہیں پڑھیے اور ان کی تضاد بیانی کا دلکش نظارہ ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی تاویل

مولوی اشرف علی تھانوی کے معتمد خلیفہ مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگوی نے عبارت مذکورہ کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ اس عبارت میں لفظ ایسا تشبیہ کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اتنا اور اس قدر کے معنی میں ہے اگر تشبیہ کے معنی میں ہوتا تو البتہ تکفیر کی وجہ نکل سکتی تھی اصل عبارت یوں ہے۔

واضح ہو کہ ایسا کا لفظ فقط مانند اور مثل ہی کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی اس قدر اور اتنے کے بھی آتے ہیں جو اس جگہ متعین ہیں۔ توضیح البیان ص۸ بحوالہ جام نور کلکتہ اکتوبر و نومبر ۲۰۰۸ء

دوسری تاویل

دیوبندیوں کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد صاحب نے زیر بحث عبارت کی تاویل میں کہا ہے کہ عبارت میں لفظ ایسا کے بجائے لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت البتہ یہ احتمال ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کو جانوروں کے علم کے برابر کر دیا۔
اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

جناب یہ تو ملاحظہ کیجئے کہ حضرت مولانا (تھانوی) عبارت میں لفظ ایسا فرما رہے ہیں لفظ اتنا ہوتا تو اس وقت یہ احتمال ہوتا کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کے علم کو اور چیزوں کے علم کے برابر کر دیا یہ محض جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ شہاب ثاقب ص۱۰۲

حفظ الایمان کی زیر بحث عبارت کی تاویل میں مولوی حسین احمد کہتے ہیں کہ یہاں لفظ ایسا تشبیہ کے لئے ہے اگر یہاں بجائے لفظ ایسا کے لفظ اتنا ہوتا تو البتہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ حضور علیہ السلام کے علم پاک کو جانوروں کے علم کے برابر کر دیا۔ جب کہ مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگوی کہتے ہیں کہ اس عبارت میں لفظ ایسا، اتنا کے معنی میں ہے اگر تشبیہ کے معنی میں ہوتا تو البتہ تکفیر کی وجہ نکل سکتی تھی۔

اس بیجا تاویل پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

اگر مولوی حسین احمد کی تاویل تسلیم کر لی جائے تو مولوی مرتضیٰ حسن کے نزدیک تھانوی صاحب کی تکفیر درست ہے۔ اور اگر مولوی مرتضیٰ حسن کی تاویل صحیح مانی جائے تو مولوی حسین احمد کے نزدیک یہ لازم آتا ہے کہ تھانوی صاحب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم پاک کو جانوروں کے علم کے برابر کر دیا اور چونکہ تھانوی صاحب نے اپنے دونوں وکیلوں میں سے کسی کی تردید نہیں کی لہذا دونوں تاویلیں اپنی اپنی جگہ صحیح اور دونوں ایک دوسرے کی تاویل پر تھانوی صاحب کے کفر پر متفق ہیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دیوبند اپنے گھر کی تضاد بیانی اور اپنے مسلمات سے گریز کے بارے میں۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب اشرفی اعظمی

صحابۂ کرام کا جذبۂ عشق رسول

کائنات عالم میں عشق و محبت کی نہ جانے کتنی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ تاریخ اپنی آغوش میں ہزاروں ارباب محبت کو سمیٹے ہوئے ہے شجرۂ محبت میں عشاق کی ایک طویل فہرست نظر آئے گی۔ مگر اس میں سے عاشقان مصطفےٰ کی محبت اپنے اندر ایک انفرادی شان نمایاں حیثیت اور جداگانہ انداز لئے ہوئے ہے اصحاب رسول کی زندگی سے محبت کی صحیح تعبیر ہوتی ہے ان کی لافانی محبت آج بھی تاریخ کے زریں صفحات پر سنہرے حرفوں میں ثبت ہے۔ اور اس کی تابناک حقیقت کو غیر بھی سراہتے ہیں۔ ان کی زندگی عشق رسول کا ایک ایسا مرقع ہے جس کے سامنے غیروں کی گردنیں بھی عقیدتمندانہ انداز سے خم ہیں۔ صدیق اکبر ہوں یا فاروق اعظم عثمان ذی النورین ہوں یا علی مرتضی عشرہ مبشرہ ہوں یا دیگر صحابہ ہر ایک کے دل سے محبت رسول کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ محبین کی اس مقدس جماعت نے عشق و محبت کی صحیح صورت کائنات کے سامنے پیش کرکے کتاب محبت میں ارباب محبت کیلئے ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ اس اجمال کی مختصر سی تفصیل ان کی زندگی کے آئینہ میں دیکھی جائے۔ تو استعارہ و کنایہ کے حجابات اٹھ جائیں گے اور ان کے جذبۂ عشق رسول کی مقدس داستان ابھر کر سامنے آجائے گی ——— صحابہ کرام میں سب سے سربلند خلفائے راشدین ہیں۔ اور جماعت خلفاء میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منارہ رفعت ہیں۔ آئیے سب سے پہلے انھیں کے جذبۂ عشق رسول کا جائزہ لیا جائے ———

فرزند صدیق اکبر حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں مشرکین مکہ کے ہمراہ کفار قریش کی

میں لشکر اسلام سے زور آزمائی میں مصروف تھے۔ مشرف باسلام ہونے کے بعد ایک روز شفیق باپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ پدر بزرگوار جنگ بدر میں ایک ساعت ایسی بھی آئی۔ کہ آپ میری تلوار کی زد میں آگئے تھے اگر میں چاہتا تو بڑی آسانی سے آپ کو تہ تیغ کر سکتا تھا لیکن رشتۂ ابوت نے میری کلائی تھام لی۔ اور میں نے آپ کی طرف سے صرف نظر کر لیا صدیق اکبر کے جذبۂ عشق نے انگڑائی لی۔ محبت رسول نے تیور بدلا۔ اور عشق رسول میں ڈوبی ہوئی ایک پر جلال آواز ابھری۔ وہ تمہارا کفر تھا جس نے تمہیں پدری رشتہ کی یاد دلائی۔ اور تمہارے جذبۂ مبارزت پر خونی رشتہ غالب ہو گیا۔ واللہ اگر میرے ساتھ یہی معاملہ پیش آتا اور تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو محبت رسول غالب آتی اور تلوار اپنا کام کر جاتی چشم فلک بھی دیکھ لیتی کہ رسول کی خاطر ایک شفیق باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کی گردن اڑا دی۔ (ابن عساکر)

قابل صد احترام ہے جذبۂ صدیق کہ دل کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے اور کائنات کو انگشت بدنداں کر دیتا ہے۔ صدیقی عشق رسول کی عظمت نرالی شان رکھتی ہے۔ مال اپنا ہوتا ہے مگر محبت کہتی ہے اسے اپنا نہ کہو اپنا تو صرف محبوب ہے۔ بقیہ سب کچھ محبوب کا ہے حضرت صدیق کے اس جذبے کی ترجمانی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کرتی ہے۔ ان کی روایت کے مطابق سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا۔ سرمایۂ ابوبکر سے زیادہ مجھے کسی کی دولت سے فائدہ نہیں پہونچا سرکار کے اس فرمان سے آتش محبت کو ہوا لگی اور دبی ہوئی چنگاری شعلہ جوالہ بن گئی۔ عشق صدیقی میں ہیجان برپا ہوا۔ اور دریائے محبت بشکل آنسو آنکھوں سے ابل پڑا۔ گریہ ساماں کرتے ہوئے عرض کیا۔ اے میرے آقا محبوب محب میں میرا اور تیرا کیسا میں بھی آپ کا اور میرا سب کچھ آپ کا۔ بہت پہلے ابوبکر کا تن من دھن سب آپ پر قربان ہو چکا ہے۔ اب ابوبکر کا حال کیا؟ (احمد)

اللہ اللہ یہ محبت صدیق کہ مال اپنا ہے مگر محبت کہتی ہے کہ اسے میرا نہ کہا جائے اگر محبوب بھی اس کو ابوبکر کا مال کہیں گے تو صدیق کا آبگینۂ دل ٹوٹ جائے گا۔ حضرت

صدیق کی زندگی کا ایک ایک لمحہ رضائے رسول اور عشق مصطفےٰ میں گذرتا تھا۔ آپ کی پسند و ناپسند بھی ہم آہنگ ہوئی تھی اس کا اندازہ ہم کو اس سے ہوتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کا ایمان قبول کرنا رسول کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور تھا اور دائرہ اسلام میں ان کا داخلہ رسول کی مسرت و شادمانی کا سبب اور انبساط و خوشی کا باعث تھا۔ سرکار آرزو فرماتے تھے کہ کاش چچا ابوطالب دولت ایمان سے ہمکنار ہو جائیں حضرت صدیق پر جب یہ حقیقت منکشف ہوئی تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔

یارسول اللہ قسم ہے اس ذات وحدہ لاشریک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ ابوطالب کا شرف ایمان سے مشرف ہونا میرے لئے میرے والد ابوقحافہ کے دائرہ اسلام میں آنے اور غلامی رسول قبول کرنے سے زیادہ عزیز و محبوب ہے کیونکہ مجھے وہی محبوب ہے جو سرکار کو محبوب ہے، مجھے وہی پسند ہے جو سرکار کو پسند ہے۔ میری ساری مسرت و شادمانی سرکار کی رضا سے وابستہ ہے۔ جب ابوطالب کا ایمان قبول کرنا سرکار کو عزیز ہے تو بھلا میں اسے ناپسند کرنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں (شفا شریف)

یہ تو تھا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبۂ عشق رسول ———

اب بالاختصار حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیے آپ کے جذبہ عشق رسول کی شگفتگی ایسی ہے کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے، ہوشمندی سر ٹیک دیتی ہے، خرد کی توانائی دم توڑ دیتی ہے کہ عشق و محبت کی ایسی دیوانگی تو کہیں نظر نہیں آتی حضرت فاروق اعظم بارگاہ رسالت میں حاضر ہیں اور عرض کر رہے ہیں۔ یارسول اللہ آپ مجھے میری عزیز جان کے علاوہ کائنات کی ہر نعمت سے زیادہ عزیز ہیں۔ ارشاد ہوا لن یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ۔ تم میں سے کوئی مومن کامل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اسے اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ عمر ابھی تمہاری محبت نامکمل ہے۔ اس میں کمال پیدا کرو۔ ارشاد نبی نے گردن فاروقی خم کر دی۔ اب عرض کرتے ہیں یارسول

اللہ اب تو آپ مجھے میری عزیز جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں (شفا شریف)

انسان کو ماں باپ اولاد عزیز و اقارب اور خونی رشتوں سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ اور اپنی جان تو ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے۔ دنیا میں جان سے زیادہ کوئی شے پیاری نہیں ہوتی مگر جذبہ فاروقی نے رسول کے لئے والدین سے منھ پھیر لیا۔ اولاد کو ٹھوکر مار دی عزیز و اقارب اور خونی رشتوں سے ناتا توڑ لیا۔ حتی کہ جان جیسی عزیز شے بھی محبوب کے قدموں میں ڈھیر کر دی یہ تمام چیزیں تو سرکار کے قدموں کی خاک ہیں۔ اور یارسول اللہ میرے لئے عزیز و محبوب تو صرف آپ ہیں۔ ہے کوئی دشت محبت کا شہسوار جو اس کی نظیر پیش کر سکے مجنوں اور فرہاد جیسے عشق و محبت میں مارے ہوئے آزمودہ کار بھی محبت فاروقی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کریں۔ ——— عشق فاروقی کا ایک اور منظر بھی قابل دید ہے

آپ حجر اسود کے سامنے کھڑے ہیں اور جوش محبت میں اس کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں۔ تو ایک پتھر ہے تجھ میں نفع و ضرر کی صلاحیت نہیں تیری ذات سے میرے لئے کوئی منفعت و مضرت نہیں۔ میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا، اگر میری آنکھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا۔ میں تجھے اس لئے چومتا ہوں کہ تجھے محبوب کے لبہائے مقدس مس ہوئے ہیں۔ نسبت رسول کی وجہ سے تجھے چوم رہا ہوں (شفا شریف)

محبت فاروقی کی جلوہ سامانی کا ایک اور دلکش پہلو بھی قابل دید ہے۔ آپ نے مقام ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا کر کے فرمایا۔ میری نگاہوں نے آقا کو حج کرتے ہوئے دیکھا میں نے بھی وہی کیا۔ آقا نے یہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی تھی۔ عشق نے مجبور کیا کہ عمر تم بھی یہاں اپنا سجدہ لٹاؤ۔ اس لئے اس دو رکعت کی ادائیگی ہوئی ہے (شفا شریف)

مختصر یہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت رسول بھی دشت محبت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے ——— اب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جذبہ عشق رسول کے کچھ ذرا سے پیش نظر ہیں۔ ——— صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے حضرت عثمان

ذی النورین رضی اللہ عنہ کو طواف کعبہ کی اجازت دیدی. عثمان اگر تم چاہو تو صرف تمہارے
لئے اجازت ہے تم کعبہ کا طواف کرسکتے ہو. مگر تمہارے رسول اور رفقا اس اجازت
سے مستثنیٰ ہیں. طواف کعبہ ایک عظیم عبادت ہے نصیبہ والوں کو یہ سعادت نصیب ہوتی
ہے. حضرت عثمان کی یہ خوش بختی ہے کہ انھیں طواف کی اجازت مل گئی انھیں طواف کر لینا
چاہئے. مگر محبت کہتی ہے. کہ محبوب نے ابھی طواف نہیں کیا ہے. تم طواف کروگے؟
نہیں نہیں بغیر محبوب کے طواف کرنے کا قصد بھی نہ کرنا. محبت کی اس آواز پر انھوں نے
قریش کو جواب دیا. میری غیرت ایمانی یہ گوارہ نہیں کرسکتی کہ رسول سے پہلے میں طواف
کروں. میں اس وقت تک ہرگز طواف نہیں کرسکتا. جب تک کہ سرکار طواف نہ فرما
لیں (شفا شریف) ——— عثمانی عشق و محبت کی ایک اور روایت سے کائنات دل
کو معمور کیجئے. آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو سھلہ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم نے
دیکھا کہ سرکار حضرت عثمان سے سرگوشی فرما رہے ہیں. آپ کے گوش اقدس میں کچھ ایسی
باتیں پہونچیں جس سے آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا. شگفتہ چہرہ پژمردہ ہوگیا. پھر
ایک زمانہ کے بعد وہ مہیب ساعت آئی. کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے ان
کے کاشانۂ اقدس میں محصور کردیا. ہم نے آپ سے عرض کیا. اب پانی سر سے اونچا ہوچکا
ہے. پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا ہے. اب ان کی سرکوبی کی اجازت دیجئے. آپ نے ارشاد
فرمایا. مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا. کیونکہ میرے آقا نے مجھے مقابلہ کی نہیں بلکہ صبر و شکر
کی وصیت فرمائی ہے. (بیہقی)

قابل توجہ ہے یہ امر کہ جان خطرے میں ہے. کھانا پانی بند ہے گھر سے باہر قدم
نہیں نکال سکتے. جان کو عظیم خطرہ لاحق ہے. آپ کو حکم دے دینا چاہیے تھا کہ ہاں ہاں
ان بلوائیوں کو روند ڈالو. صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کردو. مگر آپ ایسا کرنے سے
گریز کرتے ہیں. کیونکہ محبت کہتی ہے کہ چاہے جان چلی جائے مگر محبوب کی وصیت پر آنچ

نہ آنے پائے. آپ کا یہ جذبۂ عشق ہی تھا کہ رسول کے ایک اشارہ پر آپ نے اونٹوں
کی کثیر جماعت. دیناروں کے کھنکتے ہوئے ہزاروں سکے مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے زمین
اور بیر رومہ خرید کر قدم مصطفےٰ میں بچھا دیا. (مشکوٰۃ شریف) - غرض کہ حضرت عثمان غنی
رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی عشق رسول کا گلدستہ ہے. ——— مولائے کائنات حضرت
علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ بھی عشق رسول سے معمور ہے. ان کا ایک ہی فرمان
اتنی جامعیت کا حامل ہے کہ محبت کے تمام تجربے اس میں سمٹ آتے ہیں. آپ سے کسی
نے سوال کیا کہ آپ حضرات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کس انداز کی محبت کرتے تھے.
آپ کے جذبۂ عشق کے کیا تیور ہوئے تھے؟ ارشاد فرمایا لوگوں کو اپنا مال بہت عزیز ہوتا
ہے. مگر ہم رسول کے سامنے مال کو ٹھوکر مارتے تھے اپنی اولاد سے بے پناہ پیار ہوتا ہے
مگر ہماری اولاد رسول کی محبت کے بھینٹ چڑھتی تھی. والدین سے یک گونہ محبت ہوتی
ہے مگر محبت رسول کے سامنے والدین کی محبت بھی دم توڑتی نظر آئی. سخت پیاس کے وقت
ٹھنڈا پانی جتنا محبوب ہوتا ہے. اس کا اندازہ ایک پیاسا ہی کرسکتا ہے. مگر شدت
تشنگی میں رسول کو اختیار کرتے ہو یا فرحت بخش ٹھنڈے پانی کو. تو قسم ہے خدائے وحدہ لا
شریک کی ہم سکون بخش ٹھنڈے پانی کو ٹھوکر مار کر اپنی جان قربان کردیں گے. مگر ہم یہ بھی
گوارہ نہیں کرسکتے. کہ پانی رسول کو چھوڑ کر سرد پانی کی طرف نگاہ اٹھا دیں (شفا شریف)
خلفائے راشدین کے بعد دیگر صحابہ کی داستان عشق بھی ذہن نشین کرتے چلئے ——— حضرت
عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما گروہ صحابہ میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں آپ کا پیر
سُن ہوگیا ہے. آپ سے کہا گیا. کہ کائنات میں جو سب سے زیادہ آپ کو محبوب
ہو اُس کو پکاریے مرض سے نجات مل جائے گی. آپ نے فوراً پکارا یا
محمداہ. پکارتے ہی پیر درست ہوگیا. (نزہۃ الناظرین) حاضرین کے ذہن میں خونی رشتوں کی
طویل فہرست ابھر آئی ہوگی. لیکن آپ نے سب کو پس پشت ڈال دیا اور صرف رسول کو پکار کر اعلان کردیا کہ پوری کائنات

سب سے زیادہ محبوب سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ایک مقام پہ آپ کی محبت دیوانگی کے روپ میں نظر آتی ہے۔ آپ کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار ہے اور اونٹ کو کبھی اس گلی میں لیجاتے ہیں اور کبھی اُس گلی میں لے جاتے ہیں کبھی اُس گلی کو گذرگاہ بناتے ہیں کبھی ادھر کا رخ کرتے ہیں کبھی ادھر کا۔ ان سے سوال کیا گیا حضور والا یہ کیا ہو رہا ہے۔ ارشاد فرمایا یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم میں تو اتنا جانتا ہوں۔ کہ ایک روز میں نے اپنے آقا کو اسی انداز میں دیکھا تھا۔ محبت نے مجبور کیا کہ عبد اللہ محبوب کی اداؤں کو دھراؤ۔ اور میں سرکار کی اداؤں کی نقل کرنے لگا۔ (شفا شریف) جو لوگ آداب محبت سے بیگانہ ہیں۔ عشق کے تقاضوں سے ناآشنا ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زندگی کا ایک گوشہ انھیں دعوت فکر دیتا ہے۔ آپ اکثر و بیشتر ممبر رسول کے پاس کھڑے ہوتے۔ اور ممبر رسول پر رسول کے تشریف فرما ہونے کی جگہ ادب سے ہاتھ رکھتے اور پھرا سے اپنے چہرے پر مل لیتے تھے (شفا شریف)۔ عقل کہتی ہے کہ ایک ممبر کی کیا حیثیت ہے۔ لکڑی کا ڈھانچہ ہے۔ ادنی ادنی حقیقت رکھتا ہے جب وہ خود مقدس نہیں تو اس سے تقدس کیسے حاصل ہوگا۔ مگر محبت عبد اللہ کہتی ہے کہ اے رسول کے مقدس جسم سے نسبت ہے۔ مقدس سے نسبت رکھنے والا بھی مقدس ہوتا ہے۔ لہذا ایسی مقدس چیزوں سے تقدس حاصل کرو۔ محبت رسول میں آپ کی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ آپ ہمیشہ دباغت شدہ اور زرد رنگ کا کالا جوتا پہنتے تھے۔ کیونکہ آپ نے سرکار کو ہمیشہ ایسے ہی نعلین میں دیکھا تھا (شفا شریف) محبت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ چلتی پھرتی چیزوں میں بھی محبوب کی پسند مد نظر ہونا چاہئیے۔ ———— حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا جذبۂ عشق بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے ان کی دیوانگی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کے کاشانۂ اقدس پر سرکار کے قیام کے دوران میں گھر کے اندر جو کچھ پکتا سب رسول کی بارگاہ میں پیش ہو جاتا۔ سرکار اس میں سے حسب اشتہا تناول فرما لیتے تھے جب بچا ہوا کھانا گھر پہنچتا تھا تو رسول کے متوالوں کا حال قابل دید ہوتا تھا۔ عشق رسول میں سرشار خاندان کھانا

میں رسول کے نشان انگشت تلاش کر کے وہیں سے لقمہ لینے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک روز بارگاہ رسالت سے کھانا واپس آیا۔ نشانہائے انگشت کی تلاشی ہوئی۔ مگر ایک نشان بھی نہ ملا۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں مضطربانہ عرض کیا یا رسول اللہ آج آپ نے کھانا تناول نہیں فرمایا۔ خدانخواستہ طبیعت تو ناساز نہیں ہے رسول نے ارشاد فرمایا کھانا نہ کھانے کا سبب یہ ہے کہ آج کھانے میں کچا لہسن پڑا ہوا ہے اور کچا لہسن مجھے پسند نہیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ جب آپ کو کچا لہسن پسند نہیں تو میں بھی آج سے کبھی کچا لہسن استعمال نہیں کروں گا اور پھر انھوں نے زندگی کے آخر لمحہ تک کچے لہسن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ (جواہر البحار شریف)۔

عشق و محبت کی یہی وہ منزل ہے جہاں کھری کھوٹی محبت بے نقاب ہو جاتی ہے عقل کہتی ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کھانے پینے کے معاملہ میں بھی اپنی پسند کو رسول کی پسند کا پابند کیا جائے۔ اور محبت کہتی ہے کہ وہ عقل والوں کا شیوہ ہوگا۔ اصل محبت کا انداز فکر تو یہ ہے کہ محبوب کی ناپسند کی طرف نگاہ اٹھانا بھی توہین محبت ہے۔ لہسن حرام نہیں ناجائز نہیں۔ اس کے استعمال میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ مگر جب محبوب نے اسے ناپسند فرما دیا۔ تو محب کے لئے اس کا استعمال نازیبا ہے ————

حضرت زید ابن دثنہ رضی اللہ عنہ کی والہانہ محبت بھی تاریخ کے سینے میں ایک تابناک حیثیت رکھتی ہے۔ جب شہید کرنے کے لئے ان کو حدود حرم سے باہر نکالا گیا اور وہ مقتل میں پہونچے تو ابو سفیان ابن حرب نے کہا۔ زید اس وقت تمہارے دل میں یہ خواہش کروٹ لے رہی ہوگی کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری جگہ ہوتے۔ ان کی گردن زدنی ہوتی۔ اور تم اپنے اہل و عیال میں مصروف عیش ہوتے۔ محبت رسول کا متوالا تڑپ اٹھا حضرت زید مضطرب ہو گئے۔ ارشاد فرمایا۔ ابو سفیان اپنے پیشواؤں سے متعلق تمہارا یہ طریقۂ فکر ہو سکتا ہے۔ مگر میں تو یہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کہ رسول کسی

ایسی جگہ تشریف رکھیں جہاں آپ کے پائے مبارک میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے اور میں اپنے
خاندان میں آرام پذیر رہوں۔ قسم ہے خدائے ذوالجلال کی ہمیں سر کٹا دینا محبوب ہے،
مگر یہ گوارہ نہیں۔ کہ آقا کے قدم میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ اس ناقابل تردید حقیقت
کو دیکھ کر ابوسفیان نے بھی بے ساختہ کہدیا۔ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس انداز
کی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے ہیں ہم نے کسی کو بھی کسی سے اس انداز
محبت کرتے نہیں دیکھا (شفا شریف)

بروایت شفا شریف حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کائنات کی کوئی نعمت عزیز و محبوب نہیں ——

سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ کی محبت بھی
اپنے اندر ایک ندرت لئے ہوئے ہے۔ رسول سے جدائی آپ کے لئے ناقابل برداشت
ہوتی تھی۔ اگر کبھی رسول کو نہ دیکھتے تو بے قرار ہو جاتے تھے۔ ایک روز بارگاہ مصطفےٰ
میں عجیب انداز سے حاضری دیتے ہیں چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ حالت خستہ ہے
بشرے سے حزن و ملال پھوٹ رہا ہے۔ سرکار نے فرمایا ثوبان آج تمہارا انداز کیوں
بدلا ہوا ہے۔ خیریت تو ہے۔ چہرہ اترا ہوا کیوں نظر آرہا ہے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے
کوئی شکایت نہیں ہے میں کسی مرض کا شکار نہیں ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔
صرف یہ درد مجھے ستا رہا ہے کہ آقا کی زیارت نہیں ہو پاتی۔ جب دیدار کی تڑپ بڑھتی
ہے۔ دل بے قرار ہوتا ہے تو مضطربانہ حاضری کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ مگر اے میرے
آقا یہاں تو زیارت کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آتی ہے۔ آخرت کا خوف دامن گیر ہے
کہ وہاں سرکار انبیاء کرام کے ساتھ مقام رفیع میں جلوہ فرما ہوں گے۔ اور خوش نصیبی
سے اگر جنت میرے حصہ میں آگئی تو ادنیٰ مقام پر میں محدود رہوں گا۔ اور اگر خدانخواستہ
جنت ہی سے محروم ہوگیا تو پھر آقا کی زیارت کے شرف کی کیا صورت ہوگی؟ دونوں صورتوں

میں آپ کی زیارت سے ہمیشہ محرومی رہے گی۔ یہی فکر مجھے مبتلائے وحشت کئے ہوئے اس فکر
میں دبلا ہوتا جارہا ہے۔ محبت کے ماروں کی آرزو پوری نہ ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے، عشق
محبت کی یہ آہ باب اجابت تک پہونچ گئی۔ اور وہاں سے فوراً پیام مسرت بھی آگیا
من یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین
والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا۔

خدا و رسول کے اطاعت شعار بارگاہ خداوندی کے انعام یافتہ نبیین۔ صدیقین، شہداء
اور صالحین کے ہمراہ ہوں گے۔ سرکار نے حضرت ثوبان کو خدا کا یہ پیغام سنا دیا۔ گھبرانے کی
ضرورت نہیں۔ یہاں ساتھ ہو تو تمہاری محبت وہاں بھی تمہیں میری ہمراہی میں رکھے گی
(نزھۃ الناظرین)

جس صحابی پر نظر ڈالو وہ رسول کا جاں نثار نظر آتا ہے۔ ہمیں کوئی بھی ایسا نہیں ملتا
جس کے اندر جذبۂ محبت کی کارفرمائی نہ ہو۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا جذبۂ عشق
ملاحظہ ہو۔ آپ اپنی ٹوپی میں سرکار کے موئے مبارک عقیدت و محبت سے رکھتے تھے۔
ایک موقع پر میدان جنگ میں آپ کی ٹوپی سر سے گر گئی۔ عقیدت بھرا دل تڑپ اٹھا۔ ٹوپی میں
سرکار کے موئے مبارک ہیں کہیں اس پر کسی کا پیر نہ پڑ جائے۔ اگر ایسا ہوگیا تو پھر عقیدت
کی بڑی رسوائی ہو جائے گی۔ فوراً کسی خطرے کی پرواہ کئے بغیر جنگ کی طرف سے توجہ ہٹا
کر باز کی طرح ٹوپی پر جھپٹے اور عقیدت سے ٹوپی کو سر پر رکھ لیا۔ صحابہ کرام نے ان کے
اس فعل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اور تنقیداً کہہ بھی دیا۔ خالد یہ کہاں کی ہوش
مندی ہے کہ ایک معمولی سی ٹوپی کے لئے اپنے کو خطرات کے حوالہ کر دیا جائے۔ آپ نے
فرمایا ٹوپی کی وجہ سے یہ فعل مجھ سے سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ یہ محبت بھری حرکت تعظیم
رسول کی وجہ سے ہوئی ہے۔ میری معمولی ٹوپی میں رسول کے گرانقدر موئے مبارک تھے
میں نے سوچا موئے مبارک کی کہیں بے حرمتی نہ ہو جائے۔ کہیں اس کی برکت مجھ سے سلب نہ

ہو جائے۔ اس لئے جذبہ محبت نے اس حرکت پر مجبور کیا۔ اور موئے مبارک کی کہیں
بے حرمتی نہ ہو جائے۔ اور موئے مبارک کی حرمت کے تحفظ کے بدلے میں ٹوپی پر جھپٹ
پڑا۔ (شفا شریف) محبت بلالی آواز دیتی ہے۔ اب ذرا اس کی طرف اپنی توجہ مبذول
کیجیے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سخت بیمار ہیں۔ بچنے کے آثار مفقود ہو چکے ہیں۔ قریب مرگ
ہیں۔ عالم جانکنی کو دیکھ کر ان کی بیوی تڑپ اٹھیں۔ اور ان کی غم میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری
واحزناہ ہائے حزن وملال کہ رفیق زندگی ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ میری کائنات اجڑ رہی
ہے گوش بلال میں یہ درد بھری آواز پہونچی تو بے قرار اس کی تردید کی۔ غم کی کیا بات ہے
واطرباہ۔ وائے خوشیوں کا ہجوم کہ کل میں اپنے محبوب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور
ان کی محبوب جماعت کی زیارت کا شرف حاصل کروں گا۔ یہ تو مقام خوشی ہے کہ نہ کہ غم
(شفا شریف)

صحابۂ کرام کا جذبۂ عشق کبھی کبھی ایسی نرالی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ کہ دیکھنے والے
عش عش کر کے رہ جاتے تھے۔ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے سر میں پیشانی کے
اوپر بالوں کا ایک گچھا رہتا تھا۔ جب وہ اسے کھول کر اس میں کنگھا کرتے تو بالوں کی لٹ
زمین بوس ہو جاتی تھی۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ اسے کٹا کیوں نہیں دیتے۔ کیا اس
کی بقا میں کوئی حکمت مضمر ہے؟ انھوں نے کہا سبحان اللہ انھیں کٹانے کا مشورہ دیا جا
رہا ہے ان بالوں سے میرے آقا کے دست مبارک مس ہوئے ہیں۔ یہی تو میرے لئے
سرمایۂ آخرت ہیں۔ میں انھیں کٹانے کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں (شفا شریف)
———— صحابۂ کرام کے جذبۂ عشق رسول کے چند اور ترانے پیش قارئین
ہیں ——— حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ سرکار پیالے میں کدو
تلاش کر رہے ہیں۔ اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کدو تناول فرما رہے ہیں۔ سمجھ گئے کہ آقا
کو کدو غایت درجہ مرغوب ہے۔ اسی دن سے وہ بھی کدو کو پسند فرمانے لگے۔ اور ان کے

لئے کدو جیسی محبوب و مرغوب غذا کوئی نہ رہی (شفا شریف)

حضرت امام حسن بن علی۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ابن جعفر رضی اللہ عنہم
پر مشتمل ایک مقدس جماعت حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کے حضور حاضر ہوئی اور اس
خواہش کا اظہار کیا کہ آج آپ ایسا کھانا بنائیے جو سرکار کو مرغوب تھا تاکہ ہم بھی اپنی
اپنی مرغوب غذا بنالیں (شفا شریف) ———— عقیدت و محبت میں صحابی
عورتیں بھی صحابہ سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان کا جذبہ محبت بھی کتاب محبت میں ایک
نئے باب کا اضافہ کرتا ہے۔ جنگ احد میں ایک انصاری صحابیہ کے شوہر۔ والد۔ بھائی
رسول کے قدموں میں اپنی متاع زندگی ڈال کر منصب شہادت پر فائز ہو گئے۔ خونی
رشتے کی کتنی اہم اہم ہستیوں نے رفاقت توڑ دی۔ ان کا دل بے قرار ہے مگر باپ بھائی
اور شوہر کے لئے نہیں۔ بلکہ رسول خدا کے لئے انھیں معلوم ہے کہ ان حضرات
نے رفاقت سے منھ موڑ لیا ہے۔ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ مگر انھیں کوئی غم
نہیں ہے۔ اضطرابی ہے۔ تو رسول کی خیریت کے لئے صحابہ سے دریافت کیا میرے
آقا کس حال میں ہیں۔ مجھے محبوب کی خیریت سے آگاہ کرو۔ کہدیا گیا بحمد اللہ تمہاری
منشاء کے مطابق رسول خیریت سے ہیں۔ - - - - - - -
مگر بے قرار دل کو سکون نہیں - - - - - - - - -
ملتا۔ مجھے سرکار کو دکھاؤ۔ بغیر دیکھے محبت کی اضطرابی نہیں جائے گی۔ بغیر دیدار کے
قلب مضطر کو سکون نہیں ملے گا۔ صحابہ نے انھیں سرکار کی بارگاہ میں حاضر کر دیا۔ لو
محبوب سامنے ہیں خوب جی بھر کے زیارت کر لو۔ اس عاشق زار خاتون نے عقیدت محبت
کے گراں بہا جوہر بکھیر دئیے۔ شوہر شہید ہو گئے ہونے دو۔ باپ کی گردن کٹ گئی کوئی
غم نہیں۔ بھائی کا ساتھ چھوٹ گیا کوئی پرواہ نہیں۔ محبوب خیریت سے ہیں تو ہر مصیبت
دور ہے۔ آقا کی خیریت سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا خیریت ہو سکتی ہے۔

عورتیں بھی محبت رسول میں بالکل مردوں کے دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک اور صحابیہ کا جذبۂ عشق دعوت مطالعہ دیتا ہے۔ ایک صحابیہ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اضطرابِ قلب بڑھتی جارہی ہے۔ سوز محبت نے طبیعت کو بے چین کر رکھا ہے۔ زیارت رسول کے لئے دل تڑپ رہا ہے روضۂ رسول ہی دکھائیے تاکہ قلب مضطر کو سکون نصیب ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تسکین قلب کی خاطر قبر انور کھول دی۔ بارگاہ حسن میں عشق کی جولانیت دیکھئے۔ کہ حسن کی چوکھٹ پر عشق کا سر خم ہے۔ آنکھوں سے سیل محبت رواں ہے۔ محبوب کی جدائی میں گریہ سامانی ہو رہی ہے۔ اے اللہ اب یہ جدائی ناقابل برداشت ہے۔ مجھے میرے محبوب کے پاس پہونچا دے۔

سوز عشق نے بابِ اجابت کو کھٹکھٹا دیا۔ رحمت خداوندی جھومی اور عشق کی فریاد کو آغوش رحمت میں جگہ مل گئی۔ چشم عالم نے بھی دیکھ لیا کہ حسن کی بارگاہ میں ایک عاشق زار نے محبوب کی جدائی کی تاب نہ لا کر دم توڑ دیا۔ (شفا شریف) زمانِ مصر کو آواز دو آکر دیکھ جائیں ایک عاشق زار کے لاشہ کو۔ آج آستانۂ محبوب پہ جذبۂ عشق رسول کی ایک زندۂ جاوید مثال پڑی ہے جس کی لافانی حقیقت نے اربابِ خرد کے ہوش اڑا دیئے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ یہ تو انفرادی انداز سے صحابۂ کرام کا جذبۂ محبت پیش ہوا۔
اب اجتماعی روپ میں ان کی دیوانگی کا سوز و گداز ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت اسحاق تجیبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کے وصال کے بعد اصحاب رسول انتہائی خشوع کے ساتھ ذکر رسول کرتے تھے اور بوقت ذکر ہیبت سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور وہ محبت رسول میں اکثر گریہ سامانی کرتے تھے (شفا شریف)
یہ بھی محبت کا ایک انداز ہے کہ محبوب کا ذکر تعظیم و توقیر سے کیا جائے۔ اور توقیر رسول کو ایمانی جزو سمجھا جائے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اصحاب

رسول احترام محبوب میں بابِ رسول پر اپنے ناخنوں سے دستک دیتے تھے تاکہ سماعت محبوب پر گراں نہ گزرے (شفا شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے موئے مبارک اتروا رہے ہیں اور عاشقانِ رسول موئے مبارک کے حصول کے لئے پروانہ وار آپ کا طواف کر رہے ہیں۔ سرکار کے سر سے اگر ایک بھی موئے مبارک جدا ہوتا ہے تو کسی نہ کسی کے ہاتھ میں پڑتا ہے ایک بھی بال زمین پر گرنے نہیں پاتا۔ (شفا شریف) حضرت عروہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے جب سرکار کی بارگاہ میں پہونچے۔ تو دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے ہیں۔ اور اصحاب رسول ان کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ رسول کے پروانے چاروں طرف شمع رسالت کا طواف کر رہے ہیں جسم اقدس سے وضو کا پانی جدا بھی ہونے نہیں پاتا۔ کہ پروانے اسے اپنے چلوؤں میں روک لیتے ہیں کسی نے شوق محبت میں اپنا دامن پھیلا دیا ہے۔ تاکہ وضو کا غسالہ نصیب ہو جائے۔ وارفتگی کا یہ عالم ہے۔ کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانی کے حصول کے لئے آپس میں لڑ پڑیں گے۔

رسول لعاب دہن زمیں پہ ڈالتے ہیں۔ ناک صاف کرتے ہیں۔ مگر یہ جاں نثار اسے بھی زمین تک پہونچنے نہیں دیتے۔ بلکہ درمیان ہی سے اسے اچک لیتے ہیں۔ اور اس کو کوئی اپنے چہرے پر مل رہا ہے کوئی سینے پر مل رہا ہے کوئی جسم کے دیگر حصوں کو فیض پہونچا رہا ہے۔ آپ کا کوئی موئے مبارک اگر ٹوٹتا ہے تو یہ دیوانے اس کے حصول کے لئے آپس میں متصادم ہو جاتے ہیں رسول انھیں کوئی حکم دیتے ہیں۔ تو اس کی تعمیل کے لئے ہر شخص پیش قدمی کرتا ہے اور ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میرے ہی ہاتھوں یہ کام انجام پذیر ہو۔

جب وہ اپنے رسول کے حضور گفتگو کرتے ہیں۔ تو آواز پست رکھتے ہیں۔ رسول کی تعظیم و توقیر بجالانے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ رسول سے آنکھیں نہیں ملاتے بلکہ نگاہیں نیچی رکھتے ہیں۔ حضرت عروہ ابن مسعود دیوانگان رسول کی یہ دیوانگی دیکھتے جاتے تھے اور حیرت سے ان کی آنکھیں پھیلتی جاتی تھیں۔ اور پھر جب وہاں سے لوٹے تو بارگاہ رسالت کے عقیدت کیشوں کے والہانہ عشق و محبت کی چھاپ ان کے دل و دماغ پر کچھ ایسی پڑی کہ قریش کے سامنے اپنے دلی تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اے جماعت قریش قیصر و کسریٰ کے درباروں کو میں نے دیکھا ہے۔ نجاشی کے دربار کی عظمت سے میں خوب واقف ہوں۔ سلاطین عالم کے درباروں کی نخوت سے میری آنکھیں آشنا ہیں۔ مگر قسم ہے خدائے ذوالجلال کی۔ بارگاہ مصطفیٰ کی عظمت ہی نرالی ہے۔

کسی شہنشاہ کے حواری اس کی تعظیم و توقیر ایسی نہیں کر سکتے۔ جیسی اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رسول کی کرتے ہیں۔ (بخاری شریف)

صحابہ کرام کا یہی جذبۂ عشق رسول ہے تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے غیر بھی ان کے جذبۂ محبت کی بالاتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ دشمنوں کے قلب و روح بھی ان کی دیوانگی سے متاثر ہیں۔ اسی جذبہ کو لے کر وہ اٹھے تو کائنات عالم پر چھا گئے۔ عظمت کائنات ان کی ٹھوکروں میں آگئی۔ دنیاوی فر و شوکت ان کے قدموں تلے بچھ گئی۔

حضرت مولانا سید شمیم احمد صاحب گوہر الہ آبادی

بشریت کی روشنی میں ورود انبیاء کا حقیقی پس منظر

سرزمین گیتی پر ورود انبیاء کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ پروردگار حقیقی نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کے اس تسلسل کو کیوں جاری رکھا یا اس کی بنیادی حکمت و مصلحت کیا تھی؟ اس کی حقیقت اور حقیقت کا پس منظر جب تک ذہن نشین نہ کر لیا جائے ان اعتراضات کا رد ناممکن ہو جائے گا جو کفار عرب اور کفار انطاکیہ کیا کرتے تھے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ کفر و الحاد کا بھیانک بازار ہر زمانے میں گرم رہا ہے لوگ خداوند قدوس کی حقانیت سے یکسر بے نیاز و غافل تھے جس نے پر بھی عقیدہ جما دیئے اس کی پوجا شروع کر دیتے۔ یہی ان کا نصب العین بن کر رہ گیا تھا گو آدم علیہ السلام کے عہد میں ان کیفیات شکستہ کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں رہا جس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ آدم علیہ السلام کے دور میں انسانی آبادی بہت ہی مختصر تھی اور دنیا کی دنیاوی لذتیں پوری طرح منکشف بھی نہ ہو سکی تھیں اس بنا پر گمراہیوں کو پنپنے کے کم مواقع ملے ورنہ جیسا کہ بعد کے زمانوں میں یہ غیر منظم نقشہ دیکھا گیا ایام آغاز میں بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اولین کے دور

میں تبلیغ و دعوت سے متعلق وہ امتحانات بھی نہیں لئے گئے جتنا کہ دیگر انبیائے کرام کے زمانہ میں لئے گئے۔ تاہم وحی الٰہی کے ذریعہ آدم علیہ السلام اپنی ذراریت قبیلے کی اصلاح ضرور فرماتے رہے تھے مگر تنہا نہیں سرگرمیوں کی مکمل فضا نہیں قائم ہو سکی تھی۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام کا زمانہ ختم ہوا اور انسانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہونے لگا تو بے دینی کے شعلے بھی اسی قدر بھڑکنا شروع ہو گئے۔ اور نتیجہ کے طور پر ہر چہار سو کفر و الحاد کے بے تحاشا بادل چھانے لگے۔ ظاہر ہے جہاں اللہ کا کوئی حق شناس بندہ نہ ہوگا اس ماحول کی اور کیا صورت حال ہو سکتی تھی۔ خدائے تعالیٰ کے پیش نظر یہ تمام ماحول شدہ تہ موجود تھے اس کی غیرت کو کب برداشت ہو سکتا تھا کہ ہمارے بندے گمراہی کی سیاہ طوق لٹکائے پھریں اور ہماری الوہیت سے غافل و بے خبر رہ جائیں لہٰذا اس نے انسانی رشد و ہدایت کی خاطر باقاعدہ طور سے یعنی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے ورودِ انبیاء فرمانا شروع کر دیا اور وہ بھی اسی بشری کیفیت و ہیئت کے ساتھ جس طرح کہ ایک عام انسان کی کیفیت و ہیئت ہوا کرتی ہے اس کا بنیادی مفاد بھی یہی تھا کہ عوام اپنے فطری انداز و مزاج کی روشنی میں انبیاء کرام کی صداقت کو آسانی سے تسلیم کر سکیں ورنہ دوسری کیفیت و ہیئت کے تحت ممکن ہو سکتا تھا کہ فطری مزاج و مذاق یا فطری فضائل قبول کرنے سے عاجز رہ جاتے یا خود کو عاجز و قرار دیتے اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے چنانچہ ورود انبیاء کے باوجود بھی کفر و ضلالت میں کوئی کمی نہ آئی بلکہ طرح طرح کے بے بنیاد الزامات انبیائے کرام پر ہمیشہ عائد کرتے رہے یہی سلسلہ عہد محمدی تک جاری رہا۔

ورود انبیاء کے سلسلے میں اس نوعیت کے اختراع کو آفرینیوں کی کیفیت و ہیئت یا ان کے حالات زندگی کے متعدد شعبے عام انسانوں کے ہم شکل کیونکر ہو سکتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ قطع گمراہی کے لئے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی تخلیق کچھ ایسی انفرادیت

یا فوق البشر ہستی کی صورت میں کی جاتی جو بشری مشابہت یا انسانی حواس کے قطعی مختلف ہوتی۔ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جس طرح ایک عام انسان کھاتا پیتا ہے اور ہنستا بولتا ہے یہی طریقہ خدا کے نبیوں کے ساتھ بھی کیسے منسلک ہو سکتا ہے کم از کم نبیوں کو تو ایسی خاص انفرادیت کی روشنی میں جینا چاہیے تھا جو عوامی نقل و حرکت سے بہرحال ممتاز ہوتی اس قسم کی کفری ذہنیت بارہا وجود میں آئی خصوصاً قرون انبیاء میں اس کا دائرہ بے حد وسیع تھا قرآن حکیم میں اس کی مثالیں بھی موجود ہیں لیکن لمحۂ فکریہ ہے کہ آیا بشری مشابہت کو قائم رکھتے ہوئے اس کے زیر اثر ورودِ انبیاء میں وہ کون کونسی روحانی مصلحتیں مضمر ہیں جن سے صداقت کا پتہ چلتا ہے یہ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی اور اگر کی بھی گئی تو ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ وہاں اصل معاملہ تو یہ بھی تھا کہ جب ہمارے آبا و اجداد نے ایسے ہم شکل انسانوں کی فکر نہیں کی تو ہم لوگوں کو کیا پڑی ہے

قرون اولیٰ سے لیکر عہد محمدی تک یہی کیفیت جاری رہی حتیٰ کہ ابوجہل تک بھی اپنے خاندانی عقیدے کی بنیاد پر مرا (ویسے عہد محمدی میں اسلام کو جس قدر بھرپور تقویت پہونچی ہے کسی دور میں نہیں پہونچی) لیکن یہاں یہ ہمارا مقصد اس زمانے سے ہے جس زمانہ میں لوگ عموماً انبیاء کرام پر یہ بہتان لگایا کرتے تھے اور اپنی جیسی مثال دے کر اپنا ہی قد اونچا کرنے کی فکر میں لگے رہا کرتے تھے۔ مثلاً

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَکْذِبُوْنَ۔ (پیغمبروں کی تقریر سن کر اہل انطاکیہ بولے) کہ تم (اور کچھ) نہیں مگر ہماری طرح کے آدمی ہو۔ اور خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی تم محض جھوٹ بولتے ہو

حضرت ہود علیہ السلام کے بارے میں قَالُوْا یٰھُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِکِیْٓ اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِکَ وَمَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا

اعتراك بعض آلهتنا بسوء = وہ لوگ) کہنے لگے اے ہود تو کوئی نشانی ہمارے پاس نہیں لایا۔ (جس کو ہم تجھ کو سچا سمجھیں) اور ہم تو تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تیری بات ماننے والے ہیں ہم تو بس یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ = (جب حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو دعوت حق دینے لگے تو قوم کے سردار اپنی قوم سے کہنے لگے یہ ہے کیا؟ تم جیسا ایک آدمی ہے بس اس کا مطلب یہ ہے (کسی طرح) ہمارا بڑا بن جائے اور اگر (واقعی) اللہ تعالیٰ (کسی کو پیغمبر بنا کر) بھیجنا چاہتا تو فرشتے اتارتا ہم تو ایسی بات اپنے اگلے آباؤ اجداد سے بھی نہیں سُنی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں۔ قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ = (اہل کفر) بولے ہم نے تمھیں نامبارک پایا اگر تم (وعظ و نصیحت سے) باز نہ آؤ گے تو ہم تمھیں سنگسار کر دیں گے اور یقیناً تم کو ہماری طرف سے دردناک تکلیف پہونچے گی ——— اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں فرعون نے بھی طرح طرح کے الزامات عائد کئے تھے اور آخر کار ہمارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک کو بھی کاہن، مجنون اور جادوگر بنایا اور جھٹلایا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اُس دور میں ایسا کون سا جذبہ کام کرنے پر مجبور تھا اور ایسی کون سی ذہنیت پروان چڑھتی جا رہی تھی جو بانگ دہل پیغمبر دل

کی خلاف ورزی کرنے پر آمادہ تھی۔ دعوت حق پر ایمان نہ لانا تو ایک الگ بات تھی مگر خدا کے پیغمبر ہونے تک کو جھٹلا دینا وہ بھی محض اس بنیاد پر کہ اپنے آپ کو خدا کا پیغمبر ثابت کرنے والی مخلوق بشری شکل میں کیسے ہو سکتی ہے۔ واقعی مضحکہ خیز ہے کافروں کے اسی جذبہ کی روشنی میں مفسرین رقمطراز ہیں کہ سنہ ۶۱۰ء تک عام طور پر بت پرستوں کا یہی عقیدہ رہا کہ انسان خدا کا رسول یا نائب خدا ہرگز نہیں بن سکتا۔ اصلاح کائنات کے لئے جب کبھی ضرورت ہوتی ہے تو خدا خود انسان کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے یا کسی فرشتے کو بھیج دیتا ہے اور یہ کہ جتنے بھی بزرگ دنیا میں اصلاح کے لئے آئے ہیں وہ سب کے سب فوق البشر ہستی تھے اسی عقیدہ کے تحت وہ پیغمبران خدا کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ ذہنی عمل تھا کہ جب کبھی اللہ کا کوئی مقدس بندہ لوگوں کو پیغام حق سنانے آتا تو سب پہلے وہ یہی سوال کرتے کہ آخر یہ کیسا نبی ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا سوتا اور چلتا پھرتا ہے اور کیسا پیغمبر ہے کہ ہماری طرح اسے بھی عارضے لاحق ہوتے ہیں۔ بیمار ہوتا ہے تکلیف و راحت میں مبتلا ہوتا ہے اور رنج و مسرت میں بھی مزے لیتا ہے۔ اگر خدا کو ہماری ہدایت مقصود ہوتی تو وہ ہم جیسا ایک کمزور انسان کو کیوں بھیجتا۔ کیا خدا خود نہیں آسکتا تھا؟ یا وہ کسی فوق البشر ہستی کو نہیں بھیج سکتا تھا۔

یہاں پر دو اہم اعتراضات جو پیغمبروں کی ہم شکلی اور نزول فرشتگان سے متعلق ہیں ان کی توضیح یوں ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے تو مقلوج ذہنیت والوں کو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ ایک بشری حیثیت والے پیغمبر کا قول و فعل اور اس کا طریقۂ عمل جن کا صدور عام انسانوں کی صحبتوں میں رہتے ہوئے ہوتا رہا اس کو جس بشری فطرت کی روشنی میں پرکھا سمجھا جا سکتا تھا۔ کیا فوق البشر ہستی کے ہر پہلو کو اسی انداز

کے ساتھ سمجھا جانا ممکن ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر اگر پیغمبروں کی بجائے فرشتگان خدا ہی کا نزول ہوا کرتا تو ان پر ایمان لانے یا ان کو اچھی طرح پرکھنے سمجھنے کے لئے کیا صورت ہو سکتی تھی؟ جبکہ وہ جسمانیت اور اکل و شرب سے قطعی طور سے بے نیاز ہیں اس کے علاوہ وہ نظروں سے پوشیدہ بھی رہتے ہیں اور اگر مانا اجنبی شہری کیفیت میں زندہ رہنے کی طاقت دے بھی دی جاتی تو پھر یہ اعتراض بھی مہمل رہ جاتا ہے کہ وہ انسانوں سے پوشیدہ کیوں ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایسی گمراہ ذہنیت کے پیش نظر فرشتوں کی امتیازی شان کا کایا ہی پلٹ کر رکھ دیا جاتا (نعوذ باللہ) اس کے علاوہ دوسرے رُخ سے یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ صداقت کے عملی کارنامے کس قدر خطرے میں پڑ جاتے اور پھر یہ غیر ممکن تھا کہ فرشتے بھی ان کے الزامات و اعتراضات سے محفوظ رہ جاتے۔ مثلاً جب ابراہیم علیہ السلام کو آتش کدہ نمرود میں ڈالا جا رہا تھا تو انھیں چاہیئے تھا کہ آگ سے بچنے کے لئے پوشیدہ ہو جاتے مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ انھیں آگ میں ڈالا لیکن آگ خود سرد پڑ جاتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صاف بچ جاتے ہیں۔ اب اگر ایسے نازک موقع پر وہ ملکی اوصاف کے تحت پوشیدہ ہو جاتے تو ظاہر ہے حقانیت بے دلیل رہ جاتی چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ایک واقعہ سے صداقت کا والہانہ طور سے انکشاف ہو جاتا ہے کہ انسانی شکل میں ہونے کے باوجود آتش نمرود کچھ نہ بگاڑ سکی۔ کیا برحق ہونے کی یہ بے نظیر مثال نہیں کہ ہم مثلِ انگشت بدنداں ہو کر رہ گئی پھر آخر فرشتوں کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے ظاہر ہے اگر پیغمبر ملکی صورت میں ہوتے تو اس نازک موقع پر قطعی الزام عائد ہو جاتا جب ابراہیم علیہ السلام اپنے آگ میں ڈالے جانے سے پوشیدہ ہو جاتے واضح ہوا کہ جتنا فائدہ بشری انداز سے پہونچ سکتا تھا اتنا فوق البشر ہستی سے نہیں پہونچ سکتا

تھا۔ اس سلسلے میں خداوند قدوس خود ارشاد فرماتا ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے انسان ہی زیادہ موزوں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر کا فرض صرف یہی نہیں کہ وہ تقریر کرے بلکہ خود عمل کر کے دکھانا اور پیروی کے لئے ایک نمونہ پیش کرنا بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔ اور اگر اسی مقصد کے لئے کوئی فرشتہ بھیجا جائے (جس میں بشری خصوصیات موجود نہ ہوں) تو انسان کہہ سکتا ہے کہ ہم اس کی طرح کیونکر عمل کر سکتے ہیں جبکہ وہ ہماری طرح نفس اور نفسانی خواہشات ہی نہیں رکھتا اور اسکی فطرت میں وہ قوتیں ہی نہیں ہیں جو انسان کو گناہ کی طرف راغب کرتی ہیں چنانچہ اسی لئے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے انسانوں کی اصلاح کے لئے انسان ہی کو منصب ہدایت پر سرفراز کیا لیکن کفار چونکہ عقل سلیم سے کام ہی نہیں لیتے اس لئے اعتراضات کیا کرتے ہیں۔

اس حقیقت کی روشنی میں بات کلی طور سے سمجھ میں آتی ہے کہ ایک انسان جس طرح اپنے ہی جیسے کی بات قبول کر سکتا ہے یا کوئی پیغمبر جس قدر اپنے بشری کارناموں اور عملی سرگرمیوں کے تحت متاثر کر کے صداقت کا پرچار کر سکتا تھا۔ دوسری کوئی بھی صورت اس سلسلے میں موزوں نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا دنیا کی ہدایت کے لئے ورود انبیاء ہی کا تسلسل برحق تھا اور بشری فطرت کے عین مطابق جس کے ہر زاویے پر سر جھکا دینا مقتضاء ایمان ہے مگر اس کو کیا کیجئے کہ پیغمبروں کی ہزار رشد و ہدایت کے باوجود بھی کفر و الحاد کا طوق لٹکائے پھرے اور ایمان نہ لائے۔

حضرت مولانا ابو الفرح صاحب رجھتی چترہ

اسلام اور کمیونزم

عام تجربات اور روزمرہ کے مشاہدات کی روشنی میں بے جھجک اور بے خوف و خطر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں جب بھی سچ اور جھوٹ، حق اور باطل، امانت اور خیانت، سعادت اور شقاوت، شرافت اور رذالت، لطافت اور کثافت اور اطاعت اور بغاوت کی آویزش ہوئی ہے تو فتح سچ کی ہوئی — جھوٹ کی نہیں حق کی کرنیں چمکی ہیں باطل کی نہیں امانت کا ڈنکا بجا ہے۔ خیانت کا نہیں سعادت نے سر پر تاج رکھا ہے شقاوت نے نہیں شرافت کا نقارہ بجا ہے رذالت کا نہیں، لطافت نے دل و دماغ کے گوشوں میں جگہ پائی ہے کثافت نے نہیں، اور اطاعت سر بلند اور سرفراز ہوئی ہے بغاوت نہیں! —

اس کی وجہ یہ ہے کہ سچائی، حق، امانت، سعادت، شرافت، لطافت اور اطاعت ہی بنی آدم کا طرہ امتیاز ہے خود خالق عالم بھی اس کے ان اوصاف سے متصف ہونے پر فرماتا ہے، "ولقد کرمنا بنی آدم"، اور جب ذرا آگے بڑھتے ہیں تو پھر یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ قدرت نے تخلیق انسانی کو علمہ البیان سے سرفراز کرتے ہوئے ساری مخلوقات پر فوقیت دے کر اسے واضح کر دیا ہے کہ حسن خلق کا پیکر سوائے اولاد آدم کے دوسرا نہیں ہو سکتا۔

اہل علم اور اہل دانش کے علاوہ کسی اجڈ، جاہل اور گنوار آدمی سے بھی اگر یہ پوچھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں کس کا درجہ بلند ہے؟ تو یقین جانئے

وہ دماغ پر زور ڈالے بغیر بڑی آسانی سے کہہ دے گا "آدمی"! — کیونکہ وہ اپنی فکر و نظر کی تمام سمتوں میں جب اللہ تعالیٰ مخلوقات پر نظر ڈالتا ہے تو اسے سوائے آدمی کے اور کوئی بھی اس سے اعلیٰ اور افضل دکھائی نہیں دیتا!

دین فطرت کے داعیان علیہم الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے زمانہ دعوت میں انسانوں کو خلق و مروت کا پیکر بننے اور انسانی عظمت اور وقار کے سمجھنے اور اس سمجھ کے بعد اسے برقرار رکھنے کے لئے ہی فکری، نظری اور عملی تعلیم دی۔ جنہوں نے ان کا کہا مانا وہی صحیح معنوں میں اس انسانی معاشرہ کے افراد کہلائے اور دنیا نے ان کی پیروی کی۔

جب منصب نبوت کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے سرفرازی ملی تو اس پیکر خلق عظیم نے سب سے پہلے "اللہ" کا تصور اس طرح کرایا کہ وہی سب سے بزرگ اور برتر ہے، وہی سبھوں کا خالق ہے اور ایک نہ ایک دن اسی کے پاس جانا ہے! اس لئے نظام حیات ایسا ہو جس میں نہ تو انسانوں کی ذات پات، رنگ، نسل، ملک اور قوم کی کوئی قید ہو اور نہ ہی ان کی آزادی میں غلامی کا شائبہ بھی آ سکے! بلکہ صحیح معنوں میں "مساوات" رہے چاہے ان کا شہری حق ہو یا سیاسی ہو یا معاشی! اس نظام حیات کا تقاضہ اور مقصد وحید صرف انسانیت کی فلاح و بہبود ہونا چاہئے۔

چنانچہ تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد ہیں کہ اس (اسلامی) نظام حیات کا کوئی گوشہ اس خصوصیت سے خالی نہیں ہے۔ انسانوں کے شہری، سیاسی اور معاشی حقوق چاہے ذاتی یعنی انفرادی ہوں یا اجتماعی ہر ایک کی روح وہی انسانیت کی فلاح و بہبود ہے! ہاں اگر کوئی شرط ہے تو یہ کہ دائرہ "اعتدال" سے باہر نہ ہو۔

مثال کے طور پر یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ ایمان بالغیب کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اسی بنا پر اسے "عماد دین" کہا گیا ہے مگر یہ حکم نہیں ہے کہ دن رات کے چوبیسوں گھنٹے صرف نماز ہی میں مشغول رہیں بلکہ فرمان ہے ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتاً —

روزوں کے لئے بارہ مہینوں میں سے صرف ایک مہینہ اب کھانے اور پینے کے لئے عام اجازت "کلوا واشربوا" کہ ساری حلال چیزیں کھاؤ پیو مگر "ولا تسرفوا" ______
صدقہ اور خیرات کا بھی حکم ہے مگر "ولا تبسطها کل البسط۔"

اسی طرح اور دوسرے اوامر کے متعلق بھی ہے جس کی تفصیل میں جانے کے لئے چونکہ رسالہ کے صفحات متحمل نہیں ہو سکیں گے، اس لئے اسے یہیں چھوڑتا ہوں مگر اس ضمن میں اتنا عرض کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ ہر ایک کے لئے "اعتدال" کی قید لگی ہوئی ہے جس کی غرض صرف یہی ہے کہ اسلام کا تصور راتی اور اجتماعی نظام درہم برہم نہ ہونے پائے اور ہر فرد اپنی علمی عقلی ذہنی اور جسمانی طاقتوں اور صلاحیتوں کا پورے طور سے استعمال کرے اور اس سے خود بھی متمتع اور مستفید ہو اور دوسروں کو بھی نہ صرف متمتع اور مستفید کرے بلکہ ان میں بھی اپنی ان گوناگوں صلاحیتوں کو کام میں لانے کی لگن پیدا ہو اور وہ ایک مثالی معاشرہ اور مثالی نظام حیات کے مثالی افراد ہو سکیں

اسلام کے معاشی نظام میں ایسی سرمایہ داری (اپنی ضرورت سے فاضل بچی ہوئی دولت جس کے حصول میں حرام اور ناجائز ذرائع مثلاً سود بٹہ در سود، احتکار (ضرورت کی چیزوں کو اس لئے روک رکھنا کہ ان کی قیمتیں گراں ہو جائیں۔ بددیانتی اور بے ایمانی وغیرہ استعمال نہیں کئے گئے ہوں) وہ بالکل جائز ہے اور اسلام کبھی بھی ایسی سرمایہ داری کے خلاف نہیں! ______ لیکن یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اسلامی سرمایہ دار کا "سرمایہ" جیوں کا تیوں نہیں رہ سکتا اور نہ ہی وہ صرف بڑھتا ہی رہے گا کیونکہ جہاں پورے ایک سال کی مدت گذر رہے گی سرمایہ دار کو اس سرمایہ کی مجموعی رقم میں ڈھائی فی صد یعنی ہر سو روپے پر ڈھائی روپے کے حساب سے زکوٰۃ دینا ہوگی۔ اور اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرنا ہوگا۔ اگر نہیں کیا تو سنئے فرمان باری! "والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم" (جو لوگ سونے اور چاندی کے ڈھیر جمع کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ

نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے) ______
اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ زکوٰۃ کا یہ کیا حکم ہے؟ یہ ایسا اٹل ہے کہ اگر کوئی مسلمان زکوٰۃ کی ادائیگی میں "ٹال مٹول" کرے اور اس سے انکار کرے تو حاکم وقت اس سے جہاد کرنے کا مجاز ہے! ______ دوسری بات جو اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ یہ سرمایہ اسی وقت تک اکٹھا رہے گا جب تک اس کا حاصل کرنے والا زندہ رہے گا، اس کے مرتے ہی اس کا سارا سرمایہ اس کے وارثوں میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر یہ اصول نہیں بنایا جاتا تو باپ کے بعد اس کا بڑا بیٹا اور پھر اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا (جیسا کہ جاگیردارانہ نظام کا عام دستور ہے) اس سرمایہ کا مالک اور مجاز ہوتا اور اسلام میں جاگیردارانہ نظام رواج پا جاتا جو اسلامی نظام معاش کی روح کے بالکل منافی ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان سنئے "کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم" (تاکہ دولت تم میں سے دولت مندوں کے درمیان محصور ہو کر نہ رہ جائے)

مختصر یہ کہ چونکہ اسلامی نظام اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا ہے اس لئے اس میں انفرادی اور اجتماعی آزادی ہے اور یہ آزادی نہ صرف اس کی ذہنی اور جسمانی نشوونما کے لئے ہے بلکہ اس کے شہری، سیاسی اور معاشی حقوق کو بھی حاصل ہے مگر وہ "سواء السبیل" (راہ اعتدال) سے ایک انچ بھی ہٹ کر نہیں! ____ اسی لئے یہ آسان، سہل الحصول، قابل قبول، آفاقی، ہمہ گیر، عالمگیر، پائدار اور ٹھوس ہے اور رہے گا! لیکن اس کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے ایک اللہ کا تصور کرنا ہوگا اور حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی عالم اور رحمت عالم ماننا ہوگا اور امور معاد سزا و جزا پر یقین کامل رکھنا ہوگا

اسلامی نظام حیات پر طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد اب مناسب یہ ہے کہ اشتمالی اصولوں پر ترتیب دیئے ہوئے نظام حیات کا سرسری جائزہ لیا جائے تاکہ عام طور سے ہمارے نوجوانوں میں جو بے راہ روی آتی جا رہی ہے اس کا سد باب ہو سکے۔ بالفرض

محال اگر پورا سدباب نہ بھی ہوسکے تو کم سے کم اتنا تو ضرور ہو کہ اس ناچیز راقم جیسے اپنی
عملی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا اقرار ہے، کے ذمہ جو فرض ہے وہ تو ادا ہو جائے!
اشتمالی نظام حیات کو پیش کرنے سے پہلے اس کی ترتیب و تدوین کے محرکات کا پیش
کرنا غالباً نامناسب نہ ہوگا۔

صنعتی انقلاب (سنہ ۱۷۶۰ء) سے پہلے مغربی ممالک میں بادشاہ مطلق العنان
اور بے فکر ہوتے ہی تھے عیش و آرام میں بھی اتنے ڈوبے رہتے تھے کہ انھیں اپنی
رعایا کے دکھ درد کی بھی بالکل پرواہ نہ تھی، اپنا خزانہ ہمیشہ بھرا پُرا رکھنے کے لئے ماتحتوں
زمین داروں اور رئیسوں کو اپنا آلۂ کار بنا رکھا تھا، جو رعایا سے قہر و جبر کرکے کافی رقم
وصول کرتے مگر بادشاہ کو ایک مقررہ رقم دے دیا کرتے تھے۔ مذہبی امور کے سلسلہ میں
رعایا کو چرچ کے پادریوں کے پنجہ میں چار و ناچار پھنسنا پڑتا تھا اور یہ پادری طرح طرح
کے حیلے اور بہانے کرکے کافی رقم اینٹھتے اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ عیش اور
آرام کی زندگی گزارتے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ ان پادریوں کی بھی دو قسمیں تھیں ایک
امیر اور ایک غریب! غریب پادری بھی امیر پادریوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔
اب اسے دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ بادشاہ، سلاطین اور امیر پادری بڑی شان و
شوکت اور عیش و آرام کے ساتھ زندگی گذارتے تھے لیکن تکلیف اور مصیبت اور عسرت و
تنگ دستی صرف بے چارے تاجر، مزدور، عوام اور دوسرے درجہ کے پادریوں کی قسمت
میں لکھی ہوئی تھی۔

صنعتی انقلاب کے بعد جب خام اشیاء سے کافی سے زیادہ چیزیں تیار
ہونے لگیں اور ان چیزوں کی منہ مانگی قیمتیں، صنعت کاروں کے گھر جانے کے بدلے
کارخانہ داروں اور مل کے مالکوں کے پاس جانے لگیں تو سرمایہ داری اپنے نقطۂ عروج
پہ پہنچ گئی اور مزدوروں اور عام جنتا کی حالت بد سے بدتر ہوگئی سرمایہ داران غریبوں

کو اپنے مکر و فریب اور ظلم و ستم کے نت نئے اوزاروں سے اس بری طرح کچلنے لگے کہ
انسانیت کی روح کانپنے لگی اور ستم بالائے ستم یہ کہ نہ ان کا کوئی فریادرس تھا اور نہ ہی
پشت پناہ! اس لئے ان کی زندگی واقعی اجیرن بنی ہوئی تھی، آخر امید کی کرن نمودار ہوئی
اور مزدوروں میں عام بیداری کی لہر دوڑ گئی کیونکہ ان کے (مزدوروں کے) بظاہر سر
پرست اور ہمدرد یکے بعد دیگرے نمودار ہونے لگے مثلاً سیمون SIMON (۱۷۶۰ء -
۱۸۲۵ء) فوریر FOURIER (۱۷۷۲ - ۱۸۳۷ء) رابرٹ اون
ROBERT OWEN (۱۷۷۱ - ۱۸۵۱ء) لوئی بلان BLANCE
LOUIS (۱۸۱۳ - ۱۸۸۲ء) مگر کارل مارکس (۱۸۱۸ - ۱۸۸۳ء) کو جو عزت
اور شہرت نصیب ہوئی وہ ان میں سے کسی کے حصہ میں نہ آسکی۔

مارکس سنہ ۱۸۱۸ء میں رائن لینڈ جرمنی کے شہر ٹرائر میں پیدا ہوا تھا، یہ
یہودی تھا مگر اس کا خاندان اس کے بچپن میں پروٹسٹنٹ کا حلقہ بگوش ہوگیا تھا
اس نے بون اور برلن یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کا خاص موضوع تاریخ
قانون اور فلسفہ تھا۔ اس میں خصوصیت کے ساتھ جرمنی کے مشہور فلسفی ہیگل
(۱۷۷۰ - ۱۸۳۱ء) کے فلسفہ کی طرف متوجہ تھا۔ یہ ہیگل وہی ہے جس کی مملکت کسی
اصول کی پابند نہیں ہوتی اور نہ کسی حیثیت سے جواب دہ ہوتی ہے۔ جس کی زندہ
مثال جرمنی کی تباہ شدہ کلیت پسند مملکت ہے۔

مارکس کے نظریہ اور اس کی ذہنی اور عملی کاوشوں سے اثر پذیر ہونے والوں
نے پہلے اسے پیغمبری کا منصب دیا لیکن بعد میں اس کو (نعوذ باللہ) خدائی کے درجہ پہ
پہنچا دیا اور لینن کو پیغمبری کا منصب عطا کیا۔ مارکس کے دوستوں میں اینجلز (۱۸۲۰ - ۱۸۹۵ء)
کا مقام بھی کم اہم نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مارکس اور اینجلز کی ملی جلی کوششوں سے جب
اشتمالی منشور (COMMUNIST MANIFESTO) فروری سنہ ۱۸۴۸ء

میں شائع ہوا تو دھوم مچ گئی۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پچھلی آدھی صدی میں اس کے لاکھوں لاکھ نسخے مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن اس دھوم مچلنے کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ اس میں اسلام کے آغاز نمر یعنی خالق کائنات کے تصور سے بالکل آزادی تھی۔ ان کا نقطِ آغاز "روٹی" اور "مادہ" تھا ــــ سیدھے سادھے الفاظ میں اسے اس طرح کہیئے کہ اسلام کا سنگ بنیاد خالق کائنات کا تصور اور اشتمالیت (کمیونزم) کی بنیاد "روٹی" اور "مادہ" ــ

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تابہ کجا!

اسلام عقائد و عبادات کا مجموعہ، زندگی کا ایک مربوط نظام عمل اور حکومت و معاشرت کا مکمل دستور ہے اور کمیونزم لادینیت کا مجموعہ زندگی، حکومت اور معاشرت کا نامربوط ادھورا اور ناپیدار دستور ہے!

اسلام کسی کی محنت و مشقت سے کمائی ہوئی جائز اور حلال دولت کو اس سے اس لئے نہیں چھینتا کہ اس نے اتنی دولت کیوں جمع کرلی بلکہ اسے یہ بتلاتا ہے کہ چونکہ تم نے اپنی عقل، اپنے دماغ، اپنی سوجھ بوجھ اور اپنی محنت سے زمین کے سینہ کو چیر کر نکلنے والی چیزوں کو مفید اور کار آمد بنا کر جب پونجی اکٹھا کرکے اپنے کو باعث فخر اور لائق ستائش بنالیا ہے تو تم پر فرض یہ ہے کہ تم اپنے کنبے قبیلے اور اپنے معاشرہ کو بھی اسی طرح اپنی دماغی اور جسمانی محنتوں سے کام لینے کے لئے آمادہ کرو تاکہ تمہارا قبیلہ اور تمہارا معاشرہ ایک مثالی بن جائے اور اس کے لئے ضروری یہ ہوگا کہ تم ان کی مالی اعانت کرو۔ "ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل۔۔۔" ــــــــــــ

انسان نہیں سوچے یہ اور بات ہے مگر ذرا سا بھی سوچے پر ان باتوں کے علاوہ مزید یہ بات بھی آسانی سے ذہن میں آجائے گی کہ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ فن کاروں اور صنعت کاروں کی دماغی ہمت افزائی فرماتا ہے کہ وہ اس کی قدرت کے نمونوں کے

صفحوں پر بیل بوٹے بنائیں اور اس متن پر خوب خوب حاشیے چڑھائیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا اور یہ مطمح نظر نہ ہوتا تو کس فن کار اور صنعت کار کو پڑی تھی کہ وہ اپنی دماغی اور جسمانی محنتوں کو کام میں لاتا جب کہ اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ لاکھ محنت کروں مگر اس کا ثمرہ مجھے نہیں ملے گا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ نہ اس میں جدت طرازی آتی اور نہ ہی وہ اپنی فنکارانہ صلاحیتوں میں بے جگری سے اضافہ کرتا بلکہ مشین کی طرح بے سوچے سمجھے ایک کام میں لگا رہتا اور صرف کام کے اوقات کی مدت تک پہونچنے کے لئے وہ اسی طرح گھنٹوں اور منٹوں کو گنتا رہتا۔ مگر چونکہ کمیونزم کے دستور میں "خدا" نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے اس لئے اس دستور کے بانیان مارکس، اینجلز، لینن اور اسٹالن وغیرہ کے "صحیفوں" میں اول اول تو سرمایہ داری اور شخصی دولت کا قلع قمع کرنے کے لئے احکام بنائے گئے اور فنکاروں اور صنعت کاروں کو ان کی محنت و مشقت کے ثمرہ سے یک قلم محروم کر دینے پر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان کے لئے ایک محدود اور مقررہ رقم مقرر کر دی گئی۔ اولاد کو ان کے والدین کے ترکہ سے محروم کر دیا گیا۔ سرمایہ داری کو نیست و نابود کر دینے کے پردہ میں انسانیت کو کچل کر رکھ دیئے اور اس کی آزادی کو ظلم و ستم کے لوہے کے مضبوط جبڑوں سے جکڑ دینے کے لئے ساری طاقتوں کو کام میں لایا گیا۔ لیکن جب ان کے دستور کے خود متبعین بھی نہ آہ کے انسانیت سوز مظالم کو ٹالنے کے لئے ایک پارٹی کی حیثیت سے جمع ہوئے تو دو حصوں میں بٹ گئے، یعنی ایک تو وہ ہوئے جو انقلاب اور خون ریزی سے گھبراتے تھے، ان کی تعداد کم تھی یہ مانشویک (MANSHEVIC) کہلائے اور انقلاب اور خون ریزی کو اور ظلم کو جو جائز سمجھتے تھے اور اسی کے دلدادہ تھے وہ بالشویک (BOLSHEVIC) ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان "احکام" میں ترمیم و تنسیخ کی گئی اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ انسانیت صحیح معنوں میں بیدار ہو جائے گی اور وہ خود ہی

کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کر کے رکھ دے گی۔

چونکہ میرے مضمون کے عنوان "اسلام اور کمیونزم" کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ میں اسلامی یا اشتمالی ممالک کی داخلی اور خارجی سیاست پر بھی روشنی ڈالوں اس لئے مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اس باب میں میرے ہمنوا ہوں گے کہ میں اپنی زبان قلم کو اس حرف آخر کے بعد خاموش کر دوں کہ

چونکہ اشتمالیت (کمیونزم) کی بنیاد نری مادیت پر ہے۔ اس لئے اس سے انسان کی تشفی ناممکن ہے۔ اور اس "مادیت" کا نتیجہ سوائے "لذتیت" کے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ وہ فلسفہ جو نری "مادیت" پر مبنی ہوگا اور دنیا کو صرف "ذرات" کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کرے گا۔ اس میں کسی مذہبی یا روحانی تصور کا سوال ہی نہیں پیدا ہوگا۔ ان کے یہاں تو مادہ ہی سب کچھ ہوگا ان کا "خدا" ان کی "روٹی" ہوگی اور انسان کا "انسان" اپنی دنیا کا آپ ہی "خالق" اور "ناظم" ہوگا۔

اس لئے اسلام اور کمیونزم دو مختلف اور متضاد چیزیں ہیں، ان میں سے ایک کا دوسرے سے نہ تعلق ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

اسلام میں تصوف

تصوف کو اسلام میں باشرائط ایک تحریک کی صورت تو بعد میں دی گئی لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تصوف کا وجود آغاز اسلام سے ہی تھا اور ایک فن کی حیثیت سے اس کی تحصیل کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

تصوف کی لغوی اصل "صفا" ہے جس سے اس کی اصطلاحی تعریف کا تعین آسان ہو جاتا ہے۔ اہل فن نے تصوف کی تعریف میں مختلف اقوال پیش کئے ہیں ایک مشہور قول ہے "التصوف قیام القلب مع اللہ" یعنی دل کو غیر اللہ سے منقطع کر کے صرف اللہ سے جوڑنا تصوف ہے۔

علمائے تصوف نے اس ضمن میں حضرت محمد بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایک قول نقل کیا ہے جو تصوف کی حقیقت اور اس کی روح کی بہترین وضاحت ہے وہ قول یہ ہے۔ التصوفُ خلق فمَن زاد علیك فی الخلق زاد علیك فی التصوف یعنی تصوف نیک خوئی کا نام ہے اور جو شخص جتنا زیادہ خوش خلق ہوگا اتنا ہی اچھا وہ صوفی بھی ہوگا خوش خلقی یہاں ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے یہ خالق کے ساتھ بھی ہونی چاہیئے۔ اور مخلوق کے ساتھ بھی خدا کے ساتھ اخلاق برتنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اس کی قضا پر راضی رہے اس کے

برتنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں انھیں خدا کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لئے ادا کرے۔

تصوف "صفا" اس کے مقابل کدر کدورت ہے یعنی معاملات اور اخلاق دونوں میں حد درجہ کی پاکیزگی پیدا کرنا طبیعت سے میل اور کھوٹ کا بالکل زائل کردینا حق تعالیٰ کی عبدیت کا مخلصانہ وصف پیدا کرنا تصوف کی حقیقت اور اس کی روح ہے چنانچہ اسی پاکیزگی کی بنیاد پر اہل تصوف نے صوفیہ کے علیحدہ علیحدہ تین درجے مقرر کئے ہیں (۱) صوفی (۲) متصوف (۳) مستصوف۔

حضرت خواجہ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی کے اوصاف کے ضمن میں فرمایا۔ الصوفی اذا نطق بان نطقہ عن الحقائق وان سکت نطقت عنہ الجوارح بقطع العلائق حقیقی صوفی وہ ہے کہ جب بولے تو اس کی زبان پر حق جاری ہو اور جب خاموش ہو تو اس کے جسم کا ایک ایک رونگٹا زبان حال سے شہادت دے کہ اس کے اندر دنیا کی کوئی ہوس موجود نہیں ہے۔

متصوف کی تعریف حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے رسالہ غنیۃ الطالبین میں یہ فرمائی کہ متصوف مبتدی ہوتا ہے اور صوفی منتہی وہ صوفی بننے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے اور تیسرا طبقہ مستصوفین کا ہے جس کے متعلق ایک قول ہے۔ المستصوف عند الصوفیہ کالذباب وعند غیرھم کالذئاب یعنی صوفیہ کے نزدیک وہ لوگ جو خود کو بہ تکلف صوفی ظاہر کرتے ہیں مکھی کی طرح حقیر ہیں۔ اس لئے کہ ان کے اعمال میں ریا اور دنیا کی ہوس ہوتی ہے اور یہ طبقہ عوام کے لئے بھیڑیوں جیسا ہے اس لحاظ سے کہ یہ لوگ اپنی ریاکاری سے سادہ عوام کے اخلاص و عقیدت مندی کا استحصال کرتے ہیں۔ اور غالباً اسی

طبقہ کی ریاکاریوں کی بنیاد پر ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہوا جو سرے سے تصوف ہی کا منکر ہوگیا۔ حضرت شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کا اثبات اور منکرین تصوف کا ابطال فرماتے ہوئے اپنے رسالہ کشف المحجوب میں حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے التصوف الیوم اسم لاحقیقۃ وقد کان حقیقۃ فی زمانہ تصوف تو صرف ایک نام ہے لیکن زمانہ صحابہ اور سلف میں یہ ایک حقیقت تھا۔ اس قول کے بعد حضرت ہجویری علیہ الرحمہ نے منکرین تصوف سے خطاب فرماتے ہوئے کہا ہے کہ تم لوگ تصوف سے اس کی موجودہ صورت دیکھ کر بدگمان ہو جاؤ کیونکہ اس صورت حال سے ہم خود بیزار ہیں۔ لیکن اگر تصوف کی حقیقت اور اس کے معنی سے انکار کرتے ہو تو سمجھ لو کہ تم شریعت کے منکر ہو بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل حمیدہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوصاف جمیلہ کا انکار ہے اس لئے کہ حقیقت تصوف سے انکار کے بعد پورا دین ریاکاری بن جاتا ہے دین کی اصل روح اور اس کی جان تو خدا اور اس کے رسول کی سچی اطاعت ہے اور یہی تصوف کی بھی روح ہے۔ اس لئے اس کا قطعی منکر دین کا منکر ہے۔

تصوف کسی خاص وضع قطع یا علم کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تو ایک وصف اور اخلاق کا نام ہے۔ حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

لیس التصوف رسومًا ولا علومًا ولکنہ الاخلاق

البتہ اگر صوفی اور تصوف کی لغوی اصل "صوف" ان کو سمجھا جائے تو اس اعتبار سے صوفی کے لئے مخصوص وضع قطع اور موٹے کپڑے پہننا ضروری معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضرات صوفیہ کا عام طریق لباس گدڑی پہننا ہے اور ان کے نزدیک ایسا کرنا سنت ہے اس لئے کہ روایات میں ملتا ہے

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبس الصوف

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم صوف اون کا بنا ہوا لباس" پہنتے تھے اور حضور نے یہ بھی فرمایا ہے۔ "علیکم بلبس الصوف تجدون حلاوۃ الایمان فی قلوبکم"۔
اون کا لباس اختیار کرو اس سے تم اپنے دلوں میں ایمان کی مٹھاس پاؤ گے
حضرات صوفیہ کا یہ مسلک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے علاوہ اس ارشاد کے بھی مطابق ہے کہ آپ نے فرمایا۔ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُم جو شخص کسی گروہ کی مشابہت اختیار کرتا ہے اسی گروہ کا فرد شمار ہوتا ہے۔ چونکہ زیادہ تر اہل اللہ پھٹے حالوں اور چیتھڑوں ہی میں ملبوس رہنا پسند فرماتے ہیں اس لئے صوفی کا بھی اسی حال میں رہنا خدا کی قربت کا سبب ہے ان کا کہنا ہے کہ ہم اپنے ظاہر کو اہل اللہ کے موافق آراستہ رکھتے ہیں تاکہ باطن بھی ان کے جیسا ہو جائے حضرت شیخ ہجویری نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے لباس کے بارے میں کسی تکلف سے کام نہ لیا جائے۔ اگر قبا ملی تو وہی پہن لی گدڑی میسر آئی تو اس کو پہن لیا اور کچھ نہ ملا تو اسی طرح وقت گزار لیا۔ کسی چیز کو عادت نہ بنائے کیونکہ جب کوئی چیز عادت بن جاتی ہے تو اس سے محبت ہو جاتی اور یہ محبت طبیعت میں داخل ہو کر حجاب بن جاتی ہے۔

اہل طریقت کا ایک گروہ جو ملامت کو پسند کرنے کی وجہ سے اہل ملامت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ نفس کی اصلاح و تربیت کے لئے یہ طریقہ مفید ہے۔ یہ حضرات شریعت کی خلاف ورزی کئے بغیر ایسے کام کرتے ہیں جن سے دیکھنے والے ان کو ملامت کریں اور ایذا دیں اور ان کا یہ عمل ان کے نزدیک مقبول بارگاہ ہونے کی علامت ہے اس لئے کہ کسی کے ساتھ کوئی برائی کئے بغیر ملامت کا برداشت کرنا نفس کشی کی بہترین صورت ہے۔

مکتبہ پاسبان کی مطبوعات
خون کے آنسو حصہ اول ــــــ از خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی مدظلہ العالی ۷-۰۰
خون کے آنسو (دوم) ــــــ ۵-۰۰
قہر آسمانی برفتنۂ حقانی ــــــ ۷-۰۰
دیوبندی بولتے ہیں مگر سمجھتے نہیں (دیوبند کا نیا دین) ــــــ ۶-۰۰
عقائد اہلسنت ــــــ ۸-۰۰
جماعت اسلامی کا شیش محل ــــــ ۵-۰۰
ہند کے راجہ (یعنی سوانح خواجہ) ــــــ ۳-۰۰
کربلا کا مسافر ــــــ ۷-۰۰
مجرم کون ہے؟ ــــــ ۴-۰۰
تنویر الایمان فی فضائل شعبان ــــــ ۱-۰۰
دیوبند کے بے نقاب چہرے ــــــ ۲-۰۰
انکشافات ــــــ ۴-۰۰
مینارۂ ہدایت ــــــ ۳-۰۰
نسیم رحمت مکمل ۳ حصے ــــــ ۳-۵۰
فردوس ادب مکمل ۴ حصے ــــــ ۴۱-۰۰
نجد سے سہارنپور تک ــــــ مولانا کامل سہسرامی علیہ الرحمۃ ۲-۰۰
فتاویٰ پاسبان ــــــ مفتی پاسبان ۴-۲۵
معارف حدیث ــــــ از حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان ۳-۷۵
اشک ندامت ــــــ حضرت راز الہ آبادی ۲-۰۰
نشاط زندگی ــــــ حضرت بیکل اتساہی بلرامپوری ۲-۰۰
نغمۂ ترنم ــــــ ۲-۰۰
ملنے کا پتہ
مکتبہ پاسبان
الہ آباد